خانقاہی نظام اور دورِ حاضر کے تقاضے

مقالہ برائے ایم فل (اسلامی فکر و تہذیب)

UMT Library

This book is lent in good condition. It will be inspected on return, and if any pictures/pages are found missing, marked or underlined, it will not be accepted, the borrower being responsible for the cost of replacement.

University of Management and Technology, Library
C-II, Johar Town, Lahore-54770, Pakistan
Tel: (92-42) 35212801-10 Fax: (92-42) 35184789
Email: library@umt.edu.pk Website: library.umt.edu.pk

تحقیق نگار

محمد حبیب عرفانی

آئی۔ڈی ۱۰۰۳۸۶-۰۱۴

نگران تحقیق

پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد سالک

چیئرمین شعبہ اسلامی فکر و تہذیب

یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی۔ لاہور

سیشن۔ ۲۰۱۰ - ۲۰۱۲

اقرارنامہ۔

میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے یہ مقالہ بعنوان
'' خانقاہی نظام اور دورِ حاضر کے تقاضے'' خود لکھا ہے۔
میں نے سرقہ سے کام نہیں لیا۔ اور تحقیق و تدوین کے
اصولوں کو مدِنظر رکھا ہے۔ زیر نظر مقالہ اس سے
پیشتر کسی یونیورسٹی میں برائے حصول سند
پیش نہیں کیا گیا۔ مزید برآں میں اس مقالے
کے نتائج تحقیق و دیگر عواقب کا ذمہ دار ہوں۔

محمد حبیب عرفانی۔
آئی۔ڈی ۰۱۴_۱۰۰۳۸۶
شعبہ اسلامی فکروتہذیب

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتا ہوں کہ تحقیق نگار محمد حبیب عرفانی نے مقالہ بعنوان ''خانقاہی نظام اور دورِ حاضر کے تقاضے'' برائے حصول سند ایم فل (اسلامی فکر و تہذیب) میری نگرانی میں مکمل کیا ہے۔ میں مذکورہ تحقیق نگار کے اسلوبِ تحریر اور معیارِ تحقیق و تدوین سے مطمئن ہوں۔

مقالہ نگار محمد حبیب عرفانی کو ایم فل (اسلامی فکرو تہذیب) کی ڈگری جاری کی جائے۔

پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد سالک

نگران مقالہ / چیئرمین

شعبہ اسلامی فکرو تہذیب

یونیورسٹی آف مینجمنٹ اینڈ ٹیکنالوجی لاہور۔

انتساب

اپنے والد محترم کے نام

جن کی تربیت اور شفقت آج بھی میرے لئے مشعل راہ ہے۔

اظہارِ تشکّر۔

اس تحقیقی مقالہ کی تیاری کے مختلف مراحل میں مختلف احباب سے واسطہ پڑا۔ اپنی گونا گوں مصروفیات کے باوجود جن علمی حضرات اور احباب نے کمال محبت سے وقت نکال کر اس کام کی تکمیل میں تعاون فراہم کیا۔ میں ان سب کا ممنون ہوں۔ خاص طور پر اپنے سپروائزر پروفیسر ڈاکٹر ممتاز احمد سالک صاحب، اُستاد ڈاکٹر محمد امین صاحب، استاد ڈاکٹر محمد طاہر مصطفےٰ صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔جن کے، وقتاً فوقتاً ، اپنے مفید مشورے میرے کام کی تکمیل میں مددگار ثابت ہوئے۔

بعدازاں میں اپنے گھر والوں کا بھی خاص طور پر احسان مند ہوں۔ جنہوں نے اپنی ضروریات پر میری علمی مصروفیات کو مقدّم رکھا اور میری مدد کی اور مجھے اس دوران مشکلات کا احساس نہ ہونے دیا۔ اللہ تعالیٰ جلّ شانہ' میری اس کاوش کو قبول فرمائے اور تعاون کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

آمین

فہرست

مقدمہ 5

باب اوّل 13

خانقاہی نظام ، تعارف و مقاصد

فصل اوّل 14

- تعریف۔ خانقاہ ، لغوی معانی واصطلاحی مفہوم ، خانقاہ کی مختلف صورتیں۔ 16
- خانقاہی نظام کی تعریف ، دیگر مذاہب میں خانقاہی نظام اور
- تعلیمات ، رسومات کا دین اسلام کی تعلیمات سے موازنہ۔
- پس منظر۔ واقعہ کربلا ، مدینہ منورہ میں قتل عام ، مکہ مکرمہ پر حملہ۔ 47
- آغاز ۔ میثاق انبیاء وتخلیق آدم ، مکالمہ ابلیس، 80
- اسلام میں خانقاہ کا تصور مسجد نبوی ﷺ اسلام کی پہلی خانقاہ۔
- ارتقاء ۔ صاحب تصنیف صوفیا اوران کی تعلیمات ، علامہ المحاسبی 87
- حضرت ابوسعید الخرازؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت ابونصر السراجؒ
- صوفیاء میں رائج اصطلاحات اور انکی تعریف امام قشیریؒ کی نظر میں۔

فصل دوم خانقاہی نظام کے بنیادی مقاصد 112

- تزکیہ نفس 115
- تعلیم کتاب 122
- درسِ حکمت 129
- شریعت کے تناظر میں حقیقت ، طریقت ، معرفت 139
- محبت الٰہی ، مکارمِ اخلاق ، خدمتِ خلق
- شریعت ، حقیقت ، طریقت ، معرفت

باب دوم 169

عصری تحدیات پاکستان کے تناظر میں

فصل اوّل 170

- عصری تحدیات 171
- ماضی بعید 172
  - ''امام زین العابدینؒ، امام حسن بصریؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ،
  - حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت ابویزید بسطامیؒ، حضرت سری سقطیؒ،
  - حضرت ابراہیم بن ادھمؒ، سیدنا علی ہجویریؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ،
  - شیخ ابوالنجیب القاہر سہروردیؒ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ،
  - خواجہ معین الدین اجمیریؒ، بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ،
  - خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت امیر خسروؒ، ماضی بعید کے دیگر اہل حق۔
- ماضی قریب 208
  - شاہ فخر الدین دہلویؒ، خواجہ نور محمد مہارویؒ، پیر مہر علی شاہؒ،
- حال/دور حاضر 214
  - سید قلندر علی سہروردیؒ، سید یعقوب علی شاہؒ، واصف علی واصفؒ
  - خواجہ سیّد محمد وجیہ السیما عرفانیؒ،

فصل دوم 243

- تنقید 244
- تبصرہ و تجزیہ 252
- فقدان و اہداف 256

باب سوم 260

دورِ حاضر میں خانقاہی نظام کا احیاء

فصل اوّل 261

- فیضانِ نظر و کرامتِ مکتب 262
- فیضانِ نظر
  - فیضانِ نظر حضرت اسماعیل کے واقعہ میں
  - فیضان نظر علامہ اقبال کی نظر میں،
- کرامتِ مکتب -
  - کرامتِ مکتب کی تعریف، حضرت امام ابن اسماعیل نابلسیؒ سے
  - سیدنا علی ہجویریؒ سے ، قرآن مجید کے حوالے سے
  - سورۃ البقرہ، النمل، مریم، ال عمران، الکہف میں
  - من وسلویٰ، ملکہ بلقیس کا تخت، حضرت عمرِ فاروقؓ کی کرامت
- حلقہ اثر کی روحانی، دینی و دنیاوی تربیت 272
  - تصوف میں بیعت کا مطلب
  - مرشد یا مُربّی یا مزکّی کی خصوصیات، ابوعلی وقاقؒ کا قول
  - آداب مرید امام قشیریؒ کی نظر میں
  - طریقت میں صحبت کی ضرورت و شرائط
- فضائل کی بجائے عملیت کا درس 280
  - خلفائے راشدین کے اقوال،
  - سیدنا امام حسینؓ کا فرمودہ،
  - حضرت سجاد زین العابدین کا قول
  - حضرت محمد بن علی بن امام حسینؓ کا قول،

- سیدنا علی ہجویریؒ کے اقوال،
- سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ کے اقوال،
- غرور نفسانی خواہشات ، عفو درگزر شائستگی کے بارے میں۔

- فہمِ دین کا باقاعدہ نصاب اور نظام کے تحت اہتمام 288

- میراث تاریخ، ابتدائی وثانوی مدارس
- بغداد کا علمی مرکز۔
- غیر رسمی تعلیم، نصاب درسِ نظامی
- دور حاضر کے تعلیمی مدارس اور جدید تعلیم۔

فصل دوم 300

- معاشرتی اور معاشی بہبود 301
- مسلکی اور فروعی اختلافات کا خاتمہ 307
و مذہبی ہم آہنگی کی ترویج

- اشاریہ 310
- مصادر و مراجع 325

بسم الله الرحمن الرحيم

(به نام الله ، مهر کار، رحم افزا)

''فرمانِ باری تعالیٰ

اَلَّذِی یَرٰکَ حِینَ تَقُومُ ○(۱)

ترجمہ:۔

''یارسول اللہ ﷺ جب آپ ﷺ کھڑے ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تو آپ ﷺ ہی کو دیکھا کئے ہے ○(۳)

Who seeth thee when thou standest up (to Pray).(4)

وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِینَ ○(۲)

ترجمہ:۔

''اور تمام سجدہ کرنے والوں کے اندر آپ ﷺ کے تصرّف کو دیکھتا ہے'' ○(۳)

And (seeth) thine abasement among those who fall prostrate (in worship).(4)

(۱) سورۃ ''اَلشُّعَرَاء آیت نمبر ۲۱۸ (۲) سورۃ ''اَلشُّعَرَاء، آیت نمبر ۲۱۹

(۳) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، عرفان القرآن، اعزاز الدین، ٹی بی ایم پبلشرز اینڈ پرنٹرز۔ لاہور، طباعت ھیجدھم، شوال المکرّم ۱۴۳۳، ستمبر ۲۰۱۲، ص ۵۹۹

(۴) Pickthal, Muhammad Marmaduke , Islamic Book Corporation , 21-E, humza Plaza, Blue Area, Islamabad, 1994, P-241

بحضور سرورِ کائنات، احمد مجتبیٰ، محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

سینہ روشن ہے، آنکھ بینا ہے
ہم نے ان کا جمال دیکھا ہے

وہ جو سُن لیں تو بات بنتی ہے
وہ جو کہہ دیں تو کام ہوتا ہے

وُہ جو اُٹھیں تو عرش حرفِ سلام
وُہ جو بیٹھیں، درود بَرپا ہے

بے فنا ہے وُہ جاں کہ خالقِ جاں
ان کی جاں کی قسم اُٹھاتا ہے

آپ کی یاد یا رسُول اللہ
دِل رُبا، جاں فزا، دِل آرا ہے

دِل فدا، جاں فِدا، نِگاہ فِدا
نُورِ حق باجلال دیکھا ہے

عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم، سندر سپر نٹرز فیصل آباد۔ طبع پنجم، ۲۰۱۰، ص ۹۳

نُور ، خوشبو ، بہار ، کیف سرُور
آپ ہی کا خیال آیا ہے

ہم پر نازل ہوئے کرم پہ کرم
رحمتِ کُل کا ہم پہ سایہ ہے

اُن کے دیکھے کی بات عرفانیؔ
کون کہتا ہے ؟ کِس سے کہتا ہے؟

....

عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، میرے حضور ﷺ ،سند پرنٹرز فیصل آباد۔ طبع پنجم، ۲۰۱۰، ص ۹۴

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین ' والصلاۃ و السلام علی اشرف الانبیاء و خاتم المرسلین نبینا محمد و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

اس کائنات ارض و سماء میں وجود انسانی کے ساتھ ہی خیر و شر کی قوتیں بھی جلوہ گر ہوئیں۔ خیر کی سوچ کا حامل ہابیل اگر تھا تو شر کی تمام تر خباثتوں کے ساتھ قابیل بھی اس کے مدِ مقابل ہوا۔(۱) خیر و شر کی اس لڑائی میں بظاہر شر اپنی پوری قوتوں کے ساتھ اہل خیر کے ساتھ بد تمیزیاں اور برائیاں کرتا رہا حتیٰ کہ شر نے جب پورے معاشرے کی غالب اکثریت کو اپنی لپیٹ میں لے لیا اور اہل خیر کیلئے وہاں سے ہجرت کے سوا چارہ نہ رہا تو یہ اہل خیر یا تو اپنے علاقوں سے ہجرت کرتے رہے۔ یا شریر لوگوں سے اپنے ایمان کو بچانے کیلئے آبادیوں سے دور جگہوں پر سکون و اطمینان سے اللہ کی عبادت میں اپنے آپ کو مصروف رکھتے رہے۔

نبی اکرم ﷺ کی اس کائنات میں آمد جہاں تکمیل دین ہے وہیں تکمیل آداب و اخلاق بھی ہے۔تعلیمات اسلامی میں شر سے جہاں مقابلہ کرنے کی ترغیب وتحریص دی گئی ہے وہیں اخلاق حمیدہ کا شعور بھی ہے۔ جہاں معاشرتی زندگی کی حقیقتوں سے واسطہ ہے وہیں مسائل سے نبرد آزما ہونا بھی ہے، جہاں لین دین میں کھرا ہونا ہے وہیں اپنے اللہ کی بارگاہ میں اخلاص کے ساتھ سجدہ ریز ہونا بھی ہے، جہاں مسجدیں اللہ کے ذکر کیلئے مخصوص ہیں تو وہیں کمیونٹی سنٹرز طرز کے ادارے بھی معاشرتی معاملات کی انجام دہی کیلئے مخصوص ہوئے۔

عام طور پر خانقاہ ایک ایسی جگہ کو کہا جاتا ہے جہاں علمی بصیرت رکھنے والے اپنے دور کے صدیوں بعد پیدا ہونے والے متبحر عالم باعمل ،استاد الاساتذہ ،علوم ظاہر و باطن کے شناور، وصال کے بعد آرام فرما ہوں ، اور ان کے لائق شاگرد اور علوم ظاہری و باطنی کے وارث مسند ان کی جگہ لوگوں کی علمی و عملی تربیت کے لئے موجود ہوں، آستانہ/خانقاہ کے ساتھ مسجد ، مدرسہ ،تربیت گاہ ، لائبریری ، لنگر ، اور قیام کے لئے حجرے بھی ہوں، تا کہ تعلیم وتعلّم کا سلسلہ پرسکون ماحول میں جاری رہے، اور عوام کو ان کے مسائل کے حل کے لئے شریعت کی روشنی میں راہنمائی بھی ملے۔ایسے خانقاہی سلسلوں میں اہل علم حضرات اور قرآن مجید کے احکامات کی روشنی میں رسول اکرم ﷺ سے کسی بھی طرح کی نسبت

(۱) سورۃ المائدہ ، آیت ۲۷۔

رکھنے والے احباب کی عزت وتوقیر کا خاص خیال رکھا جاتا ہے۔

راقم الحروف ذاتی طور پر جولائی ۲۰۰۷ میں چند افراد کے ساتھ علمی دورہ پر شام کے ملک میں مندرجہ ذیل تین خانقاہوں پر گیا۔

۱۔ روضہ حضرت بلالؓ (م ۱۷ یا ۱۸ ھ) (ایک روایت کے مطابق) بستی بلالؓ، دمشق (شام)

۲۔ روضہ حضرت ابراہیمؒ بن ادھم۔(م ۸۔۷۷۷ء) جبلے۔(شام)

۳۔ روضہ حضرت خالدؓ بن ولید (م ۶۴۲ء) حمس (شام)

ان تین جگہوں پر مزارات کے ساتھ مساجد، درسگاہیں، لائبریریاں، طلباء اور اساتذہ کے لئے رہائش گاہیں، حجرے اور لنگر کے انتظامات موجود ہیں۔ وہاں نمازیں ادا کرنے کا موقع بھی ملا اور انتظامات بھی دیکھے۔ ہم چھ احباب تھے۔ وہاں پر موجود انتظامیہ سے پذیرائی بھی ملی۔ بلا شبہ وہ جگہیں خانقاہ کے معیار پر پوری اترتی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کے اہل اللہ، جن میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین، تابعینؒ، تبع تابعینؒ اور ان کے بعد کے اہل حق و اہل علم حضرات نے لوگوں کی تعلیم و تربیت، دینی و دنیوی، کیلئے ان کمیونٹی سنٹرز کی طرز پر خانقاہیں بنائیں جس میں تعلیمات قرآنی کے مطابق علومِ دینیہ، سائنسی علوم، تزکیہ نفس، تعلّم تقویٰ کے ساتھ ساتھ لوگوں کی اخلاقی تربیت کا بھی اہتمام کیا گیا۔ یہاں سے ایسے اہل علم و ہنر لوگ نکلے کہ جنہوں نے دین کی خدمت کیلئے اپنے آپ کو وقف کر دیا انہی اہل علم و ہنر لوگوں میں بقول پرفیسر یوسف سلیم چشتی دوگروہ بنے ایک گروہ عقلیت پسندوں کا ہے۔ جو اپنی عقل وشعور کے مطابق شریعت کی پابندی کا قائل ہے۔ جبکہ دوسرا گروہ اہل محبت کہلاتا ہے۔ یہ دوسرا گروہ شریعت کے احکام کی تعمیل واطاعت کے علاوہ خدائے لایزال سے بوسیلئہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رابطہ پیدا کر کے وصل پر اپنی ردحوں کو ابدیت سے ہمکنار کرنا چاہتا ہے انہیں اہل طریقت یا صوفی بھی کہا جاتا ہے۔ اس دوسرے گروہ کے نظریات کی نمائیدگی کرتے ہوئے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

؎ خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اب خرد کا لا الہ کہنا کیا ہے؟ اور دل و نگاہ کا مسلماں ہونا کیا؟ وہ اس طرح سے ہے کہ عقل و فکر، نظر و خیال سے ماورا طاقت کا وجود یا ہونا ثابت کرنے کیلئے دہکتی آگ میں بھی کودنا پڑے تو رضائے باری تعالیٰ کیلئے یہ سودا مہنگا نہیں ہے۔ لیکن وہ جو تمام تر طاقتوں کا سر چشمہ ہے وہ اسی آگ کو اپنے محبّ حضرت ابراہیمؑ کیلئے گل و گلزار بنا دیتا ہے۔ جو حصول رضاء باری تعالی کیلئے احکام شریعت کی پابندی کو اپنے اوپر لازم کر لیتا ہے اور اس مقصد کے حصول کیلئے تمام تر تکالیف، مصیبتیں اور پریشانیاں خندہ پیشانی سے قبول کرتا ہے

اس واقعہ کو علامہ اقبال نے یوں نظم کیا ہے۔

؎ بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لب بام ابھی

عقل و عشق میں یہ دوری روز ازل سے ہی ہے۔اور اخلاق حمیدہ اور اخلاق ذمیمہ کا وجود بھی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا، حضرت آدمؑ کے دو بیٹے ہابیل اور قابیل دو متضاد کرداروں کی نمائندگی کے حامل تھے۔(۱) ایک کی عقل نے اسے ایک عمل پر مجبور کیا۔تو دوسرے کے سامنے اصول اور تعلیمات تھیں۔ جو دل و نگاہ کے مسلمان ہونے کی وجہ سے تھیں۔ اس موضوع پر تاریخ کو کھنگالنا ایک لمبے عرصے کا متقاضی ہے چونکہ ہمارا موضوع ''خانقاہی نظام اور دور حاضر کے تقاضے'' ہے تو واپس اصل موضوع پر آتے ہیں۔

عرصہ دراز سے خانقاہ کا ادارہ تنقید کی زد میں ہے۔ حالات یا معاملات کی خرابی،ایک ایسے ادارے میں جہاں فکری و روحانی بالیدگی، تزکیہ نفس اور تقویٰ کی علمی و عملی تعلیم شاملِ نصاب رہی ہو، اس پر تحسین کے ساتھ ساتھ تنقید بھی ہوئی۔ یہ تنقید زیادہ تر واقعات و معاملات کو غلط رُخ دینے سے، ان خالص علمی و عملی اداروں سے علم و عمل کو خارج کر دینے سے، اور دنیا پرست و جاہ پرست لوگوں کا تصوف کا لبادہ اُوڑھ کر اس کی تعلیمات سے علم و عمل کو نکال کر ذاتی و شخصی تشخص کو نمایاں کرنے کی حرص و ہوس کی وجہ سے ہوئی۔ان غلط لوگوں کے اعمال و افعال میں شریعت کی پابندی تو درکنار، خلاف شریعت حرکات کی بہتات رہی جو کہ اب بھی ہے۔ پھر اس ادارہ کے خلاف ایک بہت بڑی مہم شروع کر دی گئی۔ جس سے خانقاہ کی اہمیت تاریخ اسلام میں گہنا گئی۔ جہاں کچھ قصور اہل ادارہ کا ہے وہاں زیادہ

(۱) سورۃ المائدہ ، آیت ۲۷۔

ذمہ داری اسکے مخالفین پر آتی ہے۔ اور اس کی بنیادی وجہ اہل خانقاہ کا حق گوئی میں بیباک اور معاملات دنیا سے بے پرواہ ہونا ہے یہ بیباکی تنقید کی صورت میں نکلتی ہے ۔ جو بہر حال قابل پذیرائی نہیں ہوتی ۔ کیونکہ جن پر تنقید کی جائے وہ بجائے اپنی اصلاح کرنے کے ،کہنے والے کونشانہ بناتے ہیں۔

موجودہ دور میں تصوف پر جوقدیم ترین تحریر دستیاب ہے وہ علامہ ابو عبد اللہ حارث بن اسد المحاسبی العنزیؒ (م ۲۴۳ھ) ، صاحب کتاب الرعایہ لحقوق اللہ والقیام بہا،کی ہے جو کہ عالم باعمل،شریعت پرسختی سے کار بند ایسے صوفی تھے کہ وقت کے امام ان سے خوفزدہ تھے اور ان کی بیباکی سے گھبرا کر انہیں شہر بدر کروا دیا گیا تھا۔ اوروہ عالم جن کی تحریروں سے جہاں تصوف میں طائوس الفقراء ابو نصر سرّاج طوسیؒ (م ۳۷۸ھ)، صاحب کتاب اللمع فی التصوف ، حضرت الامام ابو طالب مکّیؒ (م ۳۸٦ھ)،صاحب کتاب قوت القلوب ، شیخ ابوبکر ابن ابی اسحاق الکلابازیؒ (م ۳۷۵ھ)، صاحب کتاب التعرف لمذہب اہل تصوف، ابو عبدالرحمٰن السلمیؒ (م ٤١٢)،صاحب کتاب طبقات الصوفیہ وغیرہ جیسےلوگوں نے اپنی تصانیف میں ان کے خیالات یا تجزیوں کاذکرکیا یا ان سےاستفادہ کیاوہیں امام ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیریؒ (م ٤٦٥ھ)، صاحب رسالہ قشیریہ اور پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ ،صاحب کتاب تاریخ تصوف ، وغیرہ جیسے علماء نے بھی اپنی تحریروں کوان کے خیالات سے سجایا۔

خانقاہ کو تاریخ میں مختلف ناموں سے بیان کیا گیا ہے ۔ خان گاہ، رباط ، تکیہ ، زاویہ ، Convent ،مدرسہ ، وغیرہ۔ فارسی میں خان گاہ ، سردار یا بادشاہ یا بڑے کے آستان یا ڈیرہ کے معنوں میں آتا ہے۔ یہ چھوٹا بڑا ہونا کیا ہے؟ اور چھوٹوں کو کسی بڑے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے ؟ مخلوقِ خدا کو کسی مدرسہ ، کمیونٹی سنٹر ،رباط ، Convent یا خانقاہ کی ضرورت کیوں پیش آئی ؟ شاگردوں کو استاد کی ضرورت کیوں ہے؟ سالک کو مرشد کی ضرورت کیوں ہے؟ ۔ طالب کو رہبر کی تلاش کیوں ہوئی؟ آوارہ مزاجوں کوکسی ہادی کی جستجو کیوں ہوئی؟ ۔ ان سوالات کی اہمیت قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ کے سورۃ المومنون کی ان آیات میں دیے گئے فرمان سے عیاں ہے۔

قَدۡ اَفۡلَحَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ ٥ الَّذِيۡنَ هُمۡ فِىۡ صَلَاتِہِمۡ خَاشِعُوۡنَ ٥ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَنِ اللَّغۡوِ مُعۡرِضُوۡنَ ٥ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوۡنَ ٥ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِفُرُوۡجِهِمۡ حَافِظُوۡنَ ٥ اِلَّا عَلٰٓى اَزۡوَاجِهِمۡ اَوۡ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُمۡ فَاِنَّهُمۡ غَيۡرُ مَلُوۡمِيۡنَ ٥ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡعَادُوۡنَ ٥ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ لِاَمٰنٰتِهِمۡ وَعَهۡدِهِمۡ رَاعُوۡنَ ٥ وَالَّذِيۡنَ هُمۡ عَلٰى صَلَوٰتِهِمۡ يُحَافِظُوۡنَ ٥ اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوَارِثُوۡنَ ٥ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ٥ (١)

ترجمہ:۔ اہل ایمان یقیناً بامراد ہیں ٥ جو بڑی لگن سے نمازیں پڑھتے رہتے ہیں ٥ وہ بے معنی اور فضول باتوں سے گریز کرتے ہیں ٥ اور زکوٰۃ پر کاربند رہتے ہیں ٥ اور اپنے آپ کی مکمل حفاظت کرتے ہیں ٥ سوا ان کی بیویوں کے یا جو ان کے اختیار و تصرف میں ہوں سو ان کی کوئی ملامت نہیں ہوتی ٥ اور جو کوئی اس کے علاوہ کسی بات کا آرزو مند ہو گا تو وہی زیادتی کرنے والے لوگ ہیں ٥ اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا دھیان رکھنے والے ہیں ٥ اور وہ جو اپنی ساری نمازوں کی نگہداشت کرنے والے ہیں ٥ یہی لوگ وراثت حاصل کرنے والے ہیں ٥ وہ جنت کے وارث ہوں گے اس میں ہمیشہ رہا کریں گے ٥

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متذکرہ بالا آیات میں مومنین، جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی پورے طور پر تعمیل کرتے ہیں، کے لیے اُن کی نیکیوں کے بدلے میں جنت میں ابدی زندگی کی بشارت دی ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید میں ایک اور مقام پر صحیح اور غلط کی پوری سمجھ دے کر دونوں حالتوں میں ملنے والے نتائج سے بھی آگاہ کر دیا ہے۔

قرآن مجید میں سورۃ الشمس میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

(۱) سورۃ المومنون ، آیات ۱ تا ۱۱۔

فَـاَلهَمَهَا فُجُورَهَا وَ تَقوٰهَا ٥ لا ص قَد اَفلَحَ مَن زَکّٰھا ٥ لا ص وَقَد خَابَ
مَن دَسّٰهَا ٥ ط(۱)

ترجمہ:۔ پھر اسے اس کی بدکاری اور پرہیز گاری دونوں کی پوری سمجھ دے دی ٥ کامیاب وہ رہا جس نے اسے پاک باطن رکھا ٥ اور نامراد وہ ہوا جس نے اسے خرابیوں کی اتھاہ گہرائیوں میں گرایا۔ ٥

ترکیب انسانی میں اس خالق لم یزل نے دونوں انتہائیں رکھ دیں۔ اور ساتھ ہی شیطان مردود بھی ہمہ وقت اسکی دشمنی پر کمر بستہ ہوگیا۔ چونکہ اعمال کی بنیاد اور بقا اعمال صالحہ پر ہے ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم دکھانے کے لئے پہلا ادارہ بنایا اور کائنات میں **انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ و تسلیمات** کو بھیجا۔ یہ اُس مالک رحمٰن ورحیم کا اپنی مخلوق پر کرم فرما ہونا تھا کہ اُسے شیطانی فریب ومکر سے محفوظ رہنے کی ہدایت وتراکیب کی راہنمائی فرمائی۔ اور یوں خانقاہی نظام کی بنیاد فراہم کی۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ و تسلیمات اِس کائنات میں اُس مالک ارض وسماء کا پیغام و احکامات لے کر تشریف لاتے رہے اور نسل انسانی کی تربیت فرماتے رہے۔ **نبی خاتم الانبیاء**ﷺ کی آمد اس کائنات میں اس کے پیغام کی تکمیل ہے۔ قرآن مجید کو اس نے صحیفہ آخر قرار دیا اور ارشاد فرمایا۔

اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الاِسلاَمَ دِیناً ٥(۲)

ترجمہ:۔ یہ آج کا دن ہے کہ میں تمہارے لیے تمہارے دین کو کامل کر چکا ہوں میں اپنی ساری نعمتیں تم پر تمام کر چکا ہوں اور تمہارے طرزِ زندگی کے لئے بس اسلام کو پسند کر چکا ہوں ٥

(۱) سورۃ الشمس ، آیات ۸ ، ۹ ، ۱۰۔

(۲) سورۃ المائدہ ، آیت ۳۔

جن میں بیشتر مصنفین نے عقیدتمندی یا محبت میں اولیاء اللہ یا بزرگانِ دین کے حالات زندگی اوران کی کرامات یا خوارق عادات کا ذکر زیادہ کیا ہے۔اور تحقیقی مطالعہ کی کمی کی وجہ سے ان کی تعلیمات کا ذکر نہ ہونے کے برابر کیا ہے جو کہ اصل چیز ہے اور جو خلق خدا کی شریعت کی طرف راہنمائی کرتی ہیں یا تفسیری نکات واضح کرتی ہیں۔

میں نے اپنی تحقیق میں دومناہج (Methodologies) کو مشترکہ طور پر اختیار کیا ہے۔جن میں لائبریری، میدانی تحقیق (Library , Field Research) شامل ہیں، موضوع تحقیق کی اہمیت کے پیش نظر پہلے لائبریری مصادر (Library Sources) سے معلومات حاصل کی ہیں۔اور پھر ذاتی طور پر پاکستان اور دیگر ممالک بشمول شام، چین، انڈونیشیا میں مختلف خانقاہوں، درگاہوں اور مزارات پر جا کر مشاہدات کیئے اور کئی سجادہ نشین حضرات سے ملاقاتیں کر کے حقیقی معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ان کے علاوہ محکمہ اوقاف کے کچھ ریٹائرڈ اور کچھ حاضر سروس حضرات سے غیر رسمی ملاقاتوں میں معاملات کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش کی ہے۔

تحقیق میں درپیش مشکلات میں ایک تو پرانی کتب کی عدم دستیابی کی وجہ سے زیادہ تر تراجم سے ہی مدد لی گئی اور دوسرے محکمہ اوقاف سے معلومات تک رسائی بھی نہ ہوسکی۔

مقالہ میں قرآن مجید کا اُردو ترجمہ دورِ حاضر کے معروف اور منفرد عالم حضرت سیّد محمد وجیہ السیّما عرفانیؒ کے 'عرفان القرآن' سے لیا گیا ہے۔جبکہ انگریزی ترجمہ Muhammad Marmaduke Pickthall) کا ہے۔

زیرِ نظر مقالہ میں موجودہ دور کے تقاضوں کے پیشِ نظر خانقاہی نظام کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے حقیقی جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، بات اچھی لگے تو خوش رہیے اور کہیں خامی نظر آئے تو مثبت تنقید شکریہ کے ساتھ قبول کی جائیگی۔ باری تعالیٰ حق بات کہنے کی توفیق عطا فرمائے اور میری اس کاوش کو قارئین کے لئے مستفید ہونے کا موجب بنائے۔

وماتوفیقی الّا باللہ (۱)

محمد حبیب عرفانی

شعبہ ''اسلامی فکر وتہذیب''

آئی۔ڈی نمبر ۰۱۴۔۱۰۰۳۸۶

(۱) سورۃ ھود ، آیت ۸۸۔

باب اوّل

خانقاہی نظام ، تعارف اور مقاصد

فصل اوّل

- تعریف
- پس منظر
- آغاز
- ارتقاء

تعریف

- خانقاہ ، لغوی معانی و اصطلاحی مفہوم
- خانقاہ کی مختلف صورتیں
- خانقاہی نظام کی تعریف
- دیگر مذاہب میں خانقاہی نظام اور تعلیمات ، رسومات کا دین اسلام کی تعلیمات سے موازنہ

خانقاہ کے لغوی معانی

تاریخ انسانی میں جب بھی اہل حق پر لوگوں کی طرف سے مشکلات ، تکالیف مسلط کی گئیں تو اگر وہ حضرت موسیٰ نبی برحق ؑ تھے تو مصر سے ہجرت فرمائی۔ اور اگر اصحاب کہف تھے تو آبادی سے دور ایک غار میں اپنے آپ کو مقید کر لیا۔ تاریخ اسلام میں جب اہل حق آزمائش میں مبتلا کر دیئے گئے تو انہوں نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں دنیا سے کنارہ کشی کرنے کی بجائے اپنے آپ کو تعلیم و تعلّم میں مصروف کر لیا اور لوگوں کی خدمت اور راہ حق کی شناسائی کا بیڑہ اُٹھایا۔ ان اہل حق نے جن جگہوں میں تعلیم و تعلّم کا سلسلہ شروع کیا انہیں بعد کے وقتوں میں خانقاہ کا نام دیا گیا۔ مختلف ادوار میں اور مختلف علاقوں میں یہ لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا رہا۔

صاحب مفردات نے اس لفظ کے معانی اس طرح لکھے ہیں۔

''خانقاہ کا لفظ دو اجزا پر مشتمل ہے۔ اور مرکب ہے۔

خان۔ ۱ آقا۔ ۲۔ شاہان ترکستان کا لقب

۳۔ سردار، امیر، رئیس، بادشاہ، پیشوا ۴۔ بمعنی سلطان''۔(۱)

ایک دوسری لغت میں اس کے معانی کچھ اس طرح دیئے گئے ہیں۔

''قاہ۔ یہ فارسی لفظ گاہ کا عربی تلفظ یا متبادل ہے۔ بمعنی جگہ، گھر۔

آستاں۔ جیسے درس گاہ۔ چراگاہ وغیرہ۔ (اسم ظرف مکان، ظرف زمان)

خانقاہ۔ اسم مئونث ، مرکب ، خان + گاہ) درویشوں اور مشائخ کی جگہ''۔(۲)

پاکستان میں ایک مشہور ادارہ کی طرف سے چھپنے والی لغت میں دیئے گئے معانی اس طرح ہیں۔

خانقاہ۔ مئونث ۔ درویشوں اور مشائخ کے رہنے کی جگہ امام باڑہ (بارگاہ) + مقبرہ''۔(۳)

ایران میں چھپنے والی فارسی لغت میں اس لفظ کے معانی فارسی میں ہی ملاحظہ ہوں

خانگاہ۔ (ن) خانگہ، مرکب از خانہ وگاہ، خانہ، سرا،

خانقاہ۔ جائی کہ مشائخ ودرویشان بسر ببرند''۔(۴)

(۱) اردو لغت ۔ اردو لغت بورڈ، کراچی ۔ دسمبر ۱۹۸۷ ۔ ج ۸ ۔ صفحہ ۴۱۶ (۲) دہلوی، سید احمد، فرہنگ آصفیہ، ایڈیشن ۱۹۱۸، ج ۲ ص ۱۸۰

(۳) فیروز اللغات ۔ فیروز سنز، لاہور ۔ ۱۹۴۱ ۔ صفحہ ۶۰۱ ۔ (۴) فرہنگ عمید ۔ چاپ دوم ۔ تہران ۔ ص ، ۱۰۵ ۔

اب خانقاہ کا جن چار الفاظ میں انگریزی زبان میں ترجمہ کیا گیا ہے۔ ان کے انگریزی زبان کی مختلف لغات میں معانی کچھ اس طرح سے ہیں۔

"1. Convent- 2. Monastery - 3. Abbey 4. Shrine "

1. Convent. (i) Religious Community of Christian Women

(Called Nuns) living apart form others". ''گروہ راہبات''۔

(ii) "Place Where they live".

''عیسائی خانقاہ ، دیر رہبات''

2. Monastery :- N "Building for monks to live in".

''عیسائی خانقاہ۔ دیر''

3. Abbey- N ''راہبوں یا راہبات کی تنظیم''

"Builging in Which they live". ''خانقاہ ، دیر''

"The Church of an abbey". ''خانقاہ کا گرجا''

4. Shrine.- "Place Associated with some revered person".

''مزار ، روضہ ، مقدس یا دگار''(۱)

ایک جرمن زبان کی لغت میں معانی یوں دیئے گئے ہیں۔

Monastery. " n - ( ) (moncns) kloster nt"

Mosnasti "( ) monchiseh, klosterlich. Life ordens" (2)

ایک انگریزی لغت میں چرچ کے معانی کی یوں وضاحت کی گئی ہے۔

Church.- "n. A building used for public Christian worship, (3)

1) The Kitabistan Publishing Co., Urdu Bazar, Lahore. Pages - 149, 440, 1, 601

2) Collins German Dictionary 1996-P-315.

3) Oxford, Advanced Learners, Dictionary, British National Corpus, ISBN-0-19-431499-5

دیگر بین الاقوامی زبانوں میں خانقاہ کے لئے درج ذیل الفاظ استعمال کئے گئے

"Shrine	in	Urdu	درگاہ
		Arabic	الصریح
		Hindi	سمادھی
		Spanish	relicario
		French	Lieu saint
		German	Schrein"(1)

"Monastery	in	Urdu	عیسائی خانقاہ
		Arabic	الدیر
		Hindi	آشرم
		Spanish	Monasterio
		French	Monastire"(2)

"Convent	in	Urdu	خانقاہ
		Arabic	الدیر
		Hindi	درگاہ
		Spanish	Convento
		French	Convent
		German	konvent"(3)

خانقاہ کا اصطلاحی مفہوم

تابعین و تبع تابعین کے دور کے بعد جب اسلامی سلطنت ہندوستان وسطی ایشیا اور افریقہ تک پھیل گئی تو وہاں کے لوگوں میں اسلامی تعلیمات کے پھیلاؤ، انہیں اسلام کی طرف راغب کرنے اور مسلمان ہونے والوں کی تربیت و تزکیہ کیلئے بے شمار اولیاء اللہ نے اُن علاقوں کے سفر کئے اور ہر مقام پر ایک ایسی جگہ بنائی جسے خانقاہ کا نام دیا گیا ۔ ان خانقاہوں میں تربیت کے مراکز کے علاوہ مسجد ،لنگر خانے ، اور رہنے کیلئے حجرے تعمیر کئے گئے جہاں ہر طالب حق کیلئے راہنمائی وراہبری کے انتظامات تھے۔

لغت میں خانقاہ کا اصطلاحی مفہوم مختلف ادوار کی لغات،انسائیکلوپیڈیاز اور کتب کے حوالوں سے، کچھ اس طرح دیا گیا ہے۔

- ''صوفیوں اور درویشوں کی عبادت گاہ۔شہزادہ فقیری بھیس میں حضرت کی خانقاہ کے اندر موجود ہے''
- ''خانقاہیں جو سلاجقہ کے عہد سے قبل موجود تھیں اب بے نام ونشان ہو چکی ہیں''۔
- ''مسیحی عبادت خانہ سے متعلق راہبوں کا مسکن نیز بودھ مذہب کے ٹو بے وہ بودھ مذہب رکھتے ہیں۔ چنا چہ اس مذہب کی خانقاہیں اس ملک میں بہت ہیں''
- ''جب آپ ﷺ دس بارہ برس کے تھے تو اپنے چچا حضرت ابو طالب کے ساتھ شام کا سفر کیا راہ میں ایک عیسائی خانقاہ ملی جس میں بحیرا نام کا ایک راہب رہا کرتا تھا''۔
- ''اس نے (مینڈل) کئی نسلوں تک ان پودوں (مٹر کے پودے) کو اپنی خانقاہ کے باغیچے میں اُگایا''۔
- ''عمر گزری ہے خانقاہوں میں ۔ ایک شب یاں گزار جانا ہے''
- ''کسی عقیدت مند یا دوست کا گھر یا مکتب فکر''۔
- ''مفر نہیں ہے ہمیں خانقاہِ سیّد سے ۔ قفس میں ہیں تو اس اڈّے کو چھوڑ جائیں کہاں''
- ''وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ خانقاہ سر سیّد کے تربیت یافتہ ہیں۔''(۱)

(۱) اردو لغت ، ج ۸ ، اردو لغت بورڈ ، کراچی ۔ ۱۹۸۷ء

لغاتِ کشوری میں خانقاہ کا مفہوم کچھ اس طرح دیا گیا ہے۔

''خانقاہ۔ن۔فقیروں اور درویشوں کے رہنے کا مکان''(۱)

ایک انگریزی لغت میں خانقاہ کے مختلف انگریزی تراجم کا مفہوم یوں ہے۔

Convent

۱۔ مذہبی جماعت خصوصاً راہباؤں کی ۲۔ ان کی اقامت گاہ صومعہ، کنیسہ۔

۳۔ Convent School کا اختصار، عیسائی راہباؤں کے زیرِ انتظام سکول

Monastery صوفیوں، سنیاسیوں کا ٹھکانا، آشرم، خصوصاً راہبوں کی خانقاہ، صومعہ،

Monastic ۱۔ راہبانہ، خانقاہی یا ان سے متعلق

۲۔ تارک الدنیا، راہبوں وغیرہ سے مشابہ، راہبانہ، درویشانہ، تجرد پسندانہ،

اسم۔راہب، درویش، جو کسی خانقاہ سے متعلق ہو۔

Shrine ۱۔ چھوٹا گرجا یا قربان گاہ، خانقاہ وغیرہ جو کسی ولی کے نام سے منسوب ہو، کسی مذہبی پیشوا یا ولی کا مقبرہ

۲۔ کوئی جگہ جہاں کسی بزرگ کے تبرکات محفوظ ہوں۔

۳۔ شنٹو مذہب کے پیروؤں کا عبادت خانہ (۲)

پروفیسر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں۔

''خانقاہ کا مفہوم آقا یا مالک یا روحانی بادشاہ یعنی مرشد کا گھر۔۔۔۔ سکھ دھرم کی اصطلاح میں گردوارہ۔ اس لفظ کی ترکیب بتا رہی ہے۔ کہ اس کا رواج وسط ایشیاء کے علاقے سے شروع ہوا ہوگا۔ ابتدائی صدیوں میں عرب علاقوں میں یا علماء، صوفیا کی تصانیف میں یہ لفظ نہیں ملتا۔ اگر چہ بعد کے دور میں خانگاہ کر لیا گیا۔''(۳)

(۱) رضوی، سید تصدق حسین، لغاتِ کشوری، مطبع نول کشور لکھنو، ایڈیشن ۱۹۶۴ء، ص ۲۵۱

(۲) Haqqee, Shanul Haq, The Oxford English-Urdu Dictionary, Oxford Univeristy Press, 2003, 2nd Edition Karachi, P 320, 1032, 1592

(۳) فاروقی، ڈاکٹر نثار احمد، دہلی یونیورسٹی۔ خانقاہی نظام کی اہمیت، المعارف، لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، مکتبہ جدید پریس، لاہور، اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۴ء۔ ص ۵۷

خانقاہ کی مختلف صورتیں

انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں اور مختلف مذاہبِ عالم میں خانقاہ کو مختلف نام دیئے گئے ۔مثلاً خانقاہ ، زاویہ ،تکیہ ، رباط ، خانگاہ ، دویرہ ، مدرسہ ، مزار ، زیارت لنگر ، سرا ، مسجد ، ڈیرہ ، ٹھکانہ ، صومعہ ، Convent , Monastery ، جماعت خانہ ادارہ ، تربیت گاہ ، عبادت خانہ ،Institution ، درسگاہ آستانہ ،درگاہ وغیرہ۔ ان تمام الفاظ کا کم وبیش مطلب ایک ہی بنتا ہے۔کسی بڑے خان ، شہنشاہ ، استاد ، مرشد ، رہنما ، کاٹھکانہ یا ڈیرہ وغیرہ

اس موضوع پرڈاکٹرمحسن کیانی نے اپنی کتاب ''تاریخ خانقاہ درایران'' میں اس کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

O ''واژئه خانقاه و تحليل آن''(۱)

ترجمہ:۔ ''لفظ خانقاہ اور اُس کا تجزیہ''(۲)

O ''واژئه خانقاه به صورتهای:

''خانگاه ۱ ، خانه گاه ۲، خوانگاه ۳ ، خانجاه ٤، خانقه ٥ ،

خانگه ٦ ، درکتابها ضبط شده است:''(۳)

''خانقاہ کا لفظ ان صورتوں میں خانگاہ ، خانہ گاہ ، خوانگاہ ، خانجاہ ، خانقہ ، خانگہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے''۔(۴)

(۱) کیانی ، دکترمحسن ، تاریخ خانقاہ درایران فارسی،کتاب خانہ طھوری ، تہران ،خیابان انقلاب، روبروی ، دانشگاہ ، چاپ اول ، ۱۳۶۹ ، ص ۵۵۔

(۲) خانم ، شائستہ ، اُردوترجمہ ، تاریخ خانقاہ درایران ، (بخش اول) دانشکدہ خاورشناسی ، دانشگاہ پنجاب ، لاہور ، ۲۰۰۴ ، ص ۳۵

(۳) کیانی ، دکترمحسن ، تاریخ خانقاہ درایران فارسی ، ص ۵٦۔

(۴) خانم ، شائستہ ، اُردوترجمہ ، تاریخ خانقاہ درایران، ص ۳۵

دکتر محسن کیانی خانقاہ کی مزید صورتوں کی یوں تفصیل بیان کرتے ہیں۔

O ''همچنین ابن کلمه در مواردی هم بد صور تهای:

''خوردنگاه ۷ ، خورنگاه ۸ ، خورنگه ۹ ، خوردگاه ۱۰ ، خوردگه ۱۱، ، خوانگه ۱۲ ، خورنقاه ۱۳ ، خرنقاه ۱٤، خونقاه ۱۵، خونگاه ۱٦، الخرنکاه ۱۷، استعمال شده و کلمئه جمع آن به صورت خانقاهات ۱۸، بدکار برده شده است. و نیز کلمئه خوانق ۱۹، جمع کلمئه خانق بوده و کلمئه خانق هم تصحیف شده ای است از کلمئه خانك فارسی؛ باوصف ابن؛ کلمئه خانك هم بد صورت الخوانك ۲۰، دزبان عربی همان واژه بیان گردیده است.''(۱)

ترجمہ:۔ ''اسی طرح یہ لفظ ان صورتوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔خوردنگاہ ، خورنگاہ ، خوانگہ ، خوردگاہ ، خوردگہ ، خوانگہ ، خوانقاہ ، خونقاہ ، خونگاہ ، الخرنگاہ ، اور ان کلمات کی جمع خانقاہات کی شکل میں استعمال ہوئی ہے اور مزید کلمہ خوانوں لفظ خانق کی جمع ہوا اور لفظ خانق بھی فارسی لفظ خانک سے تصحیف شدہ شکل ہے۔ اسی کے باوجود کلمہ خانک بھی الخوانک کی صورت میں عربی زبان میں جمع بنایا گیاہے''۔(۲)

''کلمئه خالق بوده و کلمئه خالق هم تصحیف شده ای است از کلمئه خانك فارسی ، باوصف ابن ، کلمئه خانك هم بد صورت الخوانك،۲۰، دزبان عربی همان واژه بیان گردیده است''(۳)

(۱) کیانی ، دکتر محسن ، تاریخ خانقاہ درایران فارسی ، ص ۵٦۔
(۲) خانم ، شائستہ ، اُردو ترجمہ ، تاریخ خانقاہ درایران ، ص ۳۵۔
(۳) کیانی ، دکتر محسن ، تاریخ خانقاہ درایران فارسی ، ص ۵٦۔

ترجمہ:۔ ''اسی طرح یہ لفظ ان صورتوں مین بھی استعمال ہوا ہے ۔خوردنگاہ، خورنگاہ، خوانگہ، خوردگاہ، خوردگہ، خوانگہ، خوانقاہ ، خونقاہ، خونگاہ ، الخرنگاہ، اور ان کلمات کی جمع خانقاہات کی شکل میں استعمال ہوئی ہے اور مزید کلمہ خوانوں لفظ خانق کی جمع ہوا اور لفظ خانقی بھی فارسی لفظ خانک سے تصحیف شدہ شکل ہے اسی کے باوجود کلمہ خانک بھی الخوانک کی صورت میں عربی زبان میں جمع بنایا گیا ہے''۔(۱)

خانقاہ بنیادی طور پر فارسی لفظ ہے اس لفظ کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس مفہوم کو ادا کرنے کیلئے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ مثلاً عربی زبان میں اس مفہوم میں ''رباط'' کا لفظ مستعمل رہا اس کے بارے میں دکتر محسن کیانی کہتے ہیں۔

''کانونهایی که همچون خانقاه در عصر اسلامی مورد استفادئه صوفیان فرامی گرفت''

رباط:۔

''یکی از کانونهایی که در آن اعمال خانقاهی اجرامی شد رباط است،درمورد رباط یك بررسی و سیع و جامع لازم و ضروری است ، زیرا سازمان رباط منشا و مبدا پیدایش خانقاه و امور مربوط به آن می باشد و پیش اساز آنکا خانقاه رسمی به وجود آید ، رباطهای مرزی ، محل و مرکزی بود که برخی از سالکان و صوفیان درآنجا بسرمی بردند و به برخی اعمال خانقاهی می پرداختند پس از آن هم در برخی از مناطق قلمرو اسلامی ،از جمله منطقه بغدادمحل اقامت صوفیان رباط گفته می شد''(۲)

ترجمہ:۔ ''عہد اسلامی میں خانقاہی رسوم کی انجام دہی کے مراکز۔جن مراکز میں اعمالِ خانقاہی جاری رہتے تھے ان میں سے ایک رباط ہے۔ رباط کے حوالے

(۱) خانم ، شائستہ ، اُردوترجمہ ، تاریخ خانقاہ درایران ، ص ۳۵۔

(۲) کیانی ، دکتر محسن ، تاریخ خانقاہ درایران فارسی ، ص ۶۵۔

سے ایک بہت وسیع اور جامع مطالعہ بہت ضروری ہے چونکہ سرائے خانقاہ کی ابتداء اور بنیاد ہے۔ رسمی طور پر خانقاہوں کے وجود میں آنے سے قبل سرحدی سرائیں مرکزی مقام تھا جہاں پر کچھ سالکین اور صوفیاء زندگی گزارتے تھے۔ اور بعض افعال انجام دیتے تھے۔ اس کے بعد بھی اسلامی حدود مملکت کے بعض علاقوں جیسے بغداد میں صوفیائے کرام کی قیام گاہ سرائے ہی بتائی گئی ہے۔(۱)

عربی میں رباط کو خانقاہ کا مفہوم دیتے ہوئے دکتر محسن کیانی اس بارے میں رقمطراز ہیں۔

''واژه رباط در زبان فارسی و عربی به معنی پاسگاه مرزی، کاروانسرای، خنقاه ، نوانخانه، غریبخانه ، مهمانسرای ، قلعه ، معبد درالعلم ومعانی مجازی دیگر به کار برده سش است و برای هر یك از آنکهادرکتابهای فارسی و عربی نمونه هایی و جود دارد. گاهی یك بنای رباطی در مسیر تاریخی خود ، بنا به نوشته محمد واژئه رباط در زبان فارسی و عربی معنی پاسگاه مرزی، النعیمی . نخست قلعه نظامی و بعد سرای کاروان ، سپس محل و مجمع درویشان و صوفیان می گردیده است.''(۲)

لفظ رباط فارسی اور عربی زبان میں سرحدی چوکی، کاروان سرا، خانقہ، نوانخانہ، قلعہ، معبد، دارالعلم، اور دوسرے مجازی معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے۔ اور ان میں سے ہر ایک کے لئے فارسی اور عربی زبان میں نمونے موجود ہیں۔ محمد النعیمی کے مطابق بعض اوقات ایک سرحدی چوکی مرور ایام کے ساتھ ساتھ فوجی قلعہ، سرائے اور پھر خانقاہ بھی بن جاتی رہی۔(۳)

(۱) خانم ، شائستہ ، اُردو ترجمہ ، تاریخ خانقاہ در ایران ، ص ۳۸۔

(۲) کیانی ، دکتر محسن ، تاریخ خانقاہ در ایران فارسی ، ص ۲۶۔

(۳) خانم ، شائستہ ، اُردو ترجمہ ، تاریخ خانقاہ در ایران ، ص ۳۸۔

ڈاکٹر محسن کیانی نے لفظ رباط کے جتنے مشتقات قرآن مجید میں استعمال ہوئے ہیں۔ اُن کو لفظ رباط کی وضاحت کے لئے یوں تحریر میں لاتے ہیں۔

"واژه رباط کلمه ای عربی است و در قرآن، در پنج مورد ک عباتند از سوره ها و آیات شناره های ,۹/۲۸، ۱۳/۱۸، ۱۱/۸، ۶۰/۷، ۳/ ۲۰۰ به ترتیب کلمه هاه: ربطنا، ربطنا، لیربط، رابطوا و رباط الخیل آمده است که در سه مورد آن به معنی اطمنان و آرامش و در دو نورد دیگر بی معنی استعداد و آمادگی است و ہم در این مورد اخیر است که منشاوجود خانقاہی گشته و ضمن ترکیب با تعدی روایات، بی صورتیک مستند اسلامی موجب رباط سازی و رباط نشینی به عنوان جهاد و دفاع و پیآمد اعمال موبوط بدان گردیده است". (۱)

ترجمہ: "لفظ رباط عربی کلمہ ہے۔ قرآن مجید میں پانچ موقعوں پر درج ذیل ہیں۔ سورتوں اور آیتوں کے نمبر ۹/۲۸، ۱۳/۱۸، ۶۰/۸، ۱۱/۸، ۲۰۰/۳ ان کلمات کی ترتیب ربطنا، ربطنا، لیربط، رابطوا اور رباط الخیل آیا ہے۔ دو موقعوں پر آرام و اطمنان کے طور پر اور دوسرے موقعوں پر استعداد اور آمادگی کے معنوں میں ہے اور یہ آخری موقع خانقاہ کے وجود کی بنیاد بنا اور متعدد روایات میں ترکیب کے ضمن میں ایک مستند اسلامی شکل میں رباط سازی اور رباط نشینی کا موجب بنا۔ جہاد اور دفاع کے طور پر اسے استعمال کیا گیا"۔ (۲)

(۱) کیانی، ڈاکٹر محسن، تاریخ خانقاہ در ایران فارسی، ص ۶۶۔

(۲) خانم، شائستہ، اُردو ترجمہ، تاریخ خانقاہ در ایران، ص ۳۸، ۳۹۔

80986

یہاں لفظ ' لیربط ' دلوں کی مضبوطی اور جہاد میں ثابت اور ڈٹے رہنے کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اِذ یُغَشِّیکُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً وَیُنَزِّلُ عَلَیکُم مِّنَ السَّمِاءِ مَاءً لِّیُطَهِّرَ کُم بِهٖ وَیُذهِبَ عَنکُم رِجزَ الشَّیطٰنِ وَلِیَربِطَ عَلیٰ قُلُوبِکُم وَیُثَبِّتَ بِهِ الاَ قدَامَO۔(۱)

ترجمہ:۔ جب اس نے اپنی طرف سے امن وسکون عطا کرنے کے لئے تم پر نیند کی چادر اوڑھا دی اور آسمان سے پانی برسایا تاکہ تمہیں اس کے ذریعے پاک کردے اور تم سے شیطان کی ناپاکی دور کردے تمہارے دلوں کو مضبوط کردے اور ثابت قدمی عطا فرمادےO۔

"When he made the slumber all upon you as a reassurance from Him and sent down water from the sky uon you, that thereby he might purify you, and remove from you the fear of Satan, and make strong your hearts and firm (your) feet thereby."

وَ اَعِدُّوا لَهُم مَّا استَطَعتُم مِّن قُوَّةٍ وَّ مِن رِّبَاطِ الخَیلِ تُرهِبُونَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّکُم وَاٰخَرِینَ مِن دُونِهِم لَا تَعلَمُونَهُم اَللّٰهُ یَعلَمُهُم وَ مَا تُنفِقُوا مِن شَیءٍ فِی سَبِیلِ اللّٰهِ یُوَفَّ اِلَیکُم وَ اَنتُم لَا تُظلَمُونَ۔(۲)

ترجمہ:۔ ''اور اے اہل ایمان ان کافروں کے مقابلے کے لئے جتنی بھی قوت تیار کر سکو تیار رکھو اور گھوڑوں کے رسالے بھی، تاکہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ کے دشمن اور اپنے دشمن پر دہشت ڈالے رکھو اور ان کے علاوہ دوسروں پر بھی جنہیں تم نہیں جانتے ،اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے اور تم اللہ کی خاطر جو کچھ بھی خرچ کرو گے تمھیں پورا پورا دیا جائے گا۔اور تم پر کوئی ظلم نہیں کیا جائے گا''

(۱) سورۃ انفال ، آیات ، ۱۱

(۲) سورۃ انفال ، آیات ، ۶۰

(armed) force and of horses tethered, that thereby ye may dismay the enemy of Allah and your enemy, and others beside them whom ye know not. Allah knoweth them. Whatsoever ye spend in the way of Allah it will be repaid to you in full, and ye will not be wronged."

وَّرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوبِهِم اِذ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضِ لَن نَّد
عُوا مِن دُونِه اِلٰهًا لَّقَد قُلنَا اِذًا شَطَطًاO۔ (۱)

ترجمہ:۔ اور ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کردیا تھا جب وہ کھڑے ہوئے تو کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے ہم اسے چھوڑ کر کسی اور کو خدا نہیں بنائیں گے کیونکہ ایسے کہنا بڑی دور کی بات ہو گیO۔

"And we made firm their hearts when thay stood forth and said: Our Lord is the Lord of heavens and the earth. We cry unto no god beside Him, for then should we utter an enormity."

وَ اَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰی فٰرِغًا اِنْ کَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْ لَآ اَنْ رَّبَطْنَا عَلٰی
قَلْبِهَا لِتَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (۲)

ترجمہ: ''اور حضرت موسیٰؑ کی ماں کا دل بے قرار ہو گیا قریب تھا کہ وہ سارہ بات ظاہر کر دیتی لیکن ہم نے ان کے دل کو مضبوط کر دیا تا کہ وہ با ایمان رہیں۔''

(۱) سورۃ الکہف ، آیات ، ۱۴
(۲) سورۃ القصص ، آیات ۱۰

"And the heart of the mother of Mosses become void, and she would have betrayed him if We had not fortified her heart, that she might be of the beleivers."

يَـٰٓأَيُّهَـا الَّذِيـنَ اٰمَـنُـوا اصۡبِرُوۡا وَ صَـابِرُوۡا وَ رَابِطُوۡا وَ اتَّـقُـوا اللّٰـهَ لَعَلَّكُمۡ تُفۡلِحُوۡنَ۔ (۱)

ترجمہ: ''اے ایمان والوصبر کرو اور ثابت قدم رہو اور مقابلے کے لئے تیار رہو اور اللہ تعالیٰ کی پر ہیز گاری اختیار کروتا کہ تم با مراد رہو''۔

"O ye who beleive!Endure, outdo all others in endureance, be ready, and observe your duty to Allah, in order that ye may succeed."

لفظ رباط کے خانقاہ کےطور پر مستعمل ہونے کے بارے میں ڈاکٹر نثار احمد فاروقی تصدیق کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

''دوسرا لفظ جو درویشوں کی قیام گاہ کے لیے عربی میں مستعمل ہے، وہ رباط ہے ، یہ عراق میں زیادہ رائج ہے۔ رباط میں سرائے کا مفہوم ہے صوفیاء کے پاس خدام و مریدین بھی رہتے تھے اور چوتھی صدی سے نویں صدی ہجری تک سیر سیاحت بھی حصول علم اور کسب کمال کا ضروری وسیلہ سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ اس دور کے بزرگوں کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہوئے آپ کثرت سے اس کی مثالیں پائیں گے کہ اُنھوں نے وسیع تر علاقوں کی سیاحت کی اور جہاں کہیں گذر ہوا ، وہاں کے درویشوں سے ملاقات کی۔نویں صدی ہجری کے بعد بھی یہ سلسلہ جاری رہا، مگر بتدریج کم ہوتا گیا۔ چونکہ سرو سیاحت کرتے ہوئے درویش کسی شہر میں آتے تھے تو وہاں کسی بزرگ کی خانقاہ میں قیام بھی کرتے تھے، اس لیے اس کو رباط کہا گیا''۔ (۲)

(۱) سورۃ آل عمران ، آیات ، ۲۲۰

(۲) فاروقی ، ڈاکٹر نثار احمد ، دہلی یونیورسٹی ، خانقاہی نظام کی اہمیت ، المعارف ، ص ، ۵۸۔

صومعہ

خانقاہ کا ایک نام صومعہ بھی تاریخوں میں ملتا ہے یہ لفظ قرآن مجید میں بھی آیا ہے اور یہودیوں کی عبادت گاہ کے معانی میں آیا ہے۔اس لفظ کے بارے میں دکتر محسن کیانی تحریر کرتے ہیں۔

''صومعه عبارت بود از بنای محقّری که راهبی مسیحی در آن سکونت کرده و به عبادت می پرداخت. صومعه ها غالباً در بیابانها و بر فراز کوهها ساخته شده و از نظر معماری، ساختمانی نوک تیز و بلند و باریک بود تا در برابر عوامل ویرانگر طبیعی دوام و مقاومت بیشرتی داشته باشد''.(۱)

''خانقاہ کا لفظ اس چھوٹی عمارت کے لئے تھا جس میں عیسائی راہب زندگی بسر کرتے اور عبادت میں مشغول رہتے تھے۔اکثر خانقاہیں ویران علاقوں اور پہاڑوں کی بلندیوں پر بنائی گئیں۔تعمیر کے لحاظ سے یہ ایک ایسی عمارت ہوتی ہے جس کی نوک، تیز، اونچی اور باریک ہوتا کہ موسمی سختیوں کے مقابلے میں پائیدار ہو''۔(۲)

''واژه صوامع و بیع در ردیف مساجد به عنوان مرز عبادت در قرآن آمده است. مسلمانان از صدر اسلام، با صومعۀ مسیحیان و اعمال راهبان آشنایی داشتند، زیرا صومعه ها و مراکز انفرادی عابدان مسیحی، در کنار شهر ها و دامنه کوهها و بین راهها، در برخی از مناطق قلمرو اسلامی وجود داشت وچه بسا که کشش و جاذبه ای باشد.(۳)

بیع اور صوامع کا لفظ عبادت کے مرکز کے طور پر مساجد کے معنوں میں قرآن میں آیا ہے۔اسلام کے آغاز سے مسلمان، عیسائیوں کی خانقاہوں اور راہبوں کے طور طریقوں سے واقف تھے۔چوں کہ خانقاہیں اور عیسائی عابدوں کے انفرادی مراکز اسلامی حدود کے بعض شہروں کے قریب پہاڑوں کے دامن اور راستوں کے بیچ موجود ہوتے تھے اور اکثر اوقات اس میں معاشرے کے بعض محروم اور درماندہ افراد کے لئے پناہ اور کشش ہو سکتی تھی۔(۴)

(۱) کیانی، دکتر محسن، تاریخ خانقاہ در ایران فارسی، ص ۹۲، (۳) ایضاً ایضاً ایضاً

(۲) خانم، شائستہ، اردو ترجمہ تاریخ در ایران، ص ۵۴، (۴) ایضاً ایضاً ایضاً

دکتر محسن کیانی کاشانی کے حوالے سے آگے رقمطراز ہیں۔

کاشانی می نویسد:

''و طالبان حق از بهر سلامت دین صوامع و خلوت اختیار کردند.واژۂ صومعه به معنی محل اقامت و عبادت و خلوت در مسلك طریقت مورداستفاده قرار گرفته و صومعه داشتن به برخی از مشایخ صوفی نسبت دا ده شده است''.واژۂ صومعه در معنی مرکز عبادت و خلوت انفرادی به حجره ای واقع در داخل ساختمان خانقاه نیز اطلاق گریده است''.(۱)

کاشانی لکھتا ہے:۔''

اور طالبان حق نے دین کی سلامتی کیلئے خانقاہیں بنائی اور تنہائیاں اختیار کیں''لفظ صومعہ مسلک طریقت میں رہائش،عبادت اور تنہائی کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور خانقاہیں رکھنے کو بعض صوفیاء ومشائخ سے نسبت دی گئی ہے۔لفظ صومعہ کا اطلاق خانقاہ کی عمارت کے اندر ایک حجرے میں انفرادی عبادت اور تنہائی کے مرکز کے معنی میں بھی ہوا ہے''۔ (۲)

قرآن مجید میں صومعہ کے حوالے سے آیتِ مبارکہ

انِ الَّذِیۡنَ اُخۡرِجُوۡا مِنۡ دِیَارِهِمۡ بِغَیۡرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا رَبُّنَا اللّٰهُ وَ لَوۡ لَا دَفۡعُ اللّٰهِ لنَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَ بِیَعٌ وَّ صَلَوٰتٌ وَّ مَسٰجِدُ یُذۡكَرُ فِیۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِیۡرًا وَ لَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهُ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ۝(۳)

(۱) کیانی ، دکتر محسن ، تاریخ خانقاہ درایران فارسی، ص ۹۳، (۲) خانم ، شائستہ ،اردو ترجمہ تاریخ درایران ، ص ۵۴،
(۳) سورۃ الحج ، آیات ۴۰،

ترجمہ: ''وہ لوگ جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکال دیا گیا، انہوں نے یہی کہا تھا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو دوسرے لوگوں کے ذریعے نہ ہٹائے تو یہودیوں، نصرانیوں اور دوسرے لوگوں کے عبادت خانے نابود ہو جائیں اور وہ مسجدیں بھی جن میں اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کیا جاتا ہے اور جو کوئی اللہ کی مدد کرتا ہے اللہ لازماً اس کی مدد کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا بہت غالب ہے۔''

"Those who have been driven from their homes unjustly only because they said: Our Lord is Allah- For has it not been for Allah's repelling some men by means of others, cloisters and churches and oratories and Mosques, wherein the name of Allah is oft mentioned, would assuredly have been pulled down. Verily Allah helpeth one who helpeth HIm. Lo! Allah is strong, Almightly."

خانقاہ کو تاریخوں میں دیگر ناموں کے علاوہ زاویہ بھی کہا گیا ہے اور زاویہ کے حوالے سے دکتر محسن کیانی یوں تحریر کرتے ہیں۔

زاویہ

''واژۂ زاویہ در زبان فارسی و عربی دارای معانی متعددی است و برخی از انہا مربوط بہ مسلك تصوف است و گروہ صوفیہ آن را در مورد و معنا ی خاصی بہ کار می بردہ اند نمونہ ہا یی کہ در کاربر واژۂ زاویہ می تو ان بد انہا اشارہ کرد، عبارتند از: مفرش، اثاثہ صوفی ، اتاقی مستقل در جایی، اتاقی از اتاقہای مجموعۂ یك ساختمان، ہمچنین مترادف است با معنی خانقاہ و رباط و مدرسہ و آرامگاہ''. (۱)

(۱) کیانی ، دکتر محسن ، تاریخ خانقاہ در ایران فارسی، ص ۹۶،

ترجمہ:۔

''لفظ زاویے کی عربی اور فارسی زبان میں کئی معنی ہیں اور ان میں سے اکثر مسلک تصوف سے مربوط ہیں۔صوفیاء نے اسے مخصوص معنوں میں استعمال کیا ہے۔ لفظ زاویے کو جن معنوں میں استعمال کیا جا سکنے کا اشارہ ہوا ہے اس کے نمونے درج ذیل ہیں۔سفری بیگ' اثاثہ صوفی کسی جگہ پر مستقل ٹھکانہ / کمرہ' کسی عمارت کے اکٹھے کمروں میں سے ایک کمرہ اسی طرح خانقاہ سرائے' مدرسہ اور مزار کے معنوں کے مترادف ہے''۔(۱)

''زاویہ در مسجد و خانقاہ

''زاویه در یك مجتمع ساختمانی به منزلهٔ یك مهل فردی و حجره ای شخصی بود؛ همانند حجرهٔ طلاب علوم دینی در مدارس قدیمه ؛ رابطهٔ زاویه با ساختمان نسبت جزء به کل است.صطلاح زاویه علاوه بر معنی فروتنی که در آن ملحوظ بود، از این جهت بدان زاویه گفته می شد که سالك می تو انست در آن کنج و گوشه ، آرام گرفته و با فراغ خاطر به خود و خدای خویش بپر دازد''.(۲)

ترجمہ:۔ ''زاویہ ایک اجتماعی عمارت میں فرد واحد کی جگہ کے طور پر اور ایک ذاتی حجرہ تھا۔اسی طرح جیسے قدیم علماء دینی کے مدارس میں طلبہ کا حجرہ،زاویے کا عمارت کے ساتھ تعلق جز کی کل سے نسبت کی طرح ہے۔اصطلاح میں زاویہ فروتنی کے معنی کے علاوہ جو اس میں ملحوظ تھی اس لحاظ سے زاویہ کہلاتا ہے کہ سالک اس گوشہ میں آرام کرسکتا ہے اور بے فکری سے اپنے اور خدا کے ساتھ مشغول رہ سکتا ہے۔''(۳)

(۱) خانم ، شائستہ ، اردو ترجمہ تاریخ درایران ، ص ۵۶، (۲) کیانی ، دکتر محسن ، تاریخ خانقاہ درایران فارسی، ص ۹۸،
(۳) ایضا ایضا ص ۵۷،

خانقاہی نظام کی تعریف:۔

گزشتہ صفحات میں خانقاہ کی تعریف اور خانقاہ کی مختلف صورتوں کا بیان تفصیل سے دیا جاچکا ہے۔کسی بھی خانقاہ میں متوسلین، معتقدین اور زیر اثر افراد کی تعلیم و تربیت کے لئے متعلقہ خانقاہ کے دینی نظریات ،عقائد کے تحت وضع کردہ نظام کو خانقاہی نظام کہا جاتا ہے۔ یہ نظام متعلقہ عقائد یا نظریات کے حامل صوفیا و مذہبی راہنماؤں کی سرکردگی اور زیرنگرانی چلتا ہے۔اور خانقاہ میں زیرتربیت افراد کے لئے مسجد / عبادت گاہ ، مدرسہ ، لائبریری ، رہائشی وطبی سہولیات، محبت بھرا کردار سازی کے ساتھ اور ذہنی سلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کے لئے سازگار ماحول میسرّ کیا جاتا ہے۔

دین اسلام کے تحت خانقاہی نظام کا جائزہ لینے سے پہلے ہم دیگر مذاہب کے تحت خانقاہی نظام کا تاریخی پس منظر میں جائزہ لیتے ہیں۔کہ ان مذاہب کے صوفیا، پادریوں، راہبوں یا مذہبی راہنماؤں کے زیرنگرانی ان کی خانقاہوں، کنیسوں ،گرجاؤں، مندروں یا دیگر عبادت گاہوں میں اپنے اپنے عقائد ونظریات ،مقدس کتب کے پیش نظر متعلقین کی تربیت کا نظام کس طرح رائج تھا۔اس کے بعد ان مذاہب کی تعلیمات کا دین اسلام کے تصورعبودیت ،خانقاہی نظام سے موازنہ کریں گے۔

مذہب اور اس کی ضرورت واہمیت:۔

ابتدائے آفرینش سے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو خلق خدا کی تربیت کے لئے اپنا پہلا نبیؑ بنا کر بھیجا۔اس وقت سے لیکر خاتم النبین رسول اکرم ﷺ تک مختلف ادوار میں نبیؑ ورسولؑ تشریف لاتے رہے۔اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کے تحت مخلوقِ خدا کو زندگی گزارنے کے طریقے بتاتے رہے۔مذہب کے بھی لغوی معانی کو زندگی گزارنے کا طریقہ ہی شمار کیا جاتا ہے۔قرآن مجید میں اس کے لئے مختلف الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ جیسے سبیل، منہاج، دین وغیرہ۔تاہم مفہوم سب کا ایک ہی ہے۔جو اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔مختلف اوقات میں فلسفیوں، جن میں میتھو آرنلڈ ، پارکر، کانٹ، وائٹ ہیڈ، شوپن ہار ، لیوبا اور مسلم مفکرین وغیرہ شامل ہیں، نے مذہب کی تعریف میں، اطاعت ، پاکیزگی اور اخلاقیات کا ذکر کیا ہے۔اور اس کو معاشرتی زندگی کے لئے ضروری قرار دیا ہے۔اور اس کے مختلف ارتقائی نظریات بیان کیئے ہیں۔تاہم اللہ تعالیٰ نے آغاز سے ہی مذہب کو بنی نوع انسان کے لئے سلامتی کا راستہ بنا کر بھیجا۔اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب میں تاریخ انسانی کے مختلف ادوار میں انبیاء کے پیروکاروں نے اپنے انبیأً یا رُسلؑ کی تعلیمات سے ہٹ کر یا ان تعلیمات میں اپنی آرشامل کر کے اس کی مختلف شکلیں بنالیں ۔اور ان شکلوں کو اپنے اپنے مذہب کا نام دے کر اس کی حقانیت کو ثابت کرنے کے لئے مختلف توجیہات پیش کرتے رہے اور اپنی اپنی خانقاہوں ،مندروں یا عبادت گاہوں کو اپنے عقائد ورسومات اور نظریات کو زندہ رکھنے کے لئے تربیتی مراکز بنائے ذیل میں ان مذاہب کی رسومات وعقائد کا مختصر بیان دیا جاتا ہے۔

دیگر مذاہب میں خانقاہی نظام

ہندومت:۔

دنیا کے چند بڑے مذاہب میں ہندومت کا شمار ہوتا ہے۔جین مت اور بدھ مت بھی اسی ہندومت سے ہی نکلے ہیں۔ نہ تو اس مذہب کی کوئی تعریف ملتی ہے نہ ہی کوئی مرکزی عقیدہ یا بانی راہنما۔ ہندومت کے تقریباً 52 فرقے ہیں جو ایک دوسرے سے بالکل جدا ہیں۔عقائد ونظریات غیر واضح اور مبہم ہیں۔اس مذہب کی مختلف کتب ہیں۔مگر ان میں کوئی بھی مستند نہیں جو ہندومت کی تعلیمات کی صداقت کی ترجمانی کرتی ہو۔

پروفیسر محمد نواز کے مطابق ہندومت کے مختلف ادوار میں ویدک ، برہمن ، دھرم، یاتری مورتی اور اصلاحی دور شامل ہیں۔ ہندو مذہب کی مشہور کتب میں ویدک ، رگ وید، یجروید، سام وید، اتھرووید، وغیرہ شامل ہیں۔ ہندوؤں کے مشہور دیوتاؤں میں اندر دیوتا ردر دیوتا، وایو دیوتا ، ماروت ، اشہ دیوی، سوریا دیوی، نیم دیوتا، ورن وغیرہ مشہور ہیں۔جبکہ دیگر دیوتاؤں میں آگ کا اگنی دیوتا، شراب کوسوم کا دیوتا اور برہمن سپتی دیوتا شامل ہیں''۔(۱)

ہندومت غیر فطری اور غیر واضح عقائد کا مذہب ہے۔جس کی وجہ سے اس میں کئی دیگر مذہبی تحریکوں اور مذاہب نے جنم لیا۔ ہندومت کی کتب بھی متنازعہ ہیں۔
پروفیسر غلام سرور چیمہ اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں۔

''ان ہزار ہا جلدوں میں جو ہندوؤں نے اپنے تین ہزار سال کے تمدن میں تصنیف کی ہیں ایک تاریخی واقعہ بھی صحت کے ساتھ درج نہیں ہے۔اس زمانے میں کسی واقعہ کو پیش کرنے کے لئے ہمیں بالکل بیرونی سہاروں سے کام لینا پڑتا ہے۔ ان کی تاریخی کتابوں میں یہ عجیب خاصیت (یعنی) ہر چیز کو غلط اور غیر فطری صورت میں دیکھنے کی نہایت بیّن طور پر پائی جاتی ہے اور انسان کو اس خیال پر مجبور کرتی ہے کہ ان کا دماغ ہی ٹیڑھا ہے۔۔۔قدیم ہندوؤں کی کوئی تاریخ ہی نہیں ہے اور نہ عمارات اور یادگاروں سے اس کی تلافی ہوتی ہے''۔(۲)

(۱) چودھری ، پروفیسر محمد نواز ، مذاہب عالم ، پولیمر پبلیکیشنز ، اردو بازار ، لاہور ، ۲۰۱۰ ، ص ۵۷۔
(۲) چیمہ ، پروفیسر چودھری غلام رسول ، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ، علم وعرفان پبلشرز لاہور، جنوری ۲۰۰۶ ، ص ۱۰۵۔

تعلیمات ہندو مذہب:۔

ہندو مذہب کے مذہبی راہنماؤں یا صوفیاء میں شنکراچاریہ، رام نوج، لنگایت، رامانند، کبیر، گورونانک، مہاتما گاندھی وغیرہ شامل ہیں۔ جو ہندومت کی ویدوں کے مطابق ہی تعلیم دیتے ہیں۔

ہندو مذہب کی تعلیمات فطرت اور حقوق انسانی سے مطابقت نہیں رکھتیں بلکہ خلاف فطرت ہیں۔ پروفیسر غلام سرور چیمہ ویدوں کے احکامات اور تعلیمات کو یوں بیان کرتا ہے۔

''ویدوں میں ظالمانہ احکام'':۔

''وید مخالف کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی تعلیم دیتے ہیں۔ یجر وید کی تعلیم کا خلاصہ سوامی دیانند کے الفاظ میں یہ ہے۔'' دھرم کے مخالفوں کو زندہ آگ میں جلا دو۔ دشمنوں کے کھیتوں کو اجاڑ و یعنی بیل بکری اور لوگوں کو بھوکا مار کر ہلاک کرو۔ اپنے مخالفوں کو درندوں سے پھڑ واڈالو۔ ان کو سمندر میں غرق کرو۔ جس طرح بلی چوہے کو تڑپا تڑپا کر مارتی ہے اس طرح ان کو تڑپ کر مارو۔ ان کی گردنیں کاٹ دو۔ جائز اور ناجائز طریق سے ہلاک کردو۔ مخالفوں کا جوڑ جوڑ اور بند بند کاٹ دیا جائے۔ ان کو پاؤں کے نیچے کچل دو اور ان پر رحم نہ کرو''۔(۱)

''سام وید کی تعلیم'':۔

''اے مخالف تم سر کٹے ہوئے سانپوں کی طرح بے سر اور اندھے ہو جاؤ۔ اس کے بعد پھر جو تم میں چیدہ چیدہ ہوں ان کو اندر اور آگ دیوتا بتاہ کریں۔ اے اندر دیوتا! ہمارا سوم رس تجھے خوش اور متوالا کرے، تو ہمیں دھن و دولت دے اور وید کے دشمنوں کو تباہ اور ہلاک کر۔ اے اندر دیوتا۔ تو غیر ویدک دھرمیوں کو کب یوں کچل کر تباہ کرے جیسے چھتری وار پھول کو پاؤں سے کچل کر تباہ کر دیا جاتا ہے۔ اے اندر تو کب ہماری ان دعاؤں کو سنے گا۔ (۲)

(۱) چیمہ، پروفیسر چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۱۲۶۔

(۲) ایضاً ایضاً، ص ۱۲۷۔

پروفیسر غلام سرور چیمہ مزید تحریر کرتے ہیں۔

''اتھروویدکی تعلیم'':۔

''اے ویدک دھری راجاؤ اور دوسرے ویدک دھرمیوتم شیر جیسے بن کر رعیّتوں کو کھا جاؤ اور چیتے جیسے بن کر اپنے دشمنوں کو باندھ کر جکڑ لو اس کے بعد اپنی مخالفت کرنے والوں کے کھانے تک اُٹھالو۔ اے دبھ تو ہمارے دشمنوں کے دلوں کو توڑ دے۔ جیسے تو اگتے وقت زمین کی کھال کو چیرتی ہوئی اوپر کو نکل آتی ہے۔ ویسے ہی ان ہمارے دشمنوں کے سروں کو چیر کر اوپر کو نکل کر ان کو گرا کر بتاہ کر دے۔ اے دبھ تو میرے دشمنوں اور مقابلہ کرنے والوں کو چھ اور میرے دوسرے ہر قسم کے مخالفین کو بھی چھ جا اے دبھ تو میرے دشمنوں اور مقابلہ کرنے والوں کو بتاہ کر اور ہمارے مخالفین کو بھی تباہ و برباد کر وغیرہ وغیرہ''۔ منوسمرتی جو تمام ہندوؤں کے نزدیک ویدوں کی تفسیر ہے۔''ویدوں پر اعتراض کرنے والوں کو ملک سے باہر نکال''۔

ہندو مذہب میں عورت کی جتنی تحقیر اور ذلت کی جاتی ہے۔کسی مہذب معاشرے میں ایسا نہیں ہوتا۔ اسے کسی طور پر مرد کے برابر تو کجا کسی انسان کے برابر بھی نہیں سمجھا جاتا۔ نہ ہی اس کو معاشرتی حقوق دیئے جاتے ہیں۔ پروفیسر چیمہ اس موضوع ہر یوں رقمطراز ہیں۔

''عورتوں کے متعلق تعلیم'':۔

''عورت معاشرے کا ایک اہم ترین رکن ہے، لیکن ویدک دھرم نے ان کو قعر مذلت میں گرا کر ان کے ہر قسم کے معاشرتی حقوق کو چھین لیا ہے۔ رگوید منڈل ۱۰ سوکت ۹۵ منتر ۱۵ میں لکھتا ہے۔عورتوں کے ساتھ محبت نہیں ہو سکتی۔عورتوں کے دل فی الحقیقت بھڑیوں کی بھٹ ہیں دوسری جگہ آتا ہے۔اندر (آریوں کے ایشور) نے خود یہ کہا ہے

(۱) چیمہ ، پروفیسر چودھری غلام رسول ، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ، ص ۱۲۷۔

کہ عورت کا دل استقلال سے خالی ہے اور وہ عقل کی رو سے ایک نہاہت ہلکی چیز ہے۔ان دومنتروں سے چار حکم مستنبط ہوتے ہیں۔ا۔کسی عورت سے مستقل محبت نہیں کی جاسکتی۔۲۔عورت دھوکے باز ہے۔۳۔ ہرعورت کی عصمت مشتبہ ہے۔۴۔عورت کم عقل ہے''۔(۱)

پروفیسر چیمہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے ہندومت میں عورت کو وارثت سے محروم کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں۔

عورت کی معاشرتی حیثیت:۔

''مندرجہ بالا چار وجوہات کی بناء پر برہمن گرنتھیوں اور شاستر کاروں نے حسب ذیل قوانین مرتب کیے ہیں۔عورت اور شودر دونوں کو نردھن (مال سے محروم) کہا گیا ہے۔ لڑکی باپ کی جائیداد کی وارث نہیں۔کسی عورت کو خاوند سے حکومت نہیں مل سکتی۔اگر کسی بیوہ کو اپنے خاوند کی طرف سے جائیداد ملتی ہے تو اسے جائیداد کی بیع وفروخت کا کوئی اختیار نہیں۔اولاد ذکر کے نہ ہوتے ہوئے بھی بیٹی وارث نہیں بلکہ متبنّیٰ ، جو غیر کا بیٹا ہوتا ہے، وارث ہوتا ہے۔نکاح ثانی کی ممانعت ہے کیونکہ ایک جائیداد بلا وجہ دوسرے کے قبضہ میں نہیں جاسکتی۔خلع کی ممانعت یعنی خاوند خواہ کیسا ہی بے رحم اور ظالم ہو، دائم المریض ہومگر عورت کو اس سے علیحدہ ہونے کی اجازت نہیں۔عورت کا وجود صرف اس لئے ہے کہ بچے دیں، ان کی پرورش کریں اور ہر روز خانہ داری کے کام میں مصروف رہیں۔کسی لڑکی یا نوجوان عورت یا بڈھی کو کبھی گھر میں بھی کام اپنے اختیار سے نہیں کرنا چاہیے۔عورت کو جوئے میں ہارنے اور فروخت کا جواز۔جن لڑکیوں کے بھائی نہ ہوں ان کی شادی نہیں ہوسکتی۔لڑکیوں کی موجودگی میں لڑکے پیدا کرنے کے لئے نیوگ کا حکم''۔(۲)

(۱) چیمہ ، پروفیسر چودھری غلام رسول ، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ، ص ۱۲۷۔
(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۱۲۸ ، ۱۲۹۔

پروفیسر چیمہ ویدک دھرم میں عورت کی روحانی حیثیت کے بارے میں ہندومت کی کتابوں کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔

''عورت کے لیے مذہبی تعلیم کی ممانعت ہے۔ مرد اور عورت کے لیے نجات کے الگ الگ راستے ہیں۔ گیتا میں نیپا عورت اور شودر کو پاپ یونی (گناہ کے قالب) قرار دیا گیا ہے۔ عورت کی عصمت و پاکیزگی کے خلاف منوادھیا اور شتپتھ برہمن، رگوید، یجروید، اتھروید، کا مطالعہ ضروری ہے۔ اتھرووید، ۵، ۱۷، ۸، ۹ میں لکھا ہے اگر عورت کے دس خاوند ہوں، مگر اس کے بعد برہمن اس کا ہاتھ پکڑ لے تو وہ برہمن کی ہوجاتی ہے''۔(۱)

''دین اسلام سے موازنہ'':۔

ہندو پنڈت، جوگی یا صوفی ویدوں کی متذکرہ بالا تعلیمات پر ہی عمل کرنے کی تعلیم دیتے ہیں اب ہم اسلام سے اس کا موازنہ کریں۔ تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے، ہندو مذہب کے عقائد کے برعکس اسلام کی واضح، غیر مبہم اور معیّن تعلیمات ہیں، رسول اکرم ﷺ پر وحی کردہ قرآن مجید اور اس کی تفسیر اسوہ حسنہ کی صورت میں مسلمانوں کے سامنے موجود ہیں۔ مسلم معاشرہ کے ہر فرد، نوجوان، بزرگ، بچوں، خواتین میں ماؤں، بہنوں، بیٹیوں اور بیویوں حتیٰ کہ ہمسایوں، دوستوں، عزیز واقارب، شہری، دیہاتی، ملکی اور بین الاقوامی سطح پر تعلیمات، معاشرتی حقوق وفرائض، غرض زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اللہ تعالیٰ کے احکامات اور رسول اکرم ﷺ کا عمل مبارک موجود نہ ہو۔ دین اسلام عین فطرت کے تقاضوں، تمام ادوار اور مختلف مواقعوں پر مکمل راہنمائی فراہم کرتا ہے۔ اور طریقت اور اولیاء اللہ کی تعلیمات مخلوق خدا کو دین اسلام کے احکامات پر سختی سے عمل پیرا رکھنے کے لئے ہمہ وقت خانقاہی نظام کی شکل میں موجود ہیں۔ خانقاہی نظام کے تحت تعلیم وتربیت کی تفصیلات آئیندہ صفحات میں دی جارہی ہیں۔

جین مت:۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ ہندومت کی تعلیمات خلاف فطرت ہیں اس لئے ہندوؤں میں سے ہی کچھ لوگوں نے ان خلاف فطرت تعلیمات کے خلاف ردعمل کے طور پر جین مت اختراع کیا۔ لفظ جین مت کے معانی

(۱) چیمہ، پروفیسر چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۱۲۹، ۱۳۰۔

غالب یا فاتح کے ہیں اس کا بانی مہاویر سوامی تھا۔ جس نے عدم تشدد کے اصول کو اپنایا اور اس اصول کو اھنسا کا نام دیا اور دنیوی خواہشات پر قابو پانے والوں کو جینی کہاں جانے لگا۔ جین مت کے مندروں کو جین مندر کہتے ہیں لاہور شہر میں بھی پرانی انارکلی کے قریب ایک جین مندر ہے جو کچھ عرصہ پہلے گرادیا گیا ہے۔

جین مت کے مرکزی عقائد کا بنیادی اصول جینی کرم اور تناسخ کا نظریہ ہے۔ دیگر عقائد میں کسی ذی روح کو ایذا نہ پہنچانا ہے۔ اس کے علاوہ ذات پات کی تمیز، عبادت وقربانی کی پابندی، خدا ویدوں اور سنسکرت زبان کی تقدیس کا انکار شامل ہیں۔ ان کے ہاں جنت اور دوزخ کا تصور موجود ہے اور نروان یا نجات کا واحد ذریعہ متذکرہ نیک اعمال ہیں۔

جین مت کے فلسفہ کے بارے میں پروفیسر غلام رسول چیمہ لکھتے ہیں۔

''جین لوگ ہندوؤں کی طرح اواگون اور مکتی میں اعتقاد رکھتے ہیں۔ لیکن مکتی (نجات) کے بارے میں ان کا عقیدہ ہندوؤں سے مختلف ہے۔ ان کے نظریہ کی رو سے جب کوئی روح گناہ کرتی ہے تو وہ بوجھل ہو کر نیچے کی طرف ڈوبنے لگتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اس قدر بوجھل ہو جاتی ہے کہ ساتویں دوزخ میں جا گرتی ہے جو روح مطہر ہو جاتی ہے وہ ہلکی پھلکی ہو کر اوپر کو صعود کرتی ہے اور چھبیس بہشتوں میں سے کسی ایک میں قرار کرتی ہے۔ جب وہ بہت ہی لطیف اور تمام آلائشوں سے منزہ ہو جاتی ہے۔ تو چھبیسوں بہشت میں پہنچ جاتی ہے تب اسے نروان حاصل ہو جاتا ہے جینی مادہ (جیو) کو ابدی مانتے ہیں۔ جو روح مکتی پا جاتی ہے وہ پیدائش اور موت کے چکر میں نہیں آتی۔ کرموں سے نجات پا جانے کا نام ہی مکتی ہے جو مکتی حاصل کر لیتا ہے وہ پرمیشور (خدا) ہو جاتا ہے''۔(۱)

اس فلسفہ کے تحت ہی جین مت کے بانی اور سوامی مہاویر نے زندگی کی تعلیمات دیں۔ جو سراسر ہندومت کی طرح شرک پر ہی مبنی ہیں۔ جو اسلام کی ضد ہے۔ اسلام میں توحید و رسالت ایمان کی بنیاد ہے۔ جین مت چونکہ ہندومت کے عقائد پر مشتمل ہے اس لئے اس کا اسلام کے ساتھ موازنہ ہندومت سے موازنہ کرنے کے برابر ہے۔ جو گزشتہ صفحات میں دیا جا چکا ہے۔

(۱) چیمہ، پروفیسر چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۲۴۷، ۲۴۸۔

بدھ مت:۔

اب ہم مختصراً بدھ مت کی تعلیمات اور اس مذہب کے مذہبی راہنمائی ،صوفیوں کے تصوف یا تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں۔اور ساتھ ہی اسلام سے موازنہ بھی۔

بدھ مت سنسکرت کا لفظ اور اس کے معانی نور اور عارف کے طور پر لئے جاتے ہیں۔ بدھ مت چونکہ ہندو مت سے نکلا ہے۔تو ہندو مت کی طبقاتی یا ذات پات کی تقسیم بدھ مت شروع ہونے کے وقت رائج تھی جو برہمن ، کھشتری ، ویش اور شودر کے طبقات میں بٹی ہوئی تھی۔گوتم بدھ کی پیدائش ۵۶۳ ق م نیپال میں بتائی جاتی ہے گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا اور ان کے لئے علیحدہ علیحدہ تعلیمات کا تعین کیا۔ پروفیسر غلام رسول چیمہ ان تعلیمات کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

> ''گوتم بدھ نے دونوں گروہوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تعلیم دی ہے۔درویشوں کے گروہ کے لیے جو قانون منضبط کیا تھا وہ چھ حصوں میں منقسم ہے۔ چار سر گرم مراقبے، چار بلیغ کوششیں ، چار دینداری کے راستے ، پانچ اخلاقی طاقتیں ،سات دانشیں ،آٹھ اعلیٰ طریقے اب ان اصولوں کی تشریح کرتے ہیں۔چار سر گرم مراقبوں میں جسمانی کثافت پر، پُر جوش حس کی پیدا کی ہوئی برائیوں پر، خیالات کے عدم استقلال پر، اور ہستی کی حالتوں پر۔ چار بلیغ کوششوں میں برائیوں کی پیدائش کو روکنا،موجودہ برائیوں کو دور کرنا، غیر موجود نیکی پیدا کرنا اور پیدا کی ہوئی نیکی کو ترقی دینا ہے۔''(۱)

پروفیسر چیمہ بات جاری رکھتے ہوئے بدھ مت کی اخلاقیات ،عقل و دانش کے نکات یوں بیان کرتے ہیں۔

> ''چار دینداری کے راستے۔دیندار بننے کی خواہش، دیندار بننے کے لئے ضروری جدو جہد، دین دار بننے کے لئے دل کی ضروری تیاری، دیندار بننے کے لیے تحقیقات ۔پانچ اخلاقی طاقتیں ، ایمان ،تہمت ، حافظ ،تصور، الہام (باطنی دانش)۔سات دانشیں، ہمت ، حافظ ، تصور، تحقیقات کتب مقدس، نشاط، استراحت اور سلیم الطبعی ۔آٹھ اعلیٰ طریقے ،صدق و عقیدت ،صدق ارادات ،راست گوئی ،راست بازی ، حلال روزی ،عزم صمیم ، سچی توجہ، صادق تصور ۔ گوتم بدھ نے اس اعلیٰ و رافع ہشت پہلو راستہ کو دوانتہاؤں تن پروری اور تعذیب نفس کی درمیانی راہ قرار دیا ہے۔ ان دو حدوں سے الگ رہ کر انسان درمیانی راہ پر چل کر

(۱) چیمہ ، پروفیسر چودھری غلام رسول ، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ، ص ۲۶۸ ، ۲۶۹۔

بدھ مت:۔

اب ہم مختصراً بدھ مت کی تعلیمات اور اس مذہب کے مذہبی راہنمائی ،صوفیوں کے تصوف یا تعلیمات کا ذکر کرتے ہیں۔اور ساتھ ہی اسلام سے موازنہ بھی۔

بدھ مت سنسکرت کا لفظ اور اس کے معانی نور اور عارف کے طور پر لئے جاتے ہیں۔ بدھ مت چونکہ ہندو مت سے نکلا ہے۔تو ہندومت کی طبقاتی یا ذات پات کی تقسیم بدھ مت شروع ہونے کے وقت رائج تھی جو برہمن ،کھشتری ،ویش اور شودر کے طبقات میں بٹی ہوئی تھی ۔گوتم بدھ کی پیدائش ۵۶۳ ق م نیپال میں بتائی جاتی ہے گوتم بدھ نے اپنے پیروکاروں کو دو گروہوں میں تقسیم کیا اور ان کے لئے علیحدہ علیحدہ تعلیمات کا تعین کیا۔ پروفیسر غلام رسول چیمہ ان تعلیمات کا ذکر یوں کرتے ہیں۔

''گوتم بدھ نے دونوں گروہوں کے لیے علیحدہ علیحدہ تعلیم دی ہے۔درویشوں کے گروہ کے لیے جو قانون منضبط کیا تھا وہ چھ حصوں میں منقسم ہے۔ چار سرگرم مراقبے، چار بلیغ کوششیں ،چار دینداری کے راستے ، پانچ اخلاقی طاقتیں ،سات دانشیں ،آٹھ اعلیٰ طریقے اب ان اصولوں کی تشریح کرتے ہیں۔چار سرگرم مراقبوں میں جسمانی کثافت پر ،پُر جوش حس کی پیدا کی ہوئی برائیوں پر ،خیالات کے عدم استقلال پر ،اور ہستی کی حالتوں پر۔ چار بلیغ کوششوں میں برائیوں کی پیدائش کو روکنا،موجودہ برائیوں کو دور کرنا، غیر موجود نیکی پیدا کرنا اور پیدا کی ہوئی نیکی کو ترقی دینا ہے۔''(۱)

پروفیسر چیمہ بات جاری رکھتے ہوئے بدھ مت کی اخلاقیات ،عقل و دانش کے نکات یوں بیان کرتے ہیں۔

''چار دینداری کے راستے ۔دیندار بننے کی خواہش ،دیندار بننے کے لئے ضروری جدو جہد، دین دار بننے کے لئے دل کی ضروری تیاری، دیندار بننے کے لیے تحقیقات ۔پانچ اخلاقی طاقتیں ، ایمان ،تہمت ، حافظ ،تصور، الہام (باطنی دانش)۔سات دانشیں، ہمت ، حافظ ، تصور، تحقیقات کتب مقدس، نشاط، استراحت اور سلیم الطبع ۔آٹھ اعلیٰ طریقے ،صدق وعقیدت ،صدق اردات ، راست گوئی ،راست بازی ، حلال روزی ، عزم صمیم ، سچی توجہ، صادق تصور ۔گوتم بدھ نے اس اعلیٰ و رافع ہشت پہلو راستہ کو دوانتہاؤں تن پروری اور تعذیب نفس کی درمیانی راہ قرار دیا ہے۔ ان دو حدوں سے الگ رہ کر انسان درمیانی راہ پر چل کر

(۱) چیمہ ، پروفیسر چودھری غلام رسول ، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ، ص ۲۶۸ ، ۲۶۹۔

نوارازل تک رسائی کر سکتا ہے۔ اسی کے فیض سے بصیرت، علم اور روشنی یعنی نروان پا سکتا ہے''(۱)

دکتری محسن کیانی بدھ مت کے مراکز اور آداب ورسوم کے چند نمونے اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''شہر رامیان کے دروازے پر ایک بت خانہ ہے۔ اس کے اندر ایک بت ہے جو سونے کی دھات سے بھرا ہوا ہے اور اسے انہوں نے بہت بڑا بنایا ہے اور تیس عورتیں روزانہ کچھ دیر کے لئے اس بت کے گرد اکٹھی ہو کر طبل اور دف کے ساتھ ناچتی تھیں۔ ایک گاؤں ہے آبادان۔ وہاں کے لوگ اپنے سر اور داڑھی کے بال منڈوا لیتے تھے۔ وہاں بہت سے سونے اور دھات کے بنے ہوئے بت تھے۔ اسی طرح ایک بدھ چینی سیاح جو آٹھویں ہجری میں سمرقند گیا' وہاں دو ویران بدھ خانقاہوں کی موجودگی کی طرف اشارہ کرتا ہے''۔(۲)

بدھ مت کے مشہور فرقوں میں ھنایانہ بدھ دھرم، مہایانہ بدھ مت ہیں اور اس کی مذہبی کتب میں تری پتا کا (۳ ٹوکری) ہی اب مستند سمجھی جاتی ہے۔ ان ٹوکریوں کے نام وینہ پتا کا، ستا پتا کا، اور ابھی دھماں ہیں۔ بدھ مت میں خدا کے تصور اور دیگر عقائد کے بارے میں پروفیسر محمد نواز یوں تحریر کرتے ہیں۔

''مہاتما بدھ نے نفیاً یا اثباتاً خدا کا کہیں ذکر نہیں کیا، خدا اور ماوراء الطبیعات امور کے متعلق وہ لا ادری کے پرچارک ہیں۔ اسی طرح بدھ مت کی تعلیمات میں جنت وجہنم حیات بعد الممات، آخرت کے عذاب وثواب کا بھی کہیں ذکر نہیں ملتا۔ علاوہ ازیں جناب بدھ نے زندگی کے معاشی، معاشرتی اور سیاسی پہلو پر کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ الغرض مہاتما بدھ نے عوام الناس کو روح' آتما' تناسخ اور دیوی دیوتاؤں کے چکر میں نہیں ڈالا، نہ وحدت الوجود کا پیچیدہ اور نا قابل فہم فلسفہ پیش کیا بلکہ اس کے برعکس اخلاقیات کا ایک سادہ، واضح، آسان اور قابل عمل ضابطہ پیش کرنے پر اکتفا کیا۔(۳)

(۱) چیمہ، پروفیسر چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۲۷۰۔
(۲) کیانی، دکتر محسن، تاریخ خانقاہ در ایران اردو ترجمہ، ص ۲۴۔
(۳) چودھری، پروفیسر محمد نواز، مذاہب عالم، ص ۱۹۱۔

دین اسلام سے موازنہ:۔

بدھ مت اور اسلام میں چند امور میں کسی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔جن میں اصلاح معاشرہ، تزکیہ نفس اور نیک اعمال کی تلقین وغیرہ۔مگران عقائد کا تصور اور طریق کار اسلام سے بالکل مختلف ہے دیگر بے شمار باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ پروفیسر محمد نواز اس اختلاف کو یوں بیان کرتا ہے۔

''بدھ مت معروف معنوں میں ایک مذہب کی شرائط پوری نہیں کرتا بلکہ یہ ایک اخلاقی فلسفہ ہے۔ بدھ مت کے برعکس اسلام ایک منظم، مربوط اور واضح عقائد کا نظام پیش کرتا ہے۔اسلام عقلی اور فطری دین ہے جبکہ بدھ مت غیر فطری، خلاف عقل اور ناقابل عمل مذہب ہے۔اس طرح رہبانیت، تعذیب نفس اور سخت ریاضتیں خلاف فطرت ہیں نیز انسانی خواہشات کو ختم کرنا اور بشری صلاحیتوں کو معطل کرنا جن کی بدھ تاکید کرتا ہے۔خلاف عقل اور غیر فطری امر ہیں اس کے برعکس اسلام نے بشری قوتوں کی تصعید کی ہے نہ کہ فنا کیا ہے''۔(۱)

سب سے بڑا اختلاف جو بدھ مت اور اسلام میں پایا جاتا ہے وہ ترکِ دنیا اور رہبانیت کا تصور یا عمل ہے۔ پروفیسر محمد نواز اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں۔

''بدھ مت ترک دنیا اور رہبانیت کا دین ہے مہاتما بدھ نے اپنے پیروؤں کو معیشت اور معاشرت کے متعلق جتنی ہدایات دی ہیں ان سب کا بنیادی پتھر'' ترک دنیا اور نفس کشی'' ہے چونکہ اس کی منزل مقصود نروان ہے جو بغیر نفس کشی کے حاصل نہیں ہوسکتا اس لئے وہ خودی کو مٹانے کے لئے نہایت سخت ریاضتیں تجویز کرتا ہے مثلاً: داڑھی، مونچھ اور سر کے بالوں کو نوچنا تاکہ غرور حسن خاک میں مل جائے۔ کانٹوں یا کیلوں کے بستر پر لیٹنا، بدن پر خاک ملنا جو تعذیب نفس کی صورت ہے عورت اور مرد کے فطری تعلق سے پرہیز، کسی خاندار کو ہلاک کرنے سے اجتناب۔ علاوہ ازیں نئے کپڑے نہ پہننا، بلکہ کوڑے پر پڑے ہوئے چیتھڑے یا قبرستان کے مردوں کے کفن اتار کر پہننا۔اس کے برعکس اسلام رہبانیت اور ترک دنیا کو انسان ترقی اور تمدنی ارتقاء کے لئے مہلک قرار دیتا ہے۔(۲)

(۱) چودھری، پروفیسر محمد نواز، مذاہب عالم، ص ۱۹۷، ۱۹۸۔

(۲) ایضاً ص ۱۹۹۔

عیسائیت:۔

حضرت عیسیٰؑ اللہ کے برحق رسول تھے۔عبرانی زبان میں یسوع ،عربی میں عیسیٰؑ اور انگریزی میں CHRIST لکھا جاتا ہے۔ان ناموں کے معانی نجات دلانے والا ہے ، اور آپؑ کا وصفی نام مسیح بیان ہوتا ہے۔حضرت عیسیٰؑ صاحب کتاب رسول تھے۔آپ پر انجیل مقدس نازل ہوئی۔

ڈاکٹر محسن کیانی حضرت مسیح کی زندگی اور تعلیمات کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

> ''حضرت مسیح کے اصول تعلیمات زیادہ تر اخلاقی اور روحانی ہیں۔وہ سیاسی اور دیوانی حقوق کے حوالے سے تقریباً مکمل پروگرام نہیں رکھتے تھے۔اس وجہ سے ان کا دستور مسئلہ عرفان وتصوف کے لئے سازگار ہے۔حضرت عیسیٰ مال و جاہ کے حوالے سے ایک خاص جہت رکھتے تھے۔وہ ہمیشہ اپنے پیروکاروں سے کہتے تھے۔
>
> اپنے لئے خزانہ اکٹھا مت کرو۔تمہارا خزانہ آسمان میں ہوگا۔ پرندوں کو دیکھو وہ کس طرح غذا کھاتے ہیں۔اپنے لئے خوراک اکٹھی کرو' اسی طرح کہا کرتے تھے۔''کتنا اچھا ہے تمہارے لئے اے فقراء' بھوکے لوگو اور رونے والو'۔
>
> ان کی ذاتی زندگی بھی مکمل طور پر ایسی ہی دعوت دیتی تھی۔مختلف اسلامی کتب میں حضرت عیسیٰؑ کے لئے خدا کے آئین کے بارے میں زاہدنہ زندگی کے مطلب موجود ہیں۔جس سے مجموعی طور پر صوفیانہ زندگی اور دنیا سے دوری کے گہرے نمونے نظر آتے ہیں۔کتاب التعرف کے مئولف کلادبادی' حسن بصریؒ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔''مسیح کھردرا لباس پہنتے اور درختوں سے پھل کھاتے اور جہاں رات پڑتی وہیں سو جاتے''۔(۱)

پروفیسر محمد نواز کے مطابق عیسائیت کے عقائد توحید،خدا کی صفات،توبہ کی تلقین،اعمال پر نجات، گناہ جہنم کا موجب اور اخلاقیات شامل ہیں۔معاشرتی تعلیمات میں پڑوسی کی عزت کرنا۔عورت کو غیر محرم سمجھنا ، بری خواہشات سے اجتناب ،احترامِ والدین،خیرات وصدقہ کرنا اور سور کھانے کی ممانعت شامل ہیں۔(۲)

(۱) کیانی ، ڈاکٹر محسن ، تاریخ خانقاہ در ایران ، ص ۲۷۔

(۲) چیمہ ، پروفیسر چودھری غلام رسول ، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ ، ص ۴۵۶،۴۵۷۔

جدید عیسائیت کی تعلیمات:۔

دور جدید میں عیسائیت کی اصل تعلیمات سے تحریری علمی اور عملی طور پر انحراف کیا جارہا ہے۔ پروفیسر غلام رسول چیمہ کے مطابق،

''بائبل عہد نامہ عتیق اوراور عہد نامہ جدید دو حصوں پر مشتمل ہے ۔ یہود صرف عہد نامہ عتیق کو خدا کا کلام مانتے ہیں۔ عیسائی عہد نامی عتیق کو منسوخ اور عہد نامہ جدید کو ناسخ مانتے ہیں۔۔۔عیسائیوں کے خیال میں عہد نامہ عتیق شریعت کا عہد ہے، یعنی اس عہد میں لوگ شریعت پر عمل کریں اور نجات حاصل کریں۔ عہد نامہ جدید فضل اور کفارہ کا عہد ہے کہ لوگ شریعت کو لعنت سمجھ کر مسیح کو لوگوں کے گناہوں کے فدیہ میں مصلوب سمجھیں اور نجات پائیں''۔(۱)

عہد نامہ جدید میں ستائیں کتابیں شامل ہیں۔ جن میں انجیل اربعہ، رسولوں کے اعمال، پولس رسول کے خطوط، یعقوب، پطرس کے خطوط، یوحنا فقیہہ کے خطوط و مکاشفات اور یہوداہ کا ایک خط شامل ہیں۔ اناجیل اربعہ کے ماخذ کے متعلق بھی علماء، محققین کے نظریات میں اختلاف ہے۔عیسائیوں کے 38 فرقے اور تین کلیسائیں ہیں۔ مسیحیت کے باطل عقائد میں عقیدہ حلول تجسیم، ابن اللہ، عقیدہ تثلیث، معجزات مسیح کی حقیقت، عقیدہ کفارہ، تصور الوہیت، ابنیت عیسیٰؑ کا تصور وغیرہ شامل ہیں۔(۲)

اسلام سے موازنہ:۔

حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں مستند معلومات قرآن مجید سے ہی ملتی ہیں۔ سورۃ آل عمران آیت نمبر ۳۷، ۴۲، ۴۳۔ سورۃ مریم آیات ۱ تا ۵۔ سورۃ الصّف آیت ۱۶ میں تفصیل سے اور واضح احکامات موجود ہیں۔

عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کا رد قرآن مجید کی سورۃ المائدہ کی آیات ۱۷، ۷۳ میں واضح ہے۔ سورۃ اخلاص آیات ۱ تا ۴ اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے کا بیّن ثبوت اور عقیدہ توحید ثابت ہے۔ عیسائیوں کا عقیدہ تثلیث شرک ہے۔ جس کے لئے قرآن مجید میں سورۃ لقمٰن آیت ۱۳۔ اور دیگر مقامات پر شرک کو ظلم عظیم اور ناقابل معافی فرمادیا گیا ہے۔ عیسائیوں کے عقیدہ الوہیت کا رد قرآن مجید کی سورۃ ال عمران آیت ۵۹ سے ظاہر ہے۔ عیسائیوں کے عقیدہ بنی نوع انسان کے پیدائشی گنہ گاہ ہونے کا رد سورۃ البقرہ آیت ۳۰ اور رسورۃ بنی

(۱) چودھری، پروفیسر محمد نواز، مذاہب عالم، ص ۳۴۳۔

(۲) چیمہ، پروفیسر چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۴۶۰، ۴۸۲، ۵۱۳۔

اسرائیل آیت ۷۰ سے انسان کی عظمت کت احکامات سے واضح ہے۔عیسائیوں کے عقیدہ کفارہ کا رد سورۃ النساء آیت ۱۱۶، البقرہ آیات ۲۵، ۶۲ میں انسان کی کامیابی اور نجات نیک اعمال اور با ایمان ہونے سے ہی ہے۔ عیسائیوں کے عقیدہ ابن خدا کا رد سورۃ مریم آیات ۸۹، ۹۱ میں موجود ہے۔جبکہ عیسائیوں کے عقیدہ میں مذہب کو قومی پیغام کہہ کر محدود ہونا تسلیم کیا گیا ہے۔جبکہ اسلام قرآن مجید کی سورۃ سبا آیت ۲۸ کے مطابق عالمگیر دین اور پیغام ہے۔

مانوی مذہب میں رسومات وعقائد:۔

دکتر محسن کیانی مانوی مذہب کی رسومات اور عقائد کے بارے میں یوں رقمطراز ہے۔

> ''مانی مسیحی عقیدے کو زرتشتی مذہب اور بدھ مت کے ساتھ باہم ملا کر ان کو ایک مرکب دین کی شکل میں، جو تینوں ادیان پر مشتمل تھا اور ضمناً قابل بھی تھا، وجود میں لایا ۔اور اسے اس زمانے کی داخلی حدود سے منطبق کیا۔اسی لئے متعدد لوگ اس کے آئین کے گرویدہ ہو گئے۔ دین مانی کی بنیاد نور اور ظلمت کی ثنویت پر استوار تھی۔ مانی کہتا تھا۔''ہر مادی جسم روشنی اور تاریکی سے مل کر بنا ہے۔تاریکی سے نور کی رہائی کیلئے مشقت کرنی چاہیے۔اسی وجہ سے روزہ اور تمام ریاضتیں اس کے آئین میں ممتاز مقام رکھتی تھیں، اسی طرح وہ دعویٰ کرتا تھا کہ نسل اور توالد کی پابندی سے نور کو جو تاریکی کا اسیر ہے رہائی دلوانی چاہیے''۔(۱)

یہودیت:۔

یہودی عبرانی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔حضرت موسیٰؑ سے پہلے یہودی کئی معبودوں کی پوجا کرتے تھے، جن میں خاندانی دیوتا، حجر پرستی، شجر پرستی، حیوان پرستی اور قومی دیوتا وغیرہ شامل ہیں۔ پروفیسر غلام رسول چیمہ تحریر کرتے ہیں کہ یہودی فلسفہ کے مطابق عہد نامہ عتیق میں احکام خداوندی، ایمان اور الہام پر زیادہ بحث ہے۔ البتہ سلیمان اور ایوب کی کتب میں کسی قدر فلسفہ کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ یہود ان کے علاوہ حصول علم کے نزدیک مندرجہ ذیل ذرائع ہیں۔ذاتی کوشش، حواس خمسہ کے ذریعے مشاہدہ و تجربہ، عقلی دلائل، الہام۔ یہودی فلسفیوں کے بنیادی مسائل میں خدا کائنات، انسانی روح عمل، الہام اور جزا و سزا شامل ہیں''۔(۲)

(۱) دکتر، محسن کیانی، تاریخ خانقاہ در ایران اردو ترجمہ، ص ۳۰، ۳۱۔

(۲) چیمہ، پروفیسر چودھری غلام رسول، مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ، ص ۴۲۲۔

پروفیسر محمد نواز کے مطابق اسلام کے عقیدہ توحید کے مقابل یہودیوں کی کتاب تورات میں خدا کا تصور یوں دیا گیا ہے۔

''خداوند انسان کو اس سرزمین پر پیدا کر کے پچھتایا اور کہا کہ میں نے جس انسان کو پیدا کیا نہ صرف اسے بلکہ حیوان اور پرندوں تک کو ہلاک کر دوں گا کیونکہ ان کے بنانے سے میں ملول ہوا ہوں''۔(۱)

اسلام سے موازنہ:۔

حضرت موسیٰ پر تورات نازل ہوئی لیکن یہودی قوم نے اسے صحیح حالت میں نہ رہنے دیا سورۃ البقرہ میں آیات ۷۸،۷۹ سے یہ بات واضح ہے۔اس قوم کا اپنے نبیؑ سے یہ رویہ تھا۔ کہ جب حضرت موسیٰؑ نے اپنی قوم کو جہاد کی دعوت دی تو کہنے لگے۔اے موسیٰؑ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں۔ یہودیوں کے عقائد کے برعکس ،سلام میں توحید و رسالت کا بنیادی عقیدہ موجود ہے۔ یہودیوں کے نظریہ کہ حضرت عزیرؑ اللہ تعالیٰ کے (نعوذ باللہ) بیٹے ہیں کو قرآن مجید میں سورۃ توبہ کی آیت ۳۰ میں رد کیا گیا ہے۔قرآن مجید کی ہی سورۃ البقرہ میں آیت ۱۱۳ کے مطابق یہودی اور عیسائی ایک دوسرے کو راہ سے ہٹے ہوئے کہتے ہیں۔قرآن مجید میں یہودیوں کے عقائد،عزائم اور ان کا رد سورۃ البقرہ،آیت ۱۲۰ سورۃ ال عمران ،آیت ۶۷ ،سورۃ المائدہ آیات ۱۸،۵۱،۶۴، ۸۲ میں بیان کیا گیا ہے۔یہودی اپنے انہی عقائد کی تعلیم اپنی خانقاہوں ،تربیت گاہوں میں دیتے تھے اور دیتے ہیں۔ جو سراسر دین اسلام کی تعلیمات کے خلاف ہیں۔

زرتشت تاؤازم اور کنفیوشس ازم کے مذاہب:۔

زرتشت ایران کے قدیم پیغمبر کے طور پر مانے جاتے ہیں۔ ان کا زمانہ ۶۶۰ ۱۲ ۵۸۳ ق م باختلاف ہے۔اگرچہ ایران کے لوگ اگنی دیوتا کو نہیں مانتے ۔مگر زرتشتی آگ کی پرستیش کرتے ہیں۔اس کے علاوہ چین کے قدیم مذاہب میں بدھ دھرم کے ساتھ تاؤازم اور کنفیوشس ازم کے مذاہب بھی تھے۔ یہ تینوں ایک دوسرے میں اتنے گڈمڈ تھے کہ کوئی شخص ایک وقت میں ایک تینوں کا پیروکار ہوسکتا تھا۔ظاہر ہے کہ اس صورت حال میں ان مذاہب کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے۔اسلام نے ان تمام فرسودہ نظریات ،فلسفوں اور مذاہب میں کی گئی تحریفوں کے برعکس اپنی حقانیت منوائی جو آج بھی قائم ہے اور تا ابد قائم رہے گی۔

(۲) چودھری ، پروفیسر محمد نواز ، مذاہب عالم ، ص ۳۱۷۔

پس منظر

- واقعہ کربلا
- مدینہ منورہ میں قتل عام
- مکہ مکرمہ پر حملہ۔

پس منظر:۔

اگر ہم خانقاہی ادارے کی تاریخ کا مفصل جائزہ لیں تو ہمیں اس ادارے کی شہادت اس طرح سے ملتی ہے کہ جب امیر معاویہؓ نے حکم بن مروان کے مشورہ سے یزید کو اپنا جانشین مقرر کیا اور بہت سے سفراء کو بلادِ اسلامیہ کے مختلف علاقوں کی طرف اسکی بیعت کے لئے روانہ کیا تو مدنیہ میں **حضرت امام حسینؓ** ،**حضرت عبداللہ بن عمرؓ**، **حضرت عبداللہ بن زبیرؓ**، **حضرت عبداللہ بن عباسؓ** وغیرہ صحابہ کرامؓ نے اس پر اپنے شدید غم و غصے کا اظہار کیا اور اس بات سے انکار کیا۔ **امیر معاویہؓ** کی وفات کی بعد جب یزید تخت نشین ہوا اور مدنیہ منورہ میں اس کی حکومت کے خلاف احتجاج ہوا تو اس نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار جدید فوجیں دے کر مدنیہ پر چڑھائی کا حکم دیا اور تاکید کی کہ جو لوگ بیعت سے انکار کریں انہیں بے دریغ قتل کیا جائے۔ گزشتہ ادوار میں جب **انبیاء کرام علیھم الصلوۃ وتسلیمات** پیغام توحید لیکر اپنی امتوں یا قوموں میں تشریف لائے اور پیغام حق ان تک پہنچایا تو ان کی قوموں نے اس پیغام حق کو نہ صرف قبول کرنے سے انکار کر کیا بلکہ **انبیاء کرام علیھم الصلوۃ و تسلیمات** کی تکزیب وتکفیر بھی کی۔ شوریدہ و پست ذہنیت لوگ نہ صرف **انبیاء کرام علیھم الصلوۃ وتسلیمات** بلکہ اہل ایمان کو بھی تکالیف پہنچانے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔

قرآن مجید نے ان قوموں کے بارے میں بہت سے واقعات بیان کئے۔ چند ایک واقعات میں جب اہل حق / با ایمان لوگوں کو احکامات الٰہیہ کے مطابق زندگی گزارنے میں بہت زیادہ مشکلات پیش آئیں تو ان لوگوں نے اپنی اپنی جگہوں سے دارالامان کی طرف ہجرت کر کے اپنے ایمان کو بچایا اور ایمانی افعال کی بجا آوری احکامات کے مطابق کرتے رہے۔ ان میں اصحاب کہف کا واقعہ قرآن مجید نے بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔ جس میں چند اہل حق نو جوانوں نے کفار، مشرکین اور اہل حکومت کے مظالم سے تنگ آکر ایک غار میں پناہ لی۔ **حضرت موسیٰؑ** نے فرعون کے مظالم سے بچنے کیلئے مصر سے ہجرت کی جبکہ مشرکین مکہ کے ظلم وستم سے تنگ آکر مسلمان صحابہ کرامؓ نے جن میں حضرت عثمانؓ جیسی شخصیت بھی شامل تھی حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ جبکہ خود ذاتِ سید کائنات، نبی آخرالزمان، امام الاوّلین والآخرین، **حضرت محمد مصطفٰے ﷺ** نے بھی مکہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور ایک حق آگاہ وحق شناس قوم کی تشکیل اور تعلیم وتربیت فرمائی۔

نبی کریم ﷺ کے اس کائنات سے تشریف لے جانے کے بعد فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق 40 ہجری تک خلافت کا نظام قائم رہا۔(۱) جس میں تمام امور احکامات شریعہ کے مطابق انجام پاتے رہے۔ شیخین رضوان اللہ عنھما کے دور کے بعد نظام خلافت میں ان لوگوں کا عمل دخل بڑھنا شروع ہوا۔ چونکہ ان لوگوں کی تربیت نہ ہوئی تھی اور ان میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے جس کی بنا پر احکامات شریعہ پر اس انداز میں عمل مفقود ہوتا گیا جو ایمان و مسلمانی کا خاصہ تھا۔

خلافت کے دور کے بعد ملوکیت کا آغاز ہوا۔ آغاز سے ہی اقرباء پروری، تقررِ خلیفہ کے دستور میں تبدیلی، طرزِ زندگی میں عیش و آرام پرستی، بیت المال سے غیر قانونی رقوم کا حصول، آزادیِ رائے اور قانونی بالادستی کے خاتمے کے علاوہ شوری طرزِ حکومت سے اجتناب جیسی برائیاں شروع ہوگئیں۔ اس کے تقریباً دو دہائیوں بعد یہ ملوکیت اپنی انتہائی مکروہ اور ہیبت ناک شکل میں سامنے آئی جب موروثی حکومت کا آغاز ہوا۔

مولانا مودودی اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

> ''حضرت معاویہؓ کے عہد میں سیاست کو دین پر بالا رکھنے اور سیاسی اغراض کے لئے شریعت کی حدیں توڑ ڈالنے کی جو ابتدا ہوئی تھی، ان کے اپنے نامزد کردہ جانشین یزید کے عہد میں وہ بدترین نتائج تک پہنچ گئی۔ اس کے زمانہ میں تین ایسے واقعات ہوئے جنہوں نے پوری دنیائے اسلام کو لرزہ براندام کر دیا۔'' (۲)

تب ملوکیت کی برائیاں، جس میں بزور طاقت حکومت اور اقتدار کو قائم رکھنا اس کی اولین ضرورت ہوتی ہے، سامنے آئیں۔ اس طاقت کے استعمال سے اس وقت موجود صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین دو حصوں میں تقسیم ہوگئے۔ جن میں ایک گروہ وہ تھا جو دنیاوی مفادات اور قبائلی عصبیتوں کی بنا پر اس نظامِ جور و ستم کو حق بجانب ظاہر کر رہا تھا۔ اور اپنی خواہشات کے حق میں طرح طرح کے من گھڑت دلائل دے رہا تھا۔ جبکہ دوسرا گروہ اُن اہل حق

(۱) ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور (سال اشاعت درج نہیں) ج ۱،۲ ، ص ۲۵۵

(۲) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، دسمبر ۲۰۱۱، ایڈیشن ۳۴، ص ۱۷۹

کا تھا جو دین اسلام کی تعلیمات کے پیش نظر اس کی مخالفت کر رہا تھا۔ ان اہلِ حق میں ایک نام نواسہ رسول ﷺ، پور بتولؓ، نورِ جاں، نوجوانانِ جنت کے سردار، دوشِ رسالت ﷺ پر سواری کرنے والے، رسالت مآب ﷺ کی محبتوں کے محور حضرت امام حسینؓ کا ہے۔ جنہیں اُن کے خاندان اور ساتھیوں سمیت حق پر قائم رہنے کی پاداش میں کربلا میں شہید کیا گیا۔ اس میں دوسرا نام حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے جنہوں نے اس دور کے معاملات کے بارے میں ارشادات نبوی ﷺ کھلے عام بیان کرنے بند کر دیئے تھے۔

اس سلسلہ میں مولانا امین احسن اصلاحی حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک ارشادِ مبارک کی روایت کا حوالہ دیتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

> ''حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے علم کے دو ظرف اکٹھے کئے تھے۔ ایک علم کے ظرف کو میں نے تمہارے اندر پھیلا دیا۔ رہا دوسرا ظرف تو اگر اس کے علم کو میں تمہارے اندر پھیلاؤں تو میری گردن کاٹ دی جائے''(۱)

اس حدیث مبارک کو صوفیاء کی ایک جماعت نے علم سرّی قرار دیا جس کا مطلب یہ لیا گیا کہ قرآن مجید کے ہر لفظ یا آیات کے دو معانی ہیں جن میں ایک ظاہر ہیں جو عام لوگوں کے لئے ہیں اور دوسرے معانی پوشیدہ ہیں جو خاص لوگوں کیلئے ہیں اور یہ سینہ در سینہ منتقل ہوتے ہیں۔ اس حدیث مبارک کے بارے میں مولانا امین احسن اصلاحی نے تین نظریے دیئے ہیں۔ تیسرا نظریہ جو ہمارے موضوع سے مطابقت رکھتا ہے، اس طرح سے ہے۔

> ''تیسرا پہلو یہ ہوسکتا ہے کہ یہ باتیں ایسی ہوں جن کے بیان و اظہار میں وقت کے ارباب اقتدار اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس کرتے ہوں، اس وجہ سے حضرت ابو ہریرہؓ کو اندیشہ ہو کہ اگر وہ باتیں وہ بیان کرنی شروع کر دیں تو وقت کے ارباب اقتدار کے ہاتھوں ان کی جان کی خیر نہ رہے''۔(۲)

(۱) اصلاحی، مولانا امین احسن، تزکیہ نفس، ۲۰۰۶، ص ۳۶،

(۲) ایضاً ایضاً ص ۳۷ ،

مولانا امین احسن اصلاحی اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''اب رہ گئی تیسری صورت۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ ذخیرۂ علم ایسی حدیثوں پر مشتمل ہو جن کے نقل و روایت اور جن کے پھیلنے میں وقت کے ارباب اقتدار اپنے اقتدار کے لیے خطرہ محسوس کرتے ہیں''۔(۱)

اپنی ہی بات کو تقویت دیتے ہوئے مولانا اسکی وضاحت کرتے ہیں۔

''ہم کو یہی بات قرین قیاس اور عقل و نقل کے مطابق معلوم ہوتی ہے کیونکہ حضرت ابو ہریرہؓ نے بنوامیہ کا دور دیکھا تھا۔ ان کی وفات سن ۵۹ھ میں ہوئی ہے جبکہ مسلمان بنوامیہ کے جبر و استبداد کے شکنجے میں اچھی طرح کسے جا چکے تھے اور بنوامیہ تلوار کے زور سے ان تمام اہل حق کے دبا لینے کے درپے تھے جو ان کے استبداد اور ان کی سیاسی و اجتماعی بدعتوں کے خلاف آواز اُٹھا رہے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کے ذخیرۂ علم میں ایسی بہت سی حدیثیں تھیں جن میں اسلامی امراء و حکام کی ذمہ داریاں بیان کی گئی ہیں یا جن میں بنوامیہ کے دور کے فتنوں، ان کے مسلک عضوض (استبداد) اور ان اغیلمۃ (بنوامیہ کے چھوکروں) کی ستم رانیوں اور ان کے ہاتھوں اہل دین کی بربادی کی بابت آنحضرتﷺ نے پیش گوئیاں فرمائی تھیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اس قسم کی روایات کے ذخیرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں روزہ نماز اور حج و زکوٰۃ کی حدیثوں کی طرح اجتماعی و سیاسی معاملات سے متعلق حدیثیں بھی کھلم کھلا بیان کرنا شروع کردوں تو مستبدینِ وقت مجھے جیتا نہ چھوڑیں''۔(۲)

(۱) اصلاحی، مولانا امین احسن، تزکیہ نفس، ۲۰۰۶، ص ۳۷،

(۲) 〃 〃 ص ۳۷ ،

مولانا امین احسن اصلاحی اپنے خیالات کی تصدیق و تائید کے لئے دیگر شارحین کا نکتہ نظر بھی شامل کرتے ہوئے مزید کہتے ہیں۔

''حضرت ابو ہریرہؓ کے قول کا یہ مطلب عقل و نقل اور روایت کے بالکل مطابق معلوم ہوتا ہے اور صرف میں نے ہی اس کا یہ مطلب نہیں سمجھا ہے بلکہ دوسرے شارحین بھی اس مطلب کی طرف گئے ہیں۔ چنانچہ لمعات میں شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا یہ مطلب بیان کیا ہے'':(۱)

"وقیل: ارادبه اخبار الفتن و فساد الدین علیٰ ید اغیلمة من قریش ۔ و کان ابو هریرة یکنی عن بعض ولا یصرح به خوفاً علیٰ نفسه کقوله: اعوذ بالله من امارة الصبیان"۔

''اور ایک قول یہ بھی ہے کہ اس سے حضرت ابو ہریرہؓ کا اشارہ ان احادیث کی طرف ہے جو فتنوں سے متعلق ہیں اور جن میں قریش (بنو امیہ) چھوکروں کے ہاتھوں دین کی بربادی کی پیشین گوئیاں ہیں۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ ان میں سے بعض کی طرف اپنے اقوال اور دعاؤں میں اشارہ بھی کرتے تھے لیکن اندیشہء جان کے سبب سے نام لے کر ان کا ذکر نہیں کرتے تھے۔ مثلاً وہ کہا کرتے تھے: میں چھوکروں کی امارت سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں''(۲)

ان دونوں واقعات سے نتیجہ نکلتا ہے کہ تاریخ اسلام میں پہلا موقع تھا کہ بنو امیہ کے دور حکومت کے آغاز ہی سے حکومتی عہدوں سے دلچسپی نہ رکھنے والے قرآن و سنت کی ترویج کے خواہش مند اور حالات سے نالاں افراد نے خاموشی اور کنارہ کشی اختیار کرنا شروع کر دی، اور تعلیم و تعلّم میں مصروف ہوگئے۔ انہوں نے لوگوں کی تربیت احکامات شریعہ کی پابندی، فقہی احکام کی تدوین و ترتیب، لوگوں میں تقویٰ و تزکیہ کے اسباق اور دوسرے احکامات کے بارے میں نصاب ترتیب دینا شروع کیا۔ ان اصحاب عشق و محبت، احکام شریعہ کے کاربند اوامر و نواہی کا حکم دینے والوں نے جن جگہوں پر بیٹھ کر یہ کام

(۱) اصلاحی، مولانا امین احسن، تزکیہ نفس، ص ۳۸،

(۲) ایضاً ص ۳۸ ،

شروع کیا، برصغیر پاک و ہند میں انہیں خانقاہ کا نام دیا گیا۔ کہ جہاں فرائض کی ادائیگی کیلئے مسجد، تعلیم اور رہائش کے لئے حجرے، لنگر خانے، آرام گاہیں، لیکچر ہال، لائبریری وغیرہ پر مشتمل ایک علمی و تحقیقی و تربیتی مرکز قائم ہوا۔

یہی بات مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تاریخ کی کئی بڑی کتابوں، جن میں البدایہ والنہایہ، الطبری، ابن الاثیر، طبقات ابن سعد، الاستیعاب، ابن خلدون، مسند احمد، تہذیب التہذیب شامل ہیں، کے حوالوں سے بنوامیہ کی حکومت کے دورِ آغاز سے ہی قرآن و سنت کی خلاف ورزی، لاقانونیت، اقربا پروری، معاویہؓ اور حکومتی گورنر و عہدیداروں کا مسجد نبوی ﷺ میں منبرِ رسول ﷺ پر عین روضۂ اقدس کے سامنے حضور ﷺ کے محبوب ترین عزیز کو گالیاں، گورنر عبیداللہ بن عباسؓ کے چھوٹے بچوں کا قتل، حضرت عمارؓ بن یاسر اور دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا قتل، سر کاٹنے، مال غنیمت کی تقسیم کے معاملے میں کتاب اللہ اور سنتِ رسول ﷺ کی صریحاً خلاف ورزی جیسے ان گنت واقعات کا ذکر کیا ہے۔ جن کی وجہ سے بھی کئی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ (۱)

بیعت یزید کے حوالے سے سب سے زیادہ مخالفت مدینہ میں پائی جاتی تھی کیونکہ یہاں ابھی وہ لوگ موجود تھے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی صحبت کا فیض اُٹھایا تھا اور تربیت پائی تھی۔ ایسے لوگ خلاف شرع کسی بات پر مجتمع نہیں ہو سکتے تھے چنانچہ مدینہ منورہ کے حالات کے بارے میں مولانا مودودی رقمطراز ہیں۔

> ''پھر حضرت معاویہؓ نے مدینے کے گورنر مروان بن الحکم کو لکھا کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں، چاہتا ہوں کہ اپنی زندگی ہی میں کسی کو جانشین مقرر کر دوں۔ لوگوں سے پوچھو کہ جانشین مقرر کرنے کے معاملہ میں وہ کیا کہتے ہیں۔ مروان نے اہل مدینہ کے سامنے یہ بات پیش کی لوگوں نے کہا ایسا کرنا عین مناسب ہے۔ اس کے بعد حضرت معاویہؓ نے مروان کو پھر لکھا کہ میں نے جانشینی کے لیے یزید کو منتخب کیا ہے۔ مروان نے پھر یہ معاملہ اہل مدینہ کے سامنے رکھ دیا اور مسجد نبوی میں تقریر کرتے ہوئے کہا: ''امیر المومنین نے تمہارے لیے مناسب آدمی تلاش کرنے میں کوئی کسر

(۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۴۔

اٹھا نہیں رکھی ہے اور اپنے بعد اپنے بیٹے یزید کو جانشین بنایا ہے۔ یہ بہت اچھی رائے ہے جو اللہ نے اُن کو سجھائی ۔ اگر وہ اُس کو جانشین مقرر کر رہے ہیں تو یہ کوئی نئی بات نہیں ۔ ابوبکرؓ وعمرؓ نے بھی جانشین مقرر کیے تھے‘‘۔ اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن ابی بکر اُٹھے اور انھوں نے کہا ’’جھوٹ بولتے ہو تم اے مروان ، اور جھوٹ کہا معاویہؓ نے ۔تم نے ہرگز امت محمدیہ کی بھلائی نہیں سوچی ہے۔تم اِسے قیصریّت بنانا چاہتے ہو کہ جب ایک قیصر مرا تو اس کی جگہ اُس کا بیٹا آ گیا۔ یہ سنتِ ابوبکرؓ وعمرؓ نہیں ہے۔اُنہوں نے اپنی اولاد میں سے کسی کو جانشین نہیں بنایا تھا‘‘ مروان نے کہا۔’’ پکڑو اِس شخص کو ، یہی ہے وہ جس کے متعلق قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے‘‘۔وَالَّذِی قَالَ لِوَالِدَیہِ اُفٍّ لَّکُمَآ ------ اَسَاطِیرُالاَوَّلِینَo‘‘ (۱)

اسی ضمن میں مولانا مودودی مزید تحریر کرتے ہیں۔

’’حضرت عبدالرحمٰنؓ نے بھاگ کر حضرت عائشہؓ کے حجرے میں پناہ لی۔ حضرت عائشہؓ چیخ اٹھیں کہ’’ جھوٹ کہا مروان نے ۔ ہمارے خاندان کے کسی فرد کے معاملہ میں یہ آیت نہیں آئی ہے۔ بلکہ ایک اور شخص کے معاملہ میں آئی ہے ، جس کا نام میں چاہوں تو بتا سکتی ہوں۔ البتہ مروان کے باپ پر رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی تھی جبکہ مروان ابھی اُس کی صُلب میں تھا‘‘ اس مجلس میں حضرت عبدالرحمٰن کی طرح حضرت حسین بن علیؓ ،حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی یزید کی ولی عہدی ماننے سے انکار کر دیا‘‘۔(۲)

(۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، ص ۱۵۰، ۱۵۱

(۲) ایضاً ایضاً ص ۱۵۱

مختلف مورخین کی تحریریں ظاہر کرتی ہیں کہ امیر معاویہؓ نے یزید کو جانشین مقرر کرنے کے بعد بیعت کیلئے مختلف اطراف میں لوگوں کو بھیجا گیا۔ مگر مکہ اور مدینہ کا سفر خود کیا۔ کیونکہ یہاں کے لوگوں میں سے اس جانشینی کی مخالفت کا سب سے زیادہ خطرہ جن سے تھا ان میں مدینہ میں حضرت امام حسینؑ ، عبداللہ بن عمرؓ ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ شامل تھے۔ امیر معاویہؓ نے ان پانچوں سے الگ الگ ملاقات کر کے ان کو یزید کی جانشینی پر قائل کرنے کی کوشش کی مگر بے سود۔ جانشینی یزید پر، جو کہ تاریخ اسلام میں ایک بہت بڑا موڑ ہے، کے بارے میں شاہ معین الدین ندوی ان الفاظ میں اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہیں۔

''امیر معاویہؓ کی آمد کی خبر سن کر پانچوں آدمی مدینہ سے مکہ چلے گئے ۔ امیر معاویہؓ بھی وہاں پہنچے اور ان سب کو لطف و مدارات اور حسن خلق سے مائل کرنے کی کوشش کی۔ ان لوگوں نے فرداً فرداً گفتگو کرنے کی بجائے ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو جو سب سے زیادہ تجربہ کار اور گویا (قادر الکلام) تھے، اپنا نمائندہ بنایا۔ امیر نے ان سے کہا کہ تم لوگوں کے ساتھ میرا جو طرز عمل ہے اور جتنی صلہ رحمی کرتا ہوں اور تمہاری جس قدر باتیں درگزر کرتا ہوں ، وہ سب تم کو معلوم ہے ، یزید تمہارا بھائی اور ابن عم ہے ، میں چاہتا ہوں کہ تم اسے صرف خلیفہ کا لقب دے دو باقی حکومت کا پورا انتظام ، عمال کا عزل و نصب ، خراج کی تحصیل و وصولی اور اس کا صرف تمہارے ہاتھوں میں رہے گا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے اس کے جواب میں کہا کہ انتخاب خلیفہ کی تین نظیریں ہیں، یا تو رسول اللہ ﷺ کی طرح کسی کو نامزد نہ کیجئے مسلمان جسے پسند کریں گے منتخب کرلیں گے، یا ابو بکرؓ کی طرح کسی کو نامزد کیجئے جس سے آپ کا کوئی تعلق نہ ہو، یا عمرؓ کی طرح چند آدمیوں میں سے ایک کا انتخاب شوریٰ پر چھوڑ دیجئے ،اس کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ ہم نہیں قبول کر سکتے ۔''(۱)

(۱) ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام ص ۲۹۹، ۳۰۰

مولانا ندوی بات کو منطقی نتیجہ تک پہنچانے کے لئے مزید قمطراز ہیں۔

'' امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ یہ لوگ آسانی کے ساتھ بیعت کرنے والے نہیں ہیں تو انہیں دھمکی دی کہ اگر تم لوگوں نے کوئی مخالفت کی تو تلوار سے کام لیا جائے گا اور باہر نکل کر مسلمانوں میں اعلان کر دیا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے سر برآوردہ اور ان کے بہترین لوگ ہیں، بغیر ان کے مشورہ کے کوئی کام انجام نہ دیا جائیگا۔ انہوں نے یزید کی بیعت کر لی ہے، اس لیے آپ لوگ بھی بیعت کر لیجئے۔ اہل مدینہ انہی بزرگوں کے فیصلہ کے منتظر تھے اس لیے اس اعلان پر سب نے بیعت کر لی امیر معاویہؓ کی واپسی کے بعد لوگوں کو اصل واقعہ کا علم ہوا لیکن کسی نے پھر کوئی مخالفت نہیں کی''۔(۱)

تاریخ گواہ ہے کہ ذاتی مقاصد کے لئے صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کو قتل کی دھمکیاں دینا اور جھوٹ بول کر مسلمانوں کو رائے بدلنے پر مجبور کرنا کسی عام مسلمان کے بھی شایان شان نہیں ہوتا۔ کجا خلیفہ وقت ایسا کرنے کا سوچے بھی۔

ان حقائق کی تصدیق مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے ان الفاظ میں کی۔

'' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران جن کی سپہ سلاری میں جنگ قادسیہ کا خون ریز میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا تھا، ان اندرونی اختلافات کے وقت گوشہ نشینی و گمنامی کی زندگی اپنے لئے پسند کر کے اونٹوں، بکریوں کے ریوڑ کی نگہداشت میں مصروف ہو گئے تھے۔ یہی حالت اور بھی بہت سے صحابہ کی تھی فتوحات کا سلسلہ رکنے اور اندرونی مخالفتیں برپا ہونے کے بعد سے صحابہ شمشیر و تیر کے استعمال کو برا سمجھنے لگے۔ حالانکہ اور کوئی صورت ایسی ممکن ہی نہ تھی کہ ان کو میدان جنگ کی صف اول سے ہٹا کر پیچھے لایا جا سکتا''۔(۲)

(۱) ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، ص ۳۰۰۔

(۲) نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ خان، تاریخ اسلام، ص ۴۷۶، ۴۷۷۔

حضرت امیر معاویہؓ کا اپنی زندگی میں یزید کی بیعت کیلئے لوگوں کو اکٹھا کرنے کا کام کسی بھی تاریخ دان نے پسند نہیں کیا بلکہ اولین دور کی کتب تاریخ میں اس واقعہ پر تمام تاریخ دانوں نے تنقید کی ہے اور اسے امت مسلمہ کیلئے مہلک قرار دیا ہے۔اس بارے میں مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی لکھتے ہیں۔

> ''حضرت امیر معاویہؓ کا اپنی زندگی میں یزید کے لئے بیعت لینا ایک سخت غلطی تھی۔ یہ غلطی غالباً محبت پدری کے سبب ان سے سرزد ہوئی لیکن مغیرہ بن شعبہ کی غلطی ان سے بھی بڑی ہے کیونکہ اس غلطی کا خیال اور اس پر عامل ہونے کی جراءت مغیرہ بن شعبہ ہی کی تحریک کا نتیجہ تھا۔اسی لئے حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ نے مسلمانوں میں ایک ایسی رسم جاری ہونے کا موقع پیدا کر دیا، جس سے مشورہ جاتا رہا اور باپ کے بعد بیٹا بادشاہ ہونے لگا''۔(۱)

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد یزید تخت نشین ہو گیا اور امیر معاویہؓ کی بزور طاقت و سیاست حاصل کیا گیا اقتدار قیصر و کسریٰ کی طرح موروثی اقتدار میں تبدیل ہو گیا۔قیصر و کسریٰ کی طرح یزید کی حکومت بھی ان کی تمام تر سیاسی ریشہ دوانیاں،ظلم و ستم،حکومت کی خاطر قتل و غارت جس میں نہ کوئی کسی شرف، منصب ،عمر اور نہ ہی رشتہ داری کا لحاظ رکھا جاتا تھا، یہاں بھی آموجود ہوا۔بنوامیہ کے ابتدائی دور کی اس لاقانونیت کو عروج ملتا گیا اور آنے والی دو دہائیوں کے بعد، یزید کے تقریباً ۴ سالہ دور حکومت میں،اس کے خلافِ شریعت اعمال کی وجہ سے، جہاں مسلم حکومت کی ساکھ کو نقصان پہنچا وہاں واقعہ کربلا، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ پر حملوں اور قتل و غارت گری جیسے تین بڑے واقعات رونما ہوئے ،جن کی وجہ سے تاریخ اسلام میں خانقاہ کا ادارہ اپنا کردار ادا کرنے پر مجبور ہوا۔

ابن الاثیر اور البدایہ کے حوالے دیکر مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اور دیگر مورخین نے تاریخ اسلام کے جن تین واقعات کو ہیبتناک قرار دیا اُن کو اپنے اپنے انداز میں تحریر کیا ہے مگر واقعات کی تصدیق سب نے کی ہے جن کو سن کر کوئی بھی ذی عقل و دانش اور ایمانی بصیرت رکھنے والا شخص لرزہ براندام ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

(۱) نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ خان، تاریخ اسلام، ص ۴۷۹۔

واقعہ کربلا

واقعہ کربلا کو تاریخ اسلام میں اہل حق نے معرکہء حق و باطل قرار دیا ہے کیونکہ یزید کردار کے حوالے سے آوارہ مزاج، راگ ورنگ کا رسیا، شریعت اسلامیہ کا تارک تھا۔ جب امیر معاویہؓ نے بیعت یزید کیلئے مدینہ میں رابطہ کیا تو اسے وہاں سے بہت سخت پیغامات ملے کیونکہ مدینہ میں خانوادہ رسالت مآب ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ ابھی موجود تھے جن کے لئے اس معاملے کو قبول نہ کرنا ان کی تربیت کا تقاضا تھا۔ امیر معاویہؓ نے دھونس، لالچ، جبر، سیاست، غرض جس طرح سے بھی بن پڑا، اپنی حکومت کو مضبوط کیا مگر یزید کے تخت نشین ہونے پر اس وقت کے اکابر اصحابؓ نے سخت تشویش کا اظہار کیا۔ نواسہ رسول ﷺ حضرت امام حسینؓ بن علیؓ اس وقت موجود صحابہ کرامؓ میں سب سے زیادہ عزت والے تھے۔ مختلف علاقوں کے لوگوں نے حضرت امام حسینؓ کو خطوط لکھ کر اپنی وفاداریوں کا یقین دلایا، جس کی بنا پر آپ نے یزید کے خلاف خروج کیا۔ یہ واقعہ ۶۱ھ میں پیش آیا، جس میں نوجوانان جنّت کے سردار کو ان کے خانوادے کی خواتین سمیت بہتر ساتھیوں کو کربلا کے میدان میں خاک وخون میں نہلایا گیا۔ یہ تمام واقعہ خونچکاں، کہ جس کی تفصیل تاریخ کی تمام کتابوں میں مذکور ہے، کے بارے میں الطبری، ابن الاثیر اور البدایہ کے حوالوں سے مولانا مودودی رقمطراز ہیں۔

> ''امرِ واقعہ ہے کہ وہ کوئی فوج لے کر نہیں جا رہے تھے، بلکہ اُن کے ساتھ اُنکے بال بچے تھے، اور صرف ۳۲ سوار اور ۴۰ پیادے۔ اِسے کوئی شخص بھی فوجی چڑھائی نہیں کہہ سکتا۔ اُن کے مقابلہ میں عمر بن سعد بن ابی وقاص کے تحت جو فوج کوفہ سے بھیجی گئی تھی اس کی تعداد ۴ ہزار تھی۔ کوئی ضرورت نہ تھی کہ اتنی بڑی فوج اس چھوٹی سی جمعیت سے جنگ ہی کرتی اور اسے قتل کر ڈالتی۔ وہ اسے محصور کر کے بآسانی گرفتار کر سکتی تھی۔ پھر حضرت حسینؓ نے آخر وقت میں جو کچھ کہا تھا وہ یہ تھا کہ یا تو مجھے واپس جانے دو، یا کسی سرحد کی طرف نکل جانے دو، یا مجھ کو یزید کے پاس لے چلو۔ لیکن ان میں سے کوئی بات بھی نہ مانی گئی اور اصرار کیا گیا کہ آپ کو عبید اللہ بن زیاد (کوفہ کے گورنر) ہی کے پاس چلنا ہوگا''۔ (۱)

(۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، ص ۱۷۹،

یہاں اکثریت مورخین اور عام قاری نے بھی امام عالی مقام کی ان باتوں سے اتفاق کیا ہے کہ اُن کی جنگ کرنے کی قطعاً نیت نہ تھی۔ آخر وقت تک فرمانِ حق اور سنت مبارک کے مطابق درگزر فرماتے رہے۔ مونالا مودودی اس بارے میں اپنے خیالات کا تسلسل قائم رکھتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضرت حسینؓ اپنے آپ کو ابن زیاد کے حوالہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے، کیونکہ مسلم بن عقیل کے ساتھ جو کچھ وہ کر چکا تھا وہ انہیں معلوم تھا۔ آخرکار اُن سے جنگ کی گئی۔ جب اُن کے سارے ساتھی شہید ہو چکے تھے۔ اور وہ میدان جنگ میں تنہا رہ گئے تھے اس وقت بھی ان پر حملہ کرنا ہی ضروری سمجھا گیا۔ اور جب وہ زخمی ہو کر گر پڑے تھے۔ اُس وقت اُن کو ذبح کیا گیا۔ پھر اُن کے جسم پر جو کچھ تھا وہ لوٹا گیا حتیٰ ان کی لاش پر سے کپڑے تک اُتار لیے گئے اور اس پر گھوڑے دوڑا کر اسے روندا گیا۔ اس کے بعد ان کی قیام گاہ کو لوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں تک اُتار لی گئیں۔ اس کے بعد اُن سمیت تمام شہدائے کربلا کے سر کاٹ کر کوفہ لے جائے گئے، اور ابنِ زیاد نے نہ صرف برسرِ عام ان کی نمائش کی بلکہ جامع مسجد میں منبر پر کھڑے ہو کر یہ اعلان کیا کہ الحمدللہ الذی اظھر الحق و اھلہ و نصر امیر المومنین یزید و حزبہ و قتل الکذاب ابن الکذاب الحسین بن علی و شیعتہ'۔ پھر یہ سارے سر یزید کے پاس دمشق بھیجے گئے، اور اس نے بھرے دربار میں ان کی نمائش کی''(۱)

اس واقعہ میں مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی شہادتِ امام حسین کے واقعات کی تصدیق کرتے ہوئے ان لفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

''عبید اللہ بن زیاد ظالم نے حکم بھی بھیج دیا تھا۔ کہ حضرت حسینؓ کا سر مبارک کاٹ کر ان کی لاش گھوڑوں سے پامال کرائی جائے۔ کہ ہر ایک عضو ٹوٹ جائے''(۲)

(۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، ص ۱۸۰، (۲) نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ خان، تاریخ اسلام، ص ۴۹۶۔

حضرت امام حسینؓ پر ڈھائے جانے والے مظالم کی روداد قلمبند کرتے ہوئے مولانا نجیب آبادی اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید لکھتے ہیں۔

> ''حضرت حسینؓ کے جسم پر پینتالیس زخم تیر کے تھے مگر آپ برابر دشمنوں کا مقابلہ کئے جا رہے تھے۔ایک دوسری روایات کے مطابق ۳۴ زخم نیزے کے اور ۴۳ زخم تلوار کے تھے اور تیروں کے زخم ان کے علاوہ تھے۔ دشمنوں میں کوئی شخص بھی یہ نہیں چاہتا تھا۔ کہ حضرت حسینؓ میرے ہاتھ سے شہید ہوں بلکہ ہر شخص آپؓ کے مقابلہ سے بچتا اور طرح دیتا تھا۔آخر شمر ذی الجوشن نے چھ شخصوں کو ہمراہ لے کر آپ پر حملہ کیا اور ان میں سے ایک نے شمشیر کا ایسا وار کیا کہ حضرت حسینؓ کا بایاں ہاتھ کٹ کر الگ گر پڑا۔حضرت حسینؓ نے اس پر جوابی وار کرنا چاہا لیکن آپ کا داہنا ہاتھ اس قدر مجروح ہو چکا تھا کہ تلوار نہ اُٹھا سکے۔ پیچھے سے سنان بن انس شخص نے آپ کے نیزہ مارا جو شکم سے پار ہو گیا۔اور آپ نیزہ کا یہ زخم کھا کر گرے اس نے نیزہ کھینچا اور اس کے ساتھ ہی آپ کی روح بھی کھینچ گئی۔اناللہ وانا الیہ راجعون''۔(۱)

کربلا میں حضرت امام حسینؓ اور ان کے ساتھیوں کی شہادتیں کیا کم سانحہ تھا۔کہ دشمنوں کے اس پر بھی کلیجے ٹھنڈے نہ ہوئے۔اور انہوں نے عبیداللہ بن زیاد کے حکم کی تعمیل میں مزید کیا ظلم کیا؟۔ یہ مولانا نجیب آبادی یوں تحریر میں لاتے ہیں۔

> ''اس کے بعد شمر نے یا شمر کے حکم سے کسی دوسرے شخص نے حضرت حسینؓ کا سر جسم سے جدا کیا اور عبیداللہ بن زیاد کے حکم کی تعمیل کے لئے بارہ سوار متعین کئے گئے۔ انہوں نے اپنے گھوڑے کی ٹاپوں سے آپؓ کے جسم مبارک کو خوب کچلوایا، پھر خیمہ کو لوٹا۔آپ کے اہل بیت کو گرفتار کیا''(۲)

(۱) نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ خان، تاریخ اسلام، ص ۴۹۶۔
(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی۔ اور ہر زمانے میں آنے والا مورّخ تحقیق کے بعد واقعات کو ضرور قلمبند کرتا ہے۔ طبری نے واقعہ کربلا کے واقعات اور یزیدی لشکر کے ظلم وستم کا نقشہ کچھ اس انداز سے کھینچا ہے۔

''پھر اسی حالت میں سنان بن انس شخص نے آپ کو برچھی ماری۔ آپ گر پڑے تو اس نے خولی بن یزید اصبحی سے کہا کہ سر کاٹ لے۔ خولی نے ارادہ کیا مگر اس سے یہ کام ہو نہ سکا، کانپنے لگا۔ سنان بن انس نے کہا۔ خدا تیرے بازوؤں کو توڑے۔ تیرے ہاتھوں کو قطع کرے۔ یہ کہہ کو وہ اُتر کے آپؑ کی طرف کو بڑھا، آپؑ کو ذبح کیا اور آپ کا سر کاٹ لیا۔ اور خولی کو دے دیا''(۱)

طبری حضرت امام حسینؑ کے جسم کی پامالی اور بے حرمتی کے موضوع پر یوں رقمطراز ہے۔

''اس کے بعد ابن سعد نے اپنے ساتھ والوں میں یہ منادی کی کون کون لوگ اپنے گھوڑوں سے حضرت حسینؑ کو پامال کریں گے۔ یہ سن کر دس شخص نکلے ان میں اسحٰق بن حیوۂ حضرمی بھی تھا۔ جس نے آپ کا قمیص اتار لیا تھا۔ اور آخر مبروص ہو گیا تھا اور ان لوگوں میں اجش بن مرثد حضرمی بھی تھا۔ یہ دسوں سوار آئے اور اپنے گھوڑوں سے حضرت حسینؑ کو پامال کیا۔ اس طرح کہ ان کے سینہ و پشت کو چور چور کر دیا حسینؑ کے ساتھیوں میں بہتّر شخص قتل ہوئے ان کے قتل ہونے کے ایک دن بعد مقامِ غاضریہ میں جو بنی اسد کے لوگ رہتے تھے انہوں نے مل کر ان لوگوں دفن کیا ابن سعد کے اصحاب میں سے اٹھاسی شخص قتل ہوئے۔ اور زخمی ان کے علاوہ تھے۔ ابن سعد نے اپنے اصحاب کی لاشوں پر نماز پڑھی اور دفن کیا۔''(۲)

(۱) الطبری، علامہ ابی جعفر محمد بن جریر، ترجمہ، سید حید علی طباطبائی، تاریخِ طبری نفیس اکیڈمی اردو بازار، کراچی، اپریل ۲۰۰۴، ج ۴، ص ۲۳۰

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۲۳۲

ان واقعات کو دیگر مورخین نے بھی کم وبیش انہی حقائق کے ساتھ بیان کیا ہے۔ میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں اب ان تینوں مصنفین کے تحریر کردہ واقعات کے مطابق شہادت سے پیشتر حضرت امام حسینؓ نے کوفیوں سے جو خطاب فرمایا مولانا اکبر خان نجیب آبادی کے مطابق اس طرح سے ہے۔

"لوگو تم میں سے ہر ایک شخص جو مجھ سے واقف ہے اور ہر ایک وہ شخص بھی جو مجھ کو نہیں جانتا اچھی طرح آگاہ ہو جائے کہ میں آنحضرت ﷺ کا نواسہ اور حضرت علیؓ کا بیٹا ہوں ۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا میری ماں اور جعفر طیارؓ میرے چچا تھے۔ اس فخر نسبتی کے علاوہ مجھ کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ آنحضرت ﷺ نے مجھ کو اور میرے بھائی حسنؓ کو جوانان اہل جنت کا سردار بتایا ہے۔ اگر تم کو میری بات کا یقین نہ ہو تو ابھی تک آنحضرت ﷺ کے بہت سے صحابی زندہ ہیں' تم ان سے میری بات کی تصدیق کر سکتے ہو۔ میں نے کبھی وعدہ خلافی نہیں کی' میں نے کبھی نماز قضا نہیں کی اور میں نے کسی مومن کا قتل نہیں کیا' نہ آزار پہنچایا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کا گدھا بھی باقی ہوتا تو تمام عیسائی قیامت تک اس گدھے کی پرورش اور نگہداشت میں مصروف رہتے" (۱)

حضرت امام حسینؓ نے اپنا خطاب جاری رکھتے ہوئے یزیدی کیمپ کے طرفدار کوفیوں سے مزید فرمایا:

"تم کیسے مسلمان اور کیسے امتی ہو کہ اپنے رسول ﷺ کے نواسے کو قتل کرنا چاہتے ہو' نہ تم کو اللہ کا خوف ہے نہ رسول ﷺ کی شرم ہے۔ میں نے جبکہ ساری عمر کسی شخص کو بھی قتل نہیں کیا تو ظاہر ہے کہ مجھ پر کسی کا قصاص بھی نہیں' پھر بتاؤ کہ تم نے میرے خون کو کس طرح حلال سمجھ لیا ہے؟ میں دنیا کے جھگڑوں سے آزاد ہو کر مدینہ میں آنحضرت ﷺ کے قدموں میں پڑا تھا۔ تم نے وہاں بھی مجھ کو نہ رہنے دیا پھر مکہ مکرمہ کے اندر بیت اللہ میں مصروف عبادت تھا تم کوفیوں نے مجھ کو وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور میرے پاس مسلسل خطوط بھیجے کہ ہم تم کو امامت کا حقدار

(۱) نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ خان، تاریخِ اسلام، ص ۴۹۴

سمجھتے اورتمہارے ہاتھ پر بیعت خلافت کرنا چاہتے ہیں۔ جب تمہارے بلانے کے موافق میں یہاں آیا تو اب تم مجھ سے برگشتہ ہو گئے۔ اب بھی اگر تم میری مدد کرو تو میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ مجھ کو قتل نہ کرو اور آزاد چھوڑ دو تا کہ میں مکہ یا مدینہ میں جا کر مصروف عبادت ہو جاؤں اور اللہ تعالیٰ خود اس جہان میں فیصلہ کر دے گا کون حق پر تھا اور کون ظالم تھا''۔(۱)

فطرت کے تقاضوں کے پیشِ نظر حق کے علمبرداروں کے سامنے کہاں کسی کی زبان کھلتی ہے یا بات کا جواب دینے کی جرأت ہوتی ہے، بجز راہ حق سے بھٹکے ہوئے لوگوں کے۔ یہاں بھی ایسا ہی ہوا، نجیب آبادی آگے لکھتے ہیں:

''اس تقریر کو سن کر سب خاموش رہے اور کسی نے کوئی جواب نہ دیا۔ تھوڑی دیر انتظار کے بعد حضرت حسینؓ نے فرمایا کہ اللہ کا شکر ہے کہ میں نے تم پر حجت پوری کر دی اور تم کوئی عذر پیش نہیں کر سکتے۔ پھر آپ نے ایک ایک کا نام لے کر آواز دی کہ اے شبث بن ربیعی، اے حجاج بن الحسن، اے قیس بن الاشعث، اے حر بن یزید تمیمی اے فلاں فلاں کیا تم نے مجھ کو خطوط نہیں لکھے تھے اور مجھ کو باصرار یہاں نہیں بلوایا تھا؟ اور جبکہ میں آیا ہوں تو تم مجھ کو قتل کرنے پر آمادہ ہو۔ یہ سن کر ان سب لوگوں نے کہا کہ ہم نے آپ کو کوئی خط نہیں لکھا اور نہ آپؓ کو بلایا۔ حضرت حسینؓ نے وہ خطوط نکالے اور الگ الگ پڑھ کر سنائے کہ یہ تمہارے خطوط ہیں۔ انہوں نے کہا کہ خواہ ہم نے یہ خطوط بھیجے یا نہیں بھیجے مگر اب ہم علی الاعلان آپ سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں''۔(۲)

واقعہ کربلا کی تفصیلات اور لوگوں کے رویے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یزید کی فوج میں شامل ہونے والے لوگ حکومت کے مظالم، ڈر، خوف، مصلحت، ایمان و کردار کی کمزوری، حکومتی مناصب کا لالچ، زر و جواہر کی چمک، مراعات کی امید نے انہیں اپنے عہد و پیمان کو توڑنے پر اکسایا اور ان لوگوں نے عطرتِ رسول ﷺ کا بھی لحاظ نہ کیا۔ حضرت امام حسینؓ جن کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ 'انا من الحسین و حسین منی'' ہر باایمان کے ایمان کو تازگی عطا کرتا ہے، ان کے ساتھ دشمنی کرنے والوں کی ذہنیت کا ہر کوئی انداز کر سکتا ہے۔

(۱) نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ خان، تاریخِ اسلام، ص ۴۹۴،۴۹۵ (۲) نجیب آبادی، مولانا اکبر شاہ خان، تاریخ اسلام، ص ۴۹۵

حضرت امام حسینؓ کی ذات زندگی کے ہر موقع اور واقعہ میں تقویٰ کے اعلیٰ مقام پر نظر آتی ہے۔ آپ کی دعا جو آپ نے عرفہ کے میدان میں حج کے موقع پر فرمائی، ایک شاہکار کی حیثیت رکھتی ہے، اس کا اردو ترجمہ حضرت سیّد محمد وجیہ السیّما عرفانیؒ نے یوں تحریر کیا ہے۔

''یا اللہ تُو پریشان حال کی آواز کو قبول کرتا ہے، دُکھ دُور کرتا ہے۔ دُردمَند کی فریاد رسی کرتا ہے، بیمار کو تندرست کرتا ہے، محتاج کو غنی بناتا ہے، یہ تُو ہی ہے جو ٹُوٹے ہوؤں کو جوڑتا ہے، چھوٹوں پر رحم کرتا ہے، بڑوں کی مدد کرتا ہے۔ تیرے سِوا کوئی مددگار نہیں ہے، نہ کوئی تجھ سے اُوپر قُدرت والا ہے۔ تو بڑی بلندیوں کا مالک، تو بڑی کِبریا والا ہے۔''(۱)

امام عالی مقام کی دعا جاری رہتی ہے اور بارگاہِ کبریا میں مزید عرض کرتے ہیں۔

''اے پابند کو آزاد کرنے والے، اے ننھے بچوں کو روزی دینے والے، اے پناہ مانگنے والے کو خوف سے اَمان دینے والے، اے وہ جس کا نہ کوئی شریک ہے، نہ معاون کار، تو سرورِ کونین حضرت محمد مصطفےٰ ﷺ پر اور اُن کی آل پر دُرود بھیجتا رہ، اور تو نے اپنے بندوں کو ہمیشہ جو بہترین نعمتیں عطا فرمائی ہیں، وہ مجھے اس شب عطا فرما، وہ نعمتیں جن کا تُو محافظ رہے، اور وہ کرم فرمائیاں جنہیں تو نَو بہ نَو لاتا رہے، تُو ہر مشکل کو آسان کرتا رہ، ہر پُکار کو سُنتا رہ، ہر نیکی قبُول کرتا رہ، اور ہر برائی کو اپنے کرم کی فراوانیوں سے محو کر دے، تو بڑا صاحبِ الطاف ہے جیسے چاہے، تو بڑی خبر رکھنے والا ہے، اور تو جو چاہے اس پر قُدرت اور اِختیار کا مالک ہے۔''(۲)

حضرت امام حسینؓ اپنا دکھ بارگاہِ لم یزال میں بیان کرتے ہوئے دعا جاری رکھتے ہوئے مزید عرض گزار ہوتے ہیں۔

''اے اللہ! دُکھی کی آواز تجھ سے زیادہ کون سُنتا ہے۔ اِستدعا کو تجھ سے زیادہ قبول کرنے والا کون ہے، معاف کر دینے میں تجھ سے زیادہ کریم

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، دعائے امام الشہداء، ریگولر پرنٹرز لاہور، ۱۹۸۵، ص ۴۶

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۷، ۴۸

کوئی نہیں ، کسی کی عطا تیرے جیسی فراواں نہیں ، سائل کی اِلتجا تجھ سے زیادہ سُننے والا کوئی نہیں ۔اے دنیا و آخرت کے رحمان و رحیم ، نہ کوئی تیرے جیسا ہے جس سے مانگا جائے نہ تیرے سوا کوئی اور ہے جس سے آرزوئیں کی جائیں ۔میں نے تجھے پُکارا،تُو نے قبول کیا، میں نے تجھ سے مانگا،تو نے عطا کیا، میں تیرے ہاں حاضر ہوا۔تُو نے مجھ پر ترس کھایا، میں نے تیرا دامن تھاما،تو نے مجھے مُراد تک پہنچایا۔ میں گھبرا کے تیری پناہ کو دوڑا،تُو نے مجھے سہارا دیا۔''(۱)

حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ کے مطابق دعا کے اختتامی کلمات تاریخ کے اوراق میں کچھ یوں ہیں۔

''اے اللہ ! اپنے مقرّب ترین ، محبوب ترین ، اپنے رُسول ، اپنے نبی حضرت محمد ﷺ اور ان کی ساری نیک اور پاک آل پر دُرود بھیجتا رہ ۔ ہمارے لیے اپنی نعمتیں تمام کر ، ہم پر اپنی عطاؤں کی بارشیں برساتا رہ ، ہمارا مقدر یہ بنادے، کہ تیرا شکر کرنے والے رہیں اور تیری نعمتوں کا ذکر ہمیشہ کرتے رہیں ۔ آمین آمین ! یا ربّ العالمین !''(۲)

پیکرِ فصاحت و بلاغت میدانِ کربلا میں جنگ سے پہلے اپنے اللہ کی بارگاہ میں جس انداز سے پیش ہوئے اُسے شاہ معین الدین ندوی نے یوں تحریر کیا ہے۔

''الٰہی ! تو ہر تکلیف میں میرا بھروسہ اور ہر تکلیف میں سہارا ہے، مجھ پر جو وقت آئے ان میں تو ہی میرا پشت پناہ تھا' غم و اندوہ میں دل کمزور پڑ جاتا ہے' کامیابی کی تدبیریں کم ہو جاتی ہیں اور رہائی کی صورتیں گھٹ جاتی ہیں' دوست ساتھ چھوڑ دیتے ہیں' اور دشمن شماتت کرتے ہیں۔ میں نے ایسے نازک وقتوں میں سب کو چھوڑ کر تیری طرف رجوع کیا' تجھی سے اس کی شکایت کی ہے' تو نے مصائب کے بادل چھانٹ دیئے اور ان کے مقابلہ میں میرا سہارا بنا' تو ہی ہر نعمت کا والی ہے' ہر بھلائی کا مالک اور ہر آرزو اور تمنا کا منتہی ہے''۔(۳)

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، دعائے امام الشہداء، ص ۴۸، ۴۹

(۲) ایضاً ایضاً ص ۵۰

(۳) ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، ص ۳۲۰

وقت گزرتا جائے گا، سورج طلوع وغروب ہوتا رہے گا، چاند ستارے نظر آتے رہیں گے، مگر فضائیں سوگوار رہیں گی ۔ ایک انسان اور اس کے حواریوں کے، قرآن وسنت کے احکامات کے خلاف، قبیح عمل سے انسانیت تا قیامت شرمندہ رہے گی، مگر بقول جوش ملیح آبادی۔

؎ انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسینؑ (۱)

کربلا کے ان واقعات پر جن صحابہ کرامؓ، مومنین کے دل رنج اور غم واندوہ سے بھر آئے، ان کے پیشِ نظر قرآن مجید اور حدیث مبارک کے یہ احکامات تھے۔

ذٰلِكَ الَّذِی یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِینَ اٰمَنُوا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ط قُل لَّآ اَسئَلُكُم عَلَیهِ اَجرًا اِلَّا المَوَدَّةَ فِی القُربٰی ط وَ مَن یَّقتَرِف حَسَنَةً نَّزِد لَهٗ فِیهَا حُسنًا ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ شَكُورٌ O (۲)

ترجمہ:۔ ”یہی وہ کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے با ایمان اور نیک عمل کرنے والے بندوں کو اس کی بشارت دیتا ہے یا رسول اللہ ﷺ آپ ارشاد فرمایئے لوگو میں اس سارے کرم وفضل کا کوئی صلہ اگر چاہتا ہوں تو صرف یہ کہ ان سے دلی محبت رکھو جو قرابت والے ہیں اور جو کوئی نیکی کرے گا ہم اس کی خوبی میں اضافہ کریں گے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا قدردان ہے“ O

قرآنِ مجید میں آیہ مباہلہ میں بھی عطرتِ رسول ﷺ کا ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

فَمَن حَآجَّكَ فِیهِ مِن بَعدِ مَا جَآءَكَ مِنَ العِلمِ فَقُل تَعَالَوا ندعُ اَبنَآءَنَا وَ اَبنَآءَكُم وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُم وَ اَنفُسَنَا وَاَنفُسَكُم قف ثُمَّ نَبتَهِل فَنَجعَل لَّعنَتَ اللّٰهِ عَلَی الكٰذِبِینَ O (۳)

(۱) نارنگ، پروفیسر گوپی چند، سانحہ کربلا بطور شعری استعارہ، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱، ص ۳۸

(۲) سورۃ الشوریٰ ، آیت ۲۳ (۳) سورۃ ال عمران ، آیت ۶۱

ترجمہ:۔ ’’اے نبی خاتم النبین ﷺ آپ کو علم عطا ہوا ہے تو جو کوئی اس کے بعد حضرت عیسیٰ کے بارے میں آپ ﷺ سے جھگڑا کرے تو یا رسول اللہ ﷺ آپ ارشاد فرمایئے کہ آؤ ہم بلالیتے ہیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے، اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور ہم خود بھی آتے ہیں تم بھی خود آجاؤ پھر ہم مباہلہ کرلیں اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ڈال دیں‘‘O۔

قرآن مجید میں جھوٹوں پر لعنت کے بعد پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

مِنۡ اَجۡلِ ذٰلِكَ ج كَتَبۡنَا عَلٰى بَنِىۡۤ اِسۡرَآءِيۡلَ اَنَّهٗ مَنۡ قَتَلَ نَفۡسًا بِغَيۡرِ نَفۡسٍ اَوۡ فَسَادٍ فِى الۡاَرۡضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيۡعًا ط وَمَنۡ اَحۡيَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحۡيَا النَّاسَ جَمِيۡعًا ط وَلَقَدۡ جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُنَا بِالۡبَيِّنٰتِ ثُمَّ اِنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ بَعۡدَ ذٰلِكَ فِى الۡاَرۡضِ لَمُسۡرِفُوۡنَO.(۱)

ترجمہ:۔ ’’اسی باعث ہم نے اسرائیل کے لئے یہ بات طے کردی تھی کہ جس نے کسی شخص کو کسی قتل کے بدلے یا زمین میں کوئی خرابی برپا کرنے کے بغیر قتل کردیا اس نے گویا سبھی انسانوں کو قتل کیا اور جس نے اسے موت سے بچایا ان نے گویا تمام انسانوں کو زندہ رکھ لیا اور ان کے پاس ہمارے پیغمبر روشن نشانیاں لے کر پہنچتے رہے اس کے بعد پھر ان میں سے بہت سے ہیں جو زمین میں حد سے بڑھ جانے والے ہیں‘‘O

احادیث مبارکہ جو مومنین کے پیشِ نظر تھی، ہے اور قیامت تک رہے گی، وہ یوں ہیں۔

حسین منی وانا من حسین

۔ حسین مجھ سے ہے، میں حسین سے ہوں(۲)

(۱) سورہ المائدہ، آیت ۳۲ (۲) سنن ترمذی، باب المناقب ۲۹، ج ۵، ص ۳۲۴، حدیث ۳۸۶۴۔

الحسن و الحسین سیّدا شباب اھل جنت(۱)

امام حسنؓ اورامام حسینؓ نوجوانانِ جنت کے سردار ہیں

خواجۂ خواجگاں، خواجۂ بزرگ، عطائے رسول ﷺ، خواجہ غریب نواز، حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیریؒ، قدس اللہ سرہ العزیز تاریخ کی ایک ایسی منفرد ہستی ہیں جنہوں نے بلاشبہ لاکھوں غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لانے کا عظیم کارنامہ انجام دیا۔ انہوں نے حضرت امام حسینؓ کو یوں خراجِ عقیدت پیش کیا

شاہ است حسینؓ ، پادشاہ است حسینؓ
دیں است حسینؓ ، دیں پناہ است حسینؓ
سرداد نداد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لاالہ است حسینؓ (۲)

اور علامہ اقبال نے کہا۔

غریب و سادہ و رنگین ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسینؓ ، ابتدا ہے اسمٰعیلؑ (۳)

مرزا غالب کہتا ہے۔

دشمن آلِ نبی کو بہ طرب خانہ دھر
عرضِ خمیازۂ سیلاب ہو طاقِ دیوار (۴)

(۱) سنن نسائی ، دارلکتاب ، بیروت ، ۱۹۹۱ ، حدیث ۸۱۶۹ ، ج ۵ ، ص ۵۰۔

(۲) ھمدانی، پروفیسر سید احمد سعید، حضرت شاہ ہمدان امیر کبیر سید علی ہمدانی حیات و تعلیمات، اورینٹیل پبلی کیشنز، رائل پارک، لاہور، مارچ ۲۰۱۲، ص ۲۹۹

(۳) اقبال، علامہ محمد، کلیاتِ اقبال، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشر ز لاہور، ایڈیشن ہشتم، ص ۳۵۵

(۴) غالب، مرزا اسد اللہ خان، ''نوائے سروش'' شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور ص ۷۴۸

مدینہ منورہ میں قتل عام

یزید کا دورِ حکومت گو بہت مختصر تھا یعنی تقریباً ۴ سال سے کم کا عرصہ لیکن اس عرصہ کے دوران اس نے جو ذلت کمائی اس کا ایک خاکہ پچھلے صفحات میں بیان ہو چکا کہ اس نے کربلا میں خانوادۂ رسالت مآب پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے، نواسہ رسول ﷺ اور ان کے خاندان اور احباب کو قتل اور خواتین کی بے حرمتی کی اس کے کچھ ہمدرد واقعہ کے بعد چند واقعات کو بنیاد بنا کر اسے معصوم ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر واقعات کا اگر سرسری نظر سے بھی جائزہ لیا جائے تو یہ روایات سوائے ڈرامے کے اور کچھ نظر نہیں آتیں مزید برآں اس واقعہ کے ایک سال بعد ہی یعنی ۶۳ ہجری کو جو واقعہ پیش آیا اس کے بارے میں سید ابوالاعلیٰ مودودی رقمطراز ہیں۔

''اس کے بعد دوسرا سخت المناک واقعہ جنگ حَرّہ کا تھا جو ۶۳ھ کے آخر اور خود یزید کی زندگی کے آخری ایاّم میں پیش آیا۔ اس واقعہ کی مختصر رُوداد یہ ہے کہ اہل مدینہ نے یزید کو فاسق و فاجر اور ظالم قرار دے کر اُس کے خلاف بغاوت کر دی، اس کے عامل کو شہر سے نکال دیا اور عبداللہ بن حَنظَلَہ کو اپنا سربراہ بنالیا۔ یزید کو یہ اطلاع پہنچی تو اُس نے مسلم بن عُقبۃ المُرِی کو (جسے سلف صالحین مسرف بن عقبۃ کہتے ہیں) ۱۲ ہزار فوج دے کر مدنیہ پر چڑھائی کے لیے بھیج دیا، اور اسے حکم دیا کہ تین دن تک اہل شہر کو اطاعت قبول کرنے کی دعوت دیتے رہنا، پھر اگر وہ نہ مانیں تو ان سے جنگ کرنا، اور جب فتح پالو تو تین دن کے لیے مدینہ کو فوج پر مباح کر دینا۔ اس ہدایت پر یہ فوج گئی۔ جنگ ہوئی۔ مدینہ فتح ہوا۔ اور اس کے بعد یزید کے حکم کے مطابق تین دن کے لیے فوج کو اجازت دے دی گئی کہ شہر میں جو کچھ چاہے کرے، ان تین دنوں میں شہر کے اندر ہر طرف لوٹ مار کی گئی، شہر کے باشندوں کا قتلِ عام کیا گیا''۔(۱)

(۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، ص ۱۸۱ و ۱۸۲

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی اس سے آگے کے واقعات امام زہری کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔

''جس میں امام زُہری کی روایت کے مطابق ، سات سو مُعزّزین اور دس ہزار کے قریب عوامِ مارے گئے ، اور غضب یہ ہے کہ وحشی فوجیوں نے گھروں میں گھس گھس کر بے دریغ عورتوں کی عصمت دری کی۔ حافظ ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ حتی قیل انه حبلت الف امراة فی تلك الایام من غیرزوج (کہا جاتا ہے کہ ان دنوں میں ایک ہزار عورتیں زنا سے حاملہ ہوئیں)''۔(۱)

صرف ایک یا دو مورخین ہی نہیں، کئی دیگر مورخین نے بھی اس واقعہ کو سپردِ قلم کیا ہے۔ مدینہ منورہ کے تقدس کی پامالی کے بارے میں تاریخ طبری میں تحریر کرتے ہیں۔

''مدینہ میں تین دن تک قتل عام'':۔

''روایت ہے کہ مسلم کرسی پر بیٹھتا تھا لوگ کرسی کو اٹھائے ہوئے پھرتے تھے۔ اسی ہیئت سے وہ ابن غسیلؓ سے جنگ حرہ میں قتال کر رہا تھا اور یہ رجز پڑھتا جاتا تھا۔

''احیا اباه هاشم بن حرمله'
یوم الهباتین و یوم البعمله''

ترجمہ:۔ ''جنگ حیاتین و جنگ یعملہ میں ہاشم بن حرملہ نے اپنے باپ کا نام روشن کر دیا''۔

''کل الملوك عنده معزبله'
ورمحه للوالدات مشکله''

ترجمہ:۔ ''ملوک اس کے سامنے لاش کا ڈھیر ہیں۔ اس کی برچھی ماؤں کو بیٹوں کے غم میں رولاتی ہے''۔(۲)

(۱) مودودی ، سیدابوالاعلیٰ ، خلافت وملوکیت ، ص ۱۸۲ (۲) طبری ، تاریخ طبری ، ج ۴ ، ص ۲۶۱۔

''لا یـلبـث الـقتیـل حتـی یـجـدلـه'
ویـقتـل زالـذنـب ومـن لاذنـب لـه''
ترجمہ:- ''وہ کشتوں کو خاک پر لٹاتا ہے۔ گناہگار اور بے گناہ دونوں کو قتل کرڈالتا ہے''(۱)

عرب تہذیب میں رجز اپنے شدید دشمنوں کے ساتھ جنگ میں انتہائی نفرت کے ساتھ اشعار کے پڑھنے کارواج تھا۔ مدینہ نے قتل عام کوطبری نے مزید یوں تحریر کیا ہے۔

''محمد بن سعد بن ابی وقاص اس جنگ میں تیغ زنی کر رہے تھے۔ جب لوگ پسپا ہونے لگے پہلے تو یہ بھاگنے والوں ہی کو تلواریں مارنے لگے آخر خود ہی بھاگے۔ مسلم نے تین دن تک مدینہ کی لوٹ شامیوں کو مباح کردی۔ لوگوں کوقتل کرتے پھرتے تھے اوران کا مال لوٹ لیتے تھے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم میں سے جو لوگ مدینہ میں تھے ہراساں ہوئے''۔(۲)

اس واقعہ کوشاہ معین الدین احمد ندوی نے اس طرح تحریر کیا ہے۔

''واقعہ حرہ''

''اس انقلاب کی خبرسن کر یزید نے مسلم بن عقبہ کو دس ہزار فوج کے ساتھ حجاز روانہ کیا اور ہدایت کر دی کہ پہلے اہل مدینہ کو اطاعت کی دعوت دینا جب وہ انکار کریں اس وقت تلوار اٹھانا اور انہیں شکست دینے کے بعد تین دن تک مدینہ کولوٹنا''(۳)

(۱) طبری ، تاریخ طبری ، ج ۴ ، ص ۲۶۱۔ (۳) ندوی ، شاہ معین الدین ، تاریخ اسلام ، ص ۳۲۴۔

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

تاریخ طبری میں دیے گئے واقعات کی تصدیق مولانا شاہ معین الدین ندوی کے آگے دیے گئے ان الفاظ میں ہوتی ہے۔

"تین دن تک نہایت خونریز معرکہ ہوا۔ اہل مدینہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا' لیکن حکومت کی فوج کا مقابلہ دشوار تھا۔ اس لئے آخر میں بڑی فاش شکست کھائی۔ اس جنگ میں بہت سے اکابرواشراف قریش اور انصار کام آگئے۔ **فضل بن عباس بن ربیعہ' عبداللہ بن حنظلہ' عبداللہ بن مطیع** ایک ایک کر کے قتل ہوئے شکست دینے کے بعد شامی فوجیں تین دن تک **مدینۃ الرسول ﷺ** کو لوٹتی اور قتل عام کرتی رہیں۔ چوتھے دن امن قائم ہوا' لیکن اس وقت بھی یہ اعلان تھا کہ جو شخص بھی بیعت نہیں کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا' لیکن اب مدینہ بالکل تباہ ہو چکا تھا' کسی میں سکت باقی نہ رہ گئی تھی' اس لیے باقی ماندہ لوگوں نے بیعت کر لی۔ (واقعہ حرہ کی تفصیلات تاریخ میں بہت طویل ہیں۔ ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے) **مدینۃ الرسول ﷺ** کی تباہی' یزید کا سب سے سیاہ کارنامہ ہے"۔(۱)

دور حاضر کے مؤرخ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اس واقعہ کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

"یزید نے مطلع ہو کر مسلم بن عقبہ کو طلب کیا اور کہا کہ ایک ہزار چیدہ جنگجو ہمراہ لے کر مدینہ پہنچو۔ لوگوں کو اطاعت کی طرف بلاؤ اگر وہ اطاعت اختیار کرلیں تو بہتر ہے نہیں تو جنگ کر کے سب کو سیدھا کردو"۔(۲)

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی اس سے آگے مزید تحریر کرتے ہیں۔

"اس نے مدینہ کے قریب پہنچ کر اہل مدینہ کے پاس پیغام بھیجا کہ امیرالمومنین یزید تم کو شریف سمجھتے اور تمہاری خون ریزی کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم اطاعت اختیار کرو ورنہ مجبوراً مجھ کو شمشیر نیام سے نکالنی پڑے گی۔(۳)

(۱) ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، ص ۳۲۴۔ (۲) نجیب آبادی، مولانا شاہ اکبر خان، تاریخ اسلام، ص۵۰۰
(۳) ایضاً ایضاً ص ۵۰۱

تاریخ طبری میں دیے گئے واقعات کی تصدیق مولانا شاہ معین الدین ندوی کے آگے دیے گئے ان الفاظ میں ہوتی ہے۔

"تین دن تک نہایت خونریز معرکہ ہوا۔ اہل مدینہ نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا، لیکن حکومت کی فوج کا مقابلہ دشوار تھا۔ اس لئے آخر میں بڑی فاش شکست کھائی۔ اس جنگ میں بہت سے اکابرو اشراف قریش اور انصار کام آگئے۔ فضل بن عباس بن ربیعہ، عبداللہ بن حنظلہ، عبداللہ بن مطیع ایک ایک کر کے قتل ہوئے شکست دینے کے بعد شامی فوجیں تین دن تک مدینۃ الرسول ﷺ کو لوٹتی اور قتل عام کرتی رہیں۔ چوتھے دن امن قائم ہوا، لیکن اس وقت بھی یہ اعلان تھا کہ جو شخص بھی بیعت نہیں کرے گا وہ قتل کر دیا جائے گا، لیکن اب مدینہ بالکل تباہ ہو چکا تھا، کسی میں سکت باقی نہ رہ گئی تھی، اس لیے باقی ماندہ لوگوں نے بیعت کر لی۔ (واقعہ حرہ کی تفصیلات تاریخ میں بہت طویل ہیں۔ ہم نے صرف خلاصہ لکھا ہے) مدینۃ الرسول ﷺ کی تباہی، یزید کا سب سے سیاہ کارنامہ ہے"۔(۱)

دور حاضر کے مؤرّخ مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی نے اس واقعہ کا اس طرح ذکر کیا ہے۔

"یزید نے مطلع ہو کر مسلم بن عقبہ کو طلب کیا اور کہا کہ ایک ہزار چیدہ جنگجو ہمراہ لے کر مدینہ پہنچو۔ لوگوں کو اطاعت کی طرف بلاؤ اگر وہ اطاعت اختیار کر لیں تو بہتر ہے نہیں تو جنگ کر کے سب کو سیدھا کر دو"۔(۲)

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی اس سے آگے مزید تحریر کرتے ہیں۔

"اس نے مدینہ کے قریب پہنچ کر اہل مدینہ کے پاس پیغام بھیجا کہ امیر المومنین یزید تم کو شریف سمجھتے اور تمہاری خون ریزی کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ تم اطاعت اختیار کرو ورنہ مجبوراً مجھ کو شمشیر نیام سے نکالنی پڑے گی۔(۳)

(۱) ندوی ، شاہ معین الدین ، تاریخ اسلام ، ص ۳۲۴۔
(۲) نجیب آبادی ، مولانا شاہ اکبر خان ، تاریخ اسلام ، ص ۵۰۰
(۳) ایضاً ایضاً ص ۵۰۱

بعض مورخین واقعات کی جزیات کوانتہائی اہمیت دیتے ہیں۔اُن کی تحریریں سے تحقیقات کوآگے بڑھانے میں بہت مدد ملتی ہے۔یہی خوبی نجیب آبادی میں بھی موجود ہے۔مدینہ پر حملے کے واقعات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے وہ مزید رقمطراز ہیں۔

''یہ پیغام بھیج کر تین دن مسلم نے انتظار کیا مگر اہل مدینہ لڑائی پر آمادہ ہو گئے۔آخر مسلم نے حرۃ کی جانب سے مدنیہ پر حملہ کیا اہل مدینہ نے بڑی بہادری سے مقابلہ اورلشکر شام کا منہ پھیر دیا لیکن مسلم بن عقبہ کی بہادری وتجربہ کاری سے اہل مدینہ کوشکست ہوئی۔ **عبداللہ بن حنظلہ فصیل بن عباس بن عبدالمطلب ، محمد بن ثابت بن قیس، عبداللہ بن زید بن عاصم، محمد بن عمرو بن حزم انصاری ، وہب بن عبداللہ بن زمعہ ، زبیر بن عبدالرحمٰن بن عوف ، عبداللہ بن نوفل بن حرث** بن عبدالمطلب وغیرہ بہت سے سردارانِ مدینہ جنگ میں کام آئے۔ فتح مند فوج مدینہ میں داخل ہوئی، مسلم بن عقبہ نے تین دن تک قتل عام اور لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھا اس لڑائی اورقتل عام میں ایک ہزار کے قریب آدمی مارے گئے۔ جس میں تین سو سے زیادہ شرفائے قریش و انصار شامل تھے۔ چوتھے روز مسلم نےقتل عام کوموقوف کر کے بیعت کاحکم دیا۔ جس نے مسلم کے ہاتھ پر آکر بیعت کی وہ بچ گیا۔ جس نے بیعت سے انکار کیا وہ قتل ہوا ۲۷۔ ذی الحجہ سنہ ۶۳ھ مسلم بن عقبہ فاتحانہ مدینہ میں داخل ہوااورقتل عام کاحکم ہوا''۔(۱)

مدینہ منورہ کےتقدس کی پامالی کے بارے میں مولانا مودودی دل گرفتہ ہوکرسوالیہ انداز میں لکھتے ہیں اور پھر احادیث کےحوالے سے مولانا صاحب خودہی اس کا جواب بھی تحریر کرتے ہیں۔

''کیا کسی باغی مسلمان آبادی، بلکہ غیر مسلم باغیوں اور حربی کافروں کے ساتھ بھی اسلامی قانون کی رُو سے یہ سلوک جائز تھا''؟(۲)

(۱) نجیب آبادی ، مولاناشاہ اکبرخان ، تاریخ اسلام ، ص۵۰۱ و ۵۰۲، (۲) مودودی ، سیدابوالاعلیٰ ، خلافت وملوکیت ، ص ۱۸۲

مولانا مودودی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں۔

''اور یہاں تو معاملہ کسی اور شہر کا نہیں، خاص مدینۃ الرسول ﷺ کا تھا جس کے متعلق نبی ﷺ کے یہ اشادات بخاری، مسلم، نسائی اور مُسند احمد میں متعدد صحابہؓ سے منقول ہوئے ہیں کہ لایرید احد المدینة بسوءِ الااذابه الله فی النار ذوب الرّصاص (مدینہ کے ساتھ جو شخص بھی برائی کا ارادہ کرے گا اللہ اسے جہنم کی آگ میں سیسے کی طرح پگھلادے گا)اور من اخاف اهل المدینة ظلمًا اخافه الله و علیه لعنة الله و الملئکة و الناس لایقبل الله منه یوم القیامة صرفاً و لا عدلاً (جو شخص اہل مدینہ کو ظلم سے خوف زدہ کرے اللہ اسے خوف زدہ کرے گا۔ اس پر اللہ اور ملائکہ اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ قیامت کے روز اللہ اس سے کوئی چیز اس گناہ کے فدیہ میں قبول نہ فرمائے گا) حافظ ابنِ کثیر کہتے ہیں۔ کہ انہی احادیث کی بنیاد پر علماء کے ایک گروہ نے یزید پر لعنت کو جائزہ رکھا ہے، اور ایک قول ان کی تائید میں امام احمد بن حنبلؒ کا بھی ہے''۔(۱)

---

(۱) مودودی، سیدابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، ص ۱۸۲۔

مکہ مکرّمہ پر حملہ

حکومت وقت کی بربریت کی داستانیں ہلاکو اور چنگیز خاں کو مات کر رہی تھیں۔ اور مدینہ منورہ کی بے حرمتی، مسلمانوں کے قتل عام اور دل دہلا دینے والے ظلم کے بعد تیسرا واقعہ مکہ مکرمہ پر فوج کشی تھی۔

خانہ کعبہ کی بے حرمتی کے بارے میں طبری اس طرح قمطراز ہیں۔

''اہل مدینہ کے آزاد غلاموں سے ایک انبوہ عمرو بن زبیر کے ساتھ ہوا۔ انیس بن عمرو اسلمی سات سو جنگ جوؤں کو ساتھ لے کر شریک ہوا۔ عمرو نے مقدمتہ الجیش کر کے اسے روانہ کیا۔ اس نے مقام جرف میں جا کر لشکر ڈالا۔ (۱)

طبری اس سے آگے تحریر کرتے ہیں۔

''اس وقت مروان نے ابن سعید سے آکر کہا۔ مکہ پر حملہ نہ کرو خدا سے ڈرو خانہ کعبہ کی بے حرمتی کرنے سے بچو۔ ابن زبیرؓ سے درگزر کرو وہ بوڑھا ہو گیا ہے ساٹھ برس سے زیادہ اس کی عمر ہو چکی اور وہ ضدی آدمی ہے اور تم اسے قتل نہ کرو تو بخدا وہ خود مرنے کو ہے' اس پر عمرو بن زبیر بول اٹھا کہ واللہ ہم تو خانہ کعبہ کے اندر اس سے جدال وقتال کریں گے کسی کو ناگوار ہو تو بلا سے۔ مروان نے کہا یہ بہت ناگوار ہے'' (۲)

مکہ مکرمہ پر فوج کشی کے بعد طبری خانہ کعبہ پر سنگ باری کے بارے میں تحریر کرتا ہے۔

''رات ہوئے تک ان سب کو قتل پر آمادہ کرتے رہے۔ اس کے بعد دشمن پلٹ گئے اور یہ پہلے حصار کا واقعہ تھا جو لکھا گیا۔ اس کے بعد اہل شام بقیہ ماہ محرم اور کل ماہ صفر تک ابن زبیرؓ سے جدال وقتال کرتے رہے۔ ربیع الاوّل ۶۴ھ کی

(۱) طبری، تاریخ طبری، ج ۴، ص ۱۴۴۔
(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

تیسری تاریخ روز شنبہ ان لوگوں نے خانہ کعبہ پر منجنیق سے پتھر برسائے اور اور آگ لگا دی اور یہ رجز پڑھتے جاتے تھے۔ **خطارة مثل الفنیق المز بدنرمی بھااعرادھذاالمسجد**۔ یہ منجنیق ایک شتر مست ہے کہ ہم اس سے کعبہ پر نشانے لگا رہے ہیں۔عمرو بن حوط سدوسی یہ کہتا جاتا تھا''۔

''کیف تری صنیع ام فروہ

تاخذھم بین الصفاو المروہ''

ترجمہ:۔ ''ذرا ام فروہ کو دیکھنا صفاومروہ کے درمیان لوگوں کو نشانہ بنا رہی ہے''

''ام فروہ اس نے منجنیق کا نام رکھا تھا۔ مشلل میں مسلم کے دفن ہونے کے بعد ابن نمیر محرم کی تیئسویں کو مکہ کی طرف روانہ ہوا اور محرم کی چھبیسویں کو مکہ میں پہنچا۔ چونسٹھ دن تک ابن زبیرؓ کا محاصرہ کیے عزۂ ربیع الآخر کو یزید کے مرنے کی خبر سن کر محاصرہ اٹھالیا''۔(۱)

خانہ کعبہ پر فوج کشی اور سنگ باری کے بعد خانہ کعبہ میں آتش زنی کی وجوہات کے بارے میں مورخین کی رائے میں بہت کم اختلاف ہے مگر غلافِ کعبہ جلنے کی تصدیق اکثریت نے کی ہے۔طبری بھی اس واقعہ کی تفصیلات یوں سپرد قلم کرتا ہے۔

''خانہ کعبہ کے جلنے کا واقعہ یزید کے مرنے سے انتیس دن پیشتر ہوا۔لوگ گردا گردا آگ سلگایا کرتے تھے۔ ہوا چلی۔ ایک چنگاری اڑ کر غلاف کعبہ پر جا پڑی۔ غلاف جلا۔ چوبینہ جل گیا۔ روز شنبہ ربیع الاول کی تیسری کو یہ واقعہ گذرا۔ عروہ بن اذینہ اپنی ماں کے ساتھ اسی دن مکہ میں آئے تھے۔ انھوں نے کعبہ کو بے لباس اور رکن حطیم کو جھلسا ہوا اور تین جگہ سے تڑکا ہوا دیکھ کر لوگوں سے پوچھا کہ یہ کیا مصیبت کعبہ پر آئی ۔ انھوں نے ابن زبیرؓ کے اصحاب میں سے ایک شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا اس شخص کے سبب سے یہ حادثہ ہوا ۔ اس نے برچھی کی نوک سے ایک انگارہ کو اٹھایا ۔ ہوا اسے اڑا لے گئی۔ غلافِ کعبہ میں رکن یمانی و اسود کے درمیان آگ لگ گئی''۔(۲)

(۱) طبری ، تاریخ طبری ، ج ۴ ، ص ۲۶۵ و ۲۶۶۔

(۲) ایضاً ایضاً ص ۲۶۶۔

شاہ معین الدین احمد ندوی۔ مکہ مکرمہ پر حملہ کے بارے میں ابن زیاد کے محاصرے کو اس طرح تحریر میں لاتے ہیں۔

"مدینہ کو تاراج کرنے کے بعد مسلم بن عقبہ، عبداللہ ابن زبیرؓ نے مقابلہ کے لیے مکہ روانہ ہو گیا۔ وہ عرصہ سے بیمار تھا، مکہ پہنچنے سے پہلے ہی اس کا وقت آ گیا اور وہ حصین بن نمیر کو اپنا قائم مقام بنا کر چل بسا اور حصین محرم ۶۴ھ میں مکہ پہنچا۔ ابن زبیرؓ حرم میں پناہ گزیں تھے۔ حصین نے محاصرہ کر کے سنگباری شروع کر دی، اس سے خانہ کعبہ کو نقصان پہنچا۔ ابن زبیرؓ حرم کے اندر سے مدافعت کرتے رہے۔ ابھی محاصرہ جاری تھا کہ یزید کا وقت آخر ہو گیا"۔ (۱)

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی بھی مکہ المکرّمہ پر حملہ کے واقعہ کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

"حصین بن نمیر لشکر شام کو لئے ہوئے مکہ کے قریب پہنچا اور عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ یزید کی اطاعت کر لو ورنہ مکہ پر حملہ ہو گا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے مقابلہ کی تیاری کی۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے بھائی منذر بن زبیر جو مدینہ سے مکہ میں آ گئے تھے، عبداللہ بن زبیرؓ کی فوج کے ایک حصہ کے سردار مقرر ہوئے سب سے پہلے انہوں نے میدان میں نکل کر لشکر کو للکارا۔ اول مبازرہ کی جنگ میں منذر بن زبیر کے ہاتھ سے کئی شامی مارے گئے پھر جنگ مغلوبہ شروع ہوئی۔ شام تک لڑائی جاری رہی اور کوئی فیصلہ شکست و فتح کا نہ ہوا۔ یہ لڑائی ۲۷ محرم سنہ ۶۴ ہجری کو شروع ہوئی تھی۔ اگلے روز حصین بن نمیر نے کوہ ابوقبیس پر منجنیق نصب کر کے خانہ کعبہ پر سنگ باری شروع کر دی اور مکہ کا محاصر کر لیا۔ یہ محاصرہ و سنگ باری ۳۔ ماہ ربیع الاول سنہ ۶۴ھ تک جاری رہی"۔ (۲)

(۱) ندوی، شاہ معین الدین، تاریخ اسلام، ص ۳۲۴۔

(۱) نجیب آبادی، مولانا شاہ اکبر خان، تاریخ اسلام، ص ۵۰۲۔

مولانا نجیب آبادی اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے اس حملہ میں غلاف کعبہ کے جلنے اور یزید کی موت کا ذکر کچھ یوں کرتے ہیں۔

''۳ ربیع الاول کو شامیوں نے روئی اور گندھک اور رال کے گولے بنا بنا کر اور جلا جلا کر پھینکنے شروع کئے جس سے خانہ کعبہ کا تمام غلاف جل گیا اور دیواریں سیاہ ہو گئیں۔دو منجنیقیں رات دن سنگباری اور گولہ باری میں مصروف تھیں۔ مکہ والوں کے لئے گھر سے نکلنا دشوار تھا۔پتھروں کے صدمہ سے خانہ کعبہ کی دیواریں شکستہ ہو گئی تھیں۔ اور چھت گر گئی تھی۔ اہل شام کے اس محاصرے نے بہت شدت اور سختی اختیار کی اور کل تعداد بعد کی امدادی فوج کے آجانے سے اہل شام کی پانچ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ یہاں اہل شام خانہ کعبہ اور شہر مکہ پر سنگ باری کر رہے تھے وہاں ۱۰ ربیع الاول کو یزید نے مقام حوران میں تین سال اور آٹھ ماہ کی حکومت اور ۳۸ یا ۳۹ سال کی عمر میں انتقال کیا''۔(۱)

مولانا اکبر شاہ خان نجیب آبادی مزید لکھتے ہیں۔

''یزید کے مرنے کی خبر اول حضرت **عبداللہ بن زبیرؓ** کے پاس پہنچی۔ انہوں نے بلند آواز سے شامیوں سے کہا کہ بدبختو تم اب کیوں لڑ رہے ہو تمہارا گمراہ سردار مر گیا''۔(۲)

حرمین شریفین کی حرمت اور تقدس کے بارے میں قرآن مجید و احادیث مبارکہ میں مندرجہ ذیل احکامات ہر مسلمان کے علم میں تھے مگر جیسا کہ پہلے تحریر کیا ہے کہ حکومتی منصب کے لالچ، ڈر، خوف اور دیگر مراعات کے حصول کی امید نے یزید اور اُس کے حواریوں کی آنکھوں پر پٹی باندھ رکھی تھی۔اُنہوں نے خانوادہ رسول ﷺ اور حرمین شریفین کے تقدس کو پامال کیا اور اللہ کے غضب کو آواز دی۔

(۱) نجیب آبادی ، مولانا شاہ اکبر خان ، تاریخ اسلام ، ص ۵۰۲،

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

" لَآ اُقسِمُ بِهٰذَا البَلَدِ o وَاَنتَ حِلٌّ بِهٰذَا البَلَدِ o(۱)

ترجمہ:۔ میں قسم کھاتا ہوں اس شہر کی O اس لئے کہ اے میرے حبیب ﷺ اس شہر میں آپ ﷺ رہتے ہیں O

" وَ التِینِ وَالزَّیتُونِ o وَطُورِ سِینِینَ o وَھٰذَا البَلَدِ الاَ مِینِ o(۲)

ترجمہ:۔ قسم ہے انجیر کی اور زیتون کی o اور طور سینین کی o اور اس باامان شہر کی o

فضائل حرمین، کے بارے میں معارف الحدیث حصہ چہارم، باب کتاب الحج میں احادیث مبارکہ صفحات ۴۴۵ تا ۴۵۵ میں تفصیل سے درج ہیں۔

---

(۱) سورۃ البلد ، آیات ۱ ، ۲۔

(۲) سورۃ التین ، آیات ۱ ، ۲ ، ۳۔

آغاز

- میثاق انبیاء و تخلیق آدم ، مکالمہ ابلیس

- اسلام میں خانقاہ کا تصور

- مسجد نبوی ﷺ اسلام کی پہلی خانقاہ

میثاق انبیاء و تخلیق آدم

جب اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کا وجود نہیں تھا۔ نہ سورج، نہ چاند، نہ ستارے اور نہ ہی چرند پرند، نہ ہی کائنات کی دیگر اشیا، یا حیاتات و نباتات تھیں تو اس خالق کائنات کے من میں یہ بات سمائی کہ میں پہچانا جاؤں۔ تو اس نے اپنے پہچانے جانے کا طریقہ کیا اختیار کیا، آیئے دیکھتے ہیں۔

حدیث قدسی میں ہے۔

"لو لاک لما خلقت الا افلاک" او کمال قال ﷺ (۱)

اس کا سادہ ترجمہ یوں ہے، "کہ اے حبیب حق ﷺ اگر آپؐ نہ ہوتے، تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا۔

میں اس حدیث قدسی کی وضاحت کے لئے میں قرآن مجید کا سہارا لونگا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗ قَالَ ءَ اَقْرَرْتُمْ وَ اَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْهَدُوْا وَ اَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ○(۲)

ترجمہ:۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے سارے پیغمبروں سے پختہ عہد لیا تھا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کروں گا پھر اس عالم میں تمہارے ہاں وہ رسول برحق ﷺ تشریف لے آئیں جو اس کتاب حق کو، جو تمہارے ساتھ ہوگی، سچا بتائیں تو تمہیں لازماً ان پر ایمان لانا ہوگا اور ان کی مدد کرنا ہوگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے پیغمبرو کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ بہت بھاری ذمہ داری قبول کرتے ہو تمام پیغمبروں نے کہا بے شک ہم اقرار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تم اس عہد و اقرار کے گواہ رہنا اور میں خود اس کی شہادت میں تمہارے ساتھ رہوں گا۔

(۱) بکری، ابوبکر ومیاطی، اعانت الطالبین، ج ۱، ص ۱۳

(۲) سورۃ ال عمران، آیت ۸۱۔

قرآن مجید کے اس ارشاد باری تعالیٰ کے مطابق میثاق انبیاء جب لیا گیا۔ تو کائنات کی کسی شے کا بظاہر وجود تو نہیں تھا۔ تو پھر یہ وقت کونسا تھا؟ خیر اس پر پھر کسی وقت بات ہوگی۔ مگر یہاں ایک بات کرتا چلوں۔

کہ اللہ تعالیٰ جو ہر جگہ موجود ہے اور جہاں بھی وہ موجود ہو اس کا تاج وتخت، جسے کرسی السمٰوت والارض کہا گیا ہے، وہیں ہوگا۔ اور جہاں تاج وتخت پر بیٹھ کر احکامات جاری کرے گا۔ تو وہی اس کا دربار ہوگا۔ گو کہ اللہ تعالیٰ اس سب چیزوں سے ماورا ہے۔ مگر انسان کے سمجھنے کے لئے یہ انداز اختیار کرنا پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی کوئی شکل نہیں مگر وہ فرماتا ہے۔ کہ میں نے حضرت آدمؑ کو تو اپنے ہاتھوں سے کھنکتی مٹی سے بنایا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدمؑ کے بارے میں قرآن مجید میں فرمائی۔

وَ اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَةِ اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ٥ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ ٥ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِکَةُ کُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ٥ اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰٓی اَنْ یَّکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ٥ (۱)

ترجمہ:۔ تو جب میں اسے ہر طرح سے ٹھیک ٹھاک کرلوں پھر اپنی روح اس میں پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں پڑ جانا ٥ تو سبھی فرشتوں نے سجدہ کیا ٥ مگر ابلیس نے نہیں کیا اس نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ دینے سے انکار کردیا ٥

جب ابلیس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا تو اُس کے بعد اللہ تعالیٰ اور ابلیس کے درمیان جو مکالمہ ہوا قرآن مجید نے اُس کو یوں بیان کیا۔

قَالَ یٰٓاِبْلِیْسُ مَا لَکَ اَلَّا تَکُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ٥ قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ٥ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ ٥ وَّ اِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ ٥ (۲)

(۱) سورۃ الحجر، آیات ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱

(۲) سورۃ الحجر، آیات، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵۔

ترجمہ:۔ فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا ہے تو نے سجدہ کرنے والوں کا ساتھ
کیوں نہیں دیاo کہنے لگا میں اس انسان کو کیوں سجدہ کرتا جسے تو نے کھنکتے ، بودار
گندھے گارے سے پیدا کیا ہےo فرمایا چل نکل یہاں سے تو مردود ہےo
اور تجھ پر لعنت ہے روز قیامت تکo

اللہ تعالیٰ اور ابلیس کے اس مکالمے میں جو بات سمجھ میں آتی ہے وہ یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں جس نے سرِ تسلیم خم نہ کیا وہ راندہء درگاہ ہوگیا۔ اور قیامت تک کے لئے مردود ہوگیا۔ یہ ہے اللہ تعالیٰ کے احکامات کی خلاف ورزی کرنا کا نتیجہ جس کی وجہ سے ابلیس کی صدیوں کی عبادت ایک پل میں ضائع ہوگئی۔ ابلیس نے اپنی خدمت کا کیا صلہ مانگا؟ قرآن مجید اس بارے میں یوں فرماتا ہے۔

قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ oقَالَ فَاِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ o
اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ oقَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ
وَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ oاِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ oقَالَ هٰذَا صِرَاطٌ
عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ oاِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَکَ مِنَ
الْغٰوِیْنَo(۱)

ترجمہ:۔ کہنے لگا میرے رب مجھے اس دن تک مہلت دے جب ان سب کو
اٹھایا جائے گاo فرمایا ہاں تجھے مہلت ہےo اس دن تک جب معین وقت آجائے
گاo کہنے لگا میرے پروردگار اب تو نے تو مجھے الگ کر دیا ہے اب میں ان کے
لئے زمین میں آرائشیں کراؤں گاo اور سب کو بہکا تا جاؤں گاo سوا تیرے ان بندوں
کے جنہیں تو نے اپنے اخلاص سے نوازا ہوا ہےo فرمایا یہ میرے لئے بالکل صحیح
راستہ ہےo جو میرے بندے ہیں ان پر تجھے کوئی دسترس حاصل نہیں ہوگی سوا
ان لوگوں کے جو بھٹکنے والوں میں سے تیری راہ چل پڑےo

(۱) سورۃ الحجر ، آیات ، ۳۶ ، ۳۷ ، ۳۸ ، ۳۹ ، ۴۰ ، ۴۱ ، ۴۲۔

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے بھی انبیاء کے ذریعے انسان کی تربیت کا طریقہ اختیار کیا اور شیطان نے بھی انسانوں کو بہکانے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مہلت مانگی ۔ جو اسے مل گئی ۔مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ جو میرے بندے ہونگے وہ تیرے بہکاوے میں نہیں آئیں گئے ۔اب ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خانقاہ تو پوری کائنات ہے ۔ اب شیطان نے بھی اپنا ڈیرہ بنایا اور اپنے شتونگڑوں کی تربیت شروع کی اب حضرت آدمؑ سے آگے مختلف ادوار میں مختلف تہذیبوں میں، مختلف علاقوں میں تربیت گاہیں بنتی چلی گئیں ۔ ان تربیت گاہوں کو خانقاہ ،صومعہ ، رباط ، زیارت ،تکیہ ، مدرسہ ، دویرہ ، زاویہ وغیرہ کا نام دیا گیا ۔ خانقاہ کی ان صورتوں میں زیادہ مستعمل کا بیان گزشتہ صفحات میں تفصیل سے دیا جاچکا ہے۔

اسلام میں خانقاہ کا تصور:۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خالق کائنات نے نبی نوع انسان کی تربیت اور بہبود کے لئے انبیا کرام علیہم الصلوۃ والتسلیمات کو مبعوث فرمایا۔ حضرت آدم علیہ اسلام کو تحقیق کر کے پہلا نبیؑ مقرر فرمایا۔ اور اپنی امّت کی تعلیم و تربیت باری تعالیٰ کے نازل کردہ احکامات کی روشنی میں کرنے کی ذمہ داری سونپی ۔ نام اس کو کچھ بھی نام دیں خانقاہ، درس گاہ، مدرسہ یا تربیت گاہ، عوام الناس کی تعلیم و تربیت کے لئے بنیادی ضرورت ہے۔ حضرت آدمؑ کے بعد مختلف انبیا کرامؑ تشریف لاتے رہے ۔ اور اپنی اپنی امتوں کا پیغام پہنچاتے رہے اور تربیت فرماتے رہے۔ تمام انبیا کرام علیہم الصلوۃ والتسلیمات علوم ظاہری و باطنی سے مزیّن تھے۔ خلق خدا کے جم غفیر کو ظاہری علوم سے تو ان کے عقل و شعور کی سطح کے مطابق عطا فرماتے رہے۔ مگر علوم باطن کی عطا منشائے ربانی کے تحت خاص خاص اور چنے ہوئے لوگوں کے حصّہ میں آئی۔ اس کی حقیقت اس طرح سمجھی جا سکتی ہے۔ جیسے وحی کا نزول صرف اور صرف انبیاء اور رسولوں پر ہی ہوتا ہے ۔ اور کسی نبیؑ یا رسولؑ کی پوری امت میں کوئی دوسرا فرد نہ اس کا اہل ہوتا ہے نہ ہی اس کا ادراک کر سکتا ہے۔ الاّ یہ کہ کسی کے حصّہ میں کچھ الہامی یا ماورائی کیفیات نبیؑ کے وسیلہ سے آئیں۔

مسجد نبوی ﷺ اسلام کی پہلی خانقاہ:۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کی تشریف آوری پر بھی دائرہ اسلام میں داخل ہونے والوں کی تعلیم و تربیت کے لئے مسجد نبوی ﷺ کو ہی استعمال کیا گیا۔ اور یوں مسلمانوں کی پہلی خانقاہ مسجد نبوی ﷺ ہی قرار پائی۔ پروفیسر نثار احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی) اس موضوع پر یوں تحریر کرتے ہیں۔

> ''ہمارے، آپ کے، سب کے، چھوٹے بڑے تمام صوفیاء اور درویشوں کے بھی آقا و مولیٰ، دین و دنیا کے بادشاہ رسولِ اکرم ﷺ ہیں، اس اعتبار سے منگولوں کی اصلاح میں وہ ذاتِ گرامی خانِ اعظم بھی رہے۔ مکہ معظّمہ میں دارِ رقم اور مدینہ منورہ میں مسجد نبوی آنحضرت کا محلِ سکونت تھا۔ اس لیے پہلی خانقاہ مسجدِ نبوی ﷺ ہے۔ جو کچھ صوفیا کی خانقاہوں میں ہوتا رہا ہے، وہی سب کچھ مسجد نبوی میں بھی ہوتا تھا۔ یہ مسجد حضورِ اکرم ﷺ

کا ''زاویہ'' بھی تھی، جہاں آپ رات رات بھر بیدار رہ کر عبادت و ریاضت فرماتے تھے۔ یہ آپ کا '' جماعت خانہ'' بھی تھا۔ بعض ممتاز اصحاب کے گھر بھی مسجد سے متصل تھے اور صحابہ کی ایک جماعت ہمہ وقت مسجد میں حاضر رہتی تھی۔ یہی مسجدِ نبوی رباط بھی تھی کہ باہر سے آنے والے وفود یہیں آپ سے ملاقات کرتے تھے اور بعض کا مسجد ہی میں قیام بھی ہوتا تھا۔ اسی مسجد میں تکیہ بھی موجود تھا، اصحابِ صفہ سے بڑا قلندر اور کون ہوگا؟ اُنھوں نے مسجد ہی کے ایک چبوترے کو اپنا ٹھکانا بنا رکھا تھا۔ غرض کوئی صفت ایسی نہیں جس کا نمونہ اور مثال مسجد نبوی ﷺ میں نہ ملتی ہو۔ اس لیے یہ کہنا صحیح ہو گا کہ مسجد نبوی اسلام کی پہلی خانقاہ تھی''۔(۱)

پروفیسر نثار احمد فاورقی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اسی مضمون میں آگے لکھتے ہیں۔

''حضورِ اکرم ﷺ اس میں مرشدِ اعظم تھے اور آپ کے اصحاب مریدین تھے، جنھوں نے باقاعدہ بیعت کی تھی اور وہ حضور سے دِن رات روحانی استفادہ کر رہے تھے۔ صوفیاء کی خانقاہوں میں ایک مجاہدہ کرنے والے کو جو بات ہفتوں ،مہینوں اور برسوں میں حاصل ہوتی ہے ، اصحابِ رسول کو وہ مقام تو رسولِ اکرم ﷺ کے مواجہ شریف میں صرف کلمہ دہرانے سے ہی مل جاتا ہے''۔(۲)

(۱) فاروقی ،ڈاکٹر نثار احمد، دہلی یونیورسٹی۔۔ خانقاہی نظام کی اہمیت ،المعارف ،لاہور، ص ۵۹،

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

ارتقاء

- صاحب تصنیف صوفیا اور ان کی تعلیمات
- علامہ حارث المحاسبیؒ ، حضرت ابوسعید الخرازؒ
- حضرت جنید بغدادیؒ ، حضرت ابونصر السراجؒ
- صوفیاء میں رائج اصطلاحات اور انکی تعریف
امام قشیریؒ کی نظر میں۔

ارتقاء

گزشتہ صفحات میں یہ عرض کیا جاچکا ہے کہ خانقاہی نظام کا آغاز مسجد نبوی ﷺ سے ہی ہو گیا تھا۔ پھر خلفائے راشدین حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم نے حکومت کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کی روشنی میں لوگوں کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری بھی بطریقِ احسن انجام دیتے رہے۔ پھر تابعین اور تبع تابعین کے دور میں جن عظیم باعمل علماء وفضلاء نے یہ ذمہ داری انجام دی ان میں حضرتامام حسن بصریؒ، حضرت ابراہیم بن ادھمؒ، حضرت معروف کرخیؒ وغیرہ شامل ہیں۔ اُس کے بعد طریقت کے سلاسل کے اولیاء اللہ نے اس ذمہ داری کو قرآن مجید اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں پورا کرنے کا بیڑہ اُٹھایا۔

ڈاکٹر نثار احمد فاروقی لکھتے ہیں۔

''رسولِ اکرم ﷺ کا خود ایک سلسلہ ہے اور وہ سلسلۂ نبوت ہے۔ سارے اصحاب آپ کے مرید اور آپ سے تربیت یافتہ تھے۔ اب نبوت ختم ہوگئی تو سلسلۂ ولایت حضرت علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہ اور حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ سے جاری ہوا، وحی کا نزول بند ہوا تو کشف والہام کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اللہ کہتا ہے کہ اُس سے وہی شفاعت کرسکتا ہے، جسے اللہ اذنِ شفاعت دے دے۔ **من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ** (البقرۃ:۲۵۵) اور یہ اذن ہمارے آقا ومولیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو ملا ہوا ہے۔ رسول ﷺ کے دستِ مبارک پر جس نے بیعت کی ہے وہ یقیناً آپ کی شفاعت کا حقدار ہے، اب آج کے زمانے تک ایک شخص کا دوسرے سے بیعت کرنا گویا ایک زنجیر بنا دیتا ہے جس کا ہر حلقہ دوسرے حلقے سے جڑا ہوا ہے۔ میرے پیرومرشد امور دین و دنیا میں میری رہنمائی فرمائیں گے۔ اور قیامت میں اُن کا دامن میرے ہاتھ میں ہوگا اور اُن کا ہاتھ اپنے مرشد کا دامن پکڑے ہوگا۔ اُسی طرح یہ سلسلہ رسول اکرم ﷺ تک پہنچے گا۔ گویا یہ زنجیر ولایت، سلسلۂ نبوت سے جا ملے گی''۔(۱)

(۱) فاروقی، ڈاکٹر نثار احمد، دہلی یونیورسٹی۔ خانقاہی نظام کی اہمیت، المعارف، لاہور، ص ۶۱۔

صاحب تصنیف صوفیاء اوراُن کی تعلیمات

تاریخ میں خلفائے راشدین سے لیکر تابعین اور تبع تابعین نے بھی بلا شبہ اپنی تحریریں چھوڑی ہونگی ۔ جو اب ناپید ہیں ۔ تصانیف کے لحاظ سے جس پہلے صوفی کا تذکرہ ہمیں ملتا ہے ۔ وہ علامہ حارث المحاسبی ہیں۔ تاریخ تصوف کے مصنف پروفیسر یوسف سلیم چشتی کے مطابق حضرت حارث المحاسبی (۱۶۵ھ تا۲۴۳ھ) ، صاحب تصنیف ، کتاب الرعایہ لحقوق اللہ و العزی ، پہلے بلند مرتبہ صوفی ہونے کے علاوہ ایک عالم متبحر یعنی متکلم، محدث ، مفسر اور فقیہ تھے۔ اپنے افکار ونظریات کو ان علوم کی روشنی میں ثابت کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے ظواھر پرست اُن کے شدید مخالف ہو گئے۔ اور علامہ محاسبی کا درس بند کرا دیا، اُن کی تصانیف کا مطالعہ ممنوع قرار دے دیا اور کوفہ سے جلا وطنی پر مجبور کر دیا۔۔ انہوں نے خود بھی تنگ نظر فقہا سے عاجز آ کر گوشہ نشینی اختیار کی اور اپنا سارا وقت تصنیف و تالیف، مراقبات، مجاہدات میں بسر کرتے تھے۔ زیادہ وقت محاسبہ نفس میں بسر کرنے کی وجہ سے ان کی وفات کے بعد ان کے متوسلین نے انہیں المحاسبیؒ کے لقب سے یاد کرنے لگے۔(۱)

المحاسبی کا طریقت کے سلسلہ محاسبیہ کے سربراہ کے طور پر ذکر کرتے ہوئے سید علی ہجویریؒ تحریر کرتے ہیں :

> '' فرقہ محاسبیہ کی نسبت وعقیدت، حضرت ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبیؒ سے ہے وہ اپنے زمانے میں مقبول النفس اور قاطع النفس تھے۔ آپ کا کلام توحید خالص کے حقائق اور اس کے فروع واصول کے بیان میں ہے آپ کے تمام ظاہری و باطنی معاملات صحیح ودرست تھے آپ کے مذہب کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ رضائے الٰہی کو مقامات کے قبیل سے نہیں مانتے تھے بلکہ از قسم احوال طریقت سمجھتے تھے۔'' (۲)

امام قشیریؒ حضرت ابوعبداللہ بن خفیف کے حوالے سے رسالہ قشیریہ میں لکھتے ہیں:

> '' ہمارے شیوخ میں سے صرف پانچ کی اقتدا کرو اور باقیوں کو اپنے حال پر چھوڑ دو۔ الحارث بن اسد محاسبی، جنید بن محمد، ابومحمد رویم، ابوالعباس بن عطا اور عمر بن عثمان مکی ۔ کیونکہ یہ لوگ علم اور حقائق دونوں کے جامع ہیں'' ۔(۳)

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۱۴۶،

(۲) ہجویریؒ ، سید علی بن عثمان ، کشف المحجوب ، ترجمہ مفتی سید غلام معین الدین ندوی، اسلامک بک سروس ، لاہور ، ۲۰۱۳ ، ص ۲۵۵۔

(۳) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۱۳۵

علامہ محاسبی کے علمی تبحر کے پیشِ نظر اُن کی مختلف موضوعات پر تحریروں کی یہ اہمیت ہے کہ ان کے بعد آنے والے مندرجہ ذیل صوفیاء و فقہانے اپنی تصانیف میں ان کا ذکر کیا ہے۔

١۔ ابو نصر سرّاج متوفیٰ ٣٧٨ھ صاحب کتاب اللمع۔

٢۔ ابو طالب مکی متوفیٰ ٣٨٦ ھ صاحب قوت القلوب۔

٣۔ الکلابازی متوفیٰ ٤١٢ھ صاحب قوت القلوب ۔

٤۔ السلمی متوفیٰ ٤١٢ھ صاحب طبقات الصوفیه۔

٥۔ ابو نعیم متوفیٰ ٤٣٠ھ صاحب حلیه الاولیاء۔

٦۔ القشیری متوفیٰ ٤٦٥ھ صاحب رسالهء قشیریه۔

٧۔ الهجویری متوفیٰ ٤٧٢ھ صاحب کشف المحجوب۔

٨۔ شیخ عطار متوفیٰ ٦٢٠ھ صاحب تذکرة الاولیاء۔

٩۔ سہروردی متوفیٰ ٦٣٢ھ صاحب عوارف المعارف ۔

١٠۔ جامی متوفیٰ ٨٩٨ھ صاحب نفحات الانس۔

١١۔ شعرانی متوفیٰ ٩٧٣ھ صاحب طبقات الکبریٰ۔

١٢۔ دارا شکوہ متوفیٰ ١٠٦٩ھ صاحب سفینة الاولیاء۔

١٣۔ عبدالقاہر بغدادی متوفیٰ ٤٢٩ھ صاحبِ اصول۔

١٤۔ الخطیب البغدادی متوفیٰ ٤٦٣ھ صاحب تاریخ بغداد۔

١٥۔ شہرستانی متوفیٰ ٥٤٨ھ صاحب الملل و النحل

١٦۔ ابن خلکان متوفیٰ ٦٨١ھ صاحب و فیات الاعیان۔

١٧۔ الذهبی متوفیٰ ٧٤٨ھ صاحب میزان الاعتدال۔

١٨۔ الیافعی متوفیٰ ٧٦٨ھ صاحب مرآة الجنان۔

١٩۔ السبُکی متوفیٰ ٧٧١ھ صاحب طبقات الشافعیه۔(١)

٢٠۔ العسقلانی متوفیٰ ٨٥٢ھ صاحب تہذیب التهذیب و شرح بخاری۔

(١) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ١٤٣،

علامہ المحاسبی کی شہرہ آفاق کتاب الرعایہ کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر یوسف سلیم چشتی پر لکھتے ہیں۔

''اس کتاب میں باسٹھ ابواب ہیں اور بعض ابواب میں فصل بھی ہیں۔ شروع میں ۳ صفحے کا دیباچہ جس میں مسلمانوں کو بالعموم اور طالبانِ حق کو بالخصوص، احکامِ الٰہی مندرجہ قرآن کی طرف دل و جان سے متوجہ ہونے کی تلقین کی ہے۔ مصنفؒ نے اس سلسلے میں قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کیا ہے''۔(۱)

"اِنَّ فِي ذٰلِكَ لَذِكْرٰی لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌo" (۲)

''بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لئے جس کے پاس دل بیدار ہے یا طبیعت کو حاضر رکھ کر بات کو توجہ سے سنتا ہے''o

پروفیسر چشتی علامہ المحاسبیؒ کے افکار کی اہمیت اور بلندی کا ذکر کچھ اس طرح سے کرتا ہے۔

''محاسبیؒ کی تعلیمات کا سب سے زیادہ اثر امام غزالیؒ پر مرتب ہوا۔ کیونکہ انھوں نے اپنی شہرۂ تصنیف ''احیاء العلوم الدین'' میں محاسبیؒ ہی کے عقائد و افکار کو اپنی تعلیمات کا سنگِ بیناد بنایا ہے اور غزالیؒ ہی کے واسطے سے محاسبیؒ کی تعلیمات کا اثر ازمنہء وسطیٰ کے نصرانی اور یہودی تصوف پر مرتب ہوا ہے''۔(۳)

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۱۴۸،

(۲) سورۃ ق ، آیات ۳۷۔

(۳) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۱۴۷،

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ علامہ المحاسبیؒ کے بارے میں لکھا ہے۔

’’محاسبی پہلے سنی صوفی ہیں جن کی تصانیف میں مکمل دینی تعلیم آشکار ہے۔ ان میں صحیح فلسفی تعریفات کی بالکل نئی طرح پابندی کا پورا لحاظ رکھا گیا ہے اور سادہ ترین روایات سے والہانہ عقیدت کے ساتھ ساتھ زیادہ سے زیادہ صفائی باطن کی شدید جستجو پائی جاتی ہے‘‘۔(۱)

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب میں مزید تحریر ہے۔

’’اپنی کتاب الرعایۃ میں محاسبی نے احتساب باطن کے اُس طریقہ کی بنیادوں کو جو الانطاکی نے تجویز کیا تھا ترک کر دیا ہے۔ وہ ثابت کرتے ہیں کہ انسان کے ساتھ جو دو طرح کے اعمال وابستہ ہیں، یعنی جوارح کے فعال ظاہریہ اور نیۃ قلب، ان دونوں کا باھمی ارتباط ممکن ہے (العلاف اور اس کے اپنے ھم عصر متکلموں میں سے اکثر اس کے خلاف گئے ہیں) وہ شرح و بسط سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ مکمل صفائے باطن کی طرف احوال باطنیہ کی نگہداشت کی تدریجی رھنمائی کی جاسکتی ہے، بشرطیکہ زھد وتقوی کے اصول حیات کی پیروی کی جائے، یعنی اس حقیقی زھد کی جس کا ذکر سورۃ ۵۷ الحدید:۲۷ میں‘‘۔(۲)

’’وَجَعَلْنَا فِی قُلُوبِ الَّذِینَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَّرَحْمَةً۔ وَرَهْبَانِيَّةً نِ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنٰهَا عَلَيْهِمْ اِلَّا ابْتِغَآءَ رِضْوَانِ اللهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا‘‘(۳)

(۱) اُردو دائرہ معارف اسلامیہ دانش گاہ پنجاب لاہور۔ جلد ۱۸۔ بار دوم ۲۰۰۶

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

(۳) سورۃ الحدید، آیت ۲۷،

ترجمہ:۔ ''اور ان کی اتباع کرنے والوں کے دلوں کے شفقت نرمی اور محبت ڈال دی رہا ترک دنیا تو انہوں نے اسے از خود ہی اپنا لیا تھا ہم نے ان کے لئے رہبانیت کو ضروری نہیں رکھا تھا بلکہ ان کے لئے اللہ تعالی کی خوشنودی کی جستجو کو لازم کیا تھا تو انہوں نے رہبانیت کو اس طرح قائم نہ رکھا جس طرح اُسے رکھنا چاہیئے تھا''

حضرت ابوسعید احمد ابن عیسیٰ الخرازؒ (م۲۸۶ھ) صاحب کتاب ''کتاب الصدق''

علامہ المحاسبیؒ کے بعد صاحب کتاب ''کتاب الصدق'' کے مصنف حضرت ابوسعید احمد بن عیسیٰ خراز کا ذکر تیسری صدی ہجری کے علماء اور صوفیوں میں آتا ہے۔ اور علامہ المحاسبیؒ کی کتاب الرعایہ کے بعد کتاب الصدیق تصوف کی قدیم ترین کتاب ہے۔ جو مطبوعہ صورت میں دستیاب ہو سکتی ہے۔ مولانا جامیؒ نے نفحات الانس میں اور شیخ فرید الدین عطارؒ نے تذکرۃ الاولیاء میں خرازؒ کا ذکر کیا ہے۔ آخر الذکر نے خرازؒ کا لقب ''لسان الصدق'' اورانہیں طریقت میں اجتہاد کے درجہ پر رکھا ہے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے اپنی تصنیف ''تاریخ تصوف '' میں ''کتاب الصدق'' کے تعارف میں لکھاہے۔

''کتاب الصدق کا تعارف''

''شیخ نے اپنی کتاب کا آغاز سوال و جواب کی صورت میں کیا ہے چنانچہ سب سے پہلے یہ سوال کیا ہے کہ صدق کیا ہے؟ خود ہی جواب دیا کہ صدق وہ لفظ ہے جو تمام معانی پر حاوی ہے۔ اس کے بعد پہلے مختصر طور پر وضاحت کی ہے پھر مفصل انداز میں تشریح کی ہے''۔(۱)

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۱۹۲،

تقریباً تمام علماء نے اپنے اپنے علم کی بنیاد پر قیامت کے دن انسان کی نجات کے لیے شریعت کی روشنی میں کچھ اصول تحریر کئے ہیں۔ پروفیسر چشتی اپنی کتاب میں حضرت شیخ ابوسعید خرازؒ کے اس موضوع پر اصولوں کا ذکر اس طرح کرتے ہیں۔

''اختصاراً یہ بتایا ہے کہ جو شخص نجات اُخروی کا طالب ہو اسے سب سے پہلے تین اصولوں کی معرف حاصل کرنی چاہئے''۔(۱)

۱۔ ''پہلا اصول اخلاص ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:''

"اِنَّـآ اَنـزَلـنَـآ اِلَيكَ الـكِتٰـبَ بِـا لـحَـقِّ فَـاعبُـدِ الـلّٰـه مُـخـلِـصـاً لَّـهُ الـدِّيـنَ اَلَا لِـلّٰـهِ الـدِّيـنُ الـخَـا لِـصُ ط "(۲)

ترجمہ:۔ ''یارسول اللہ ﷺ ہم نے کتاب کو آپ ﷺ کی جانب حق کے ساتھ نازل کیا سو آپ ﷺ اللہ کی بندگی کی کریں اُس کے دین کے لئے اخلاص کے ساتھ ہ لوگو سمجھ لو کہ دین اللہ ہی کے لئے خالص ہے۔ نیز فرمایا''۔

" فَـادعُـوا الـلّٰـه مُـخـلِـصِـيـنَ لَـهُ الـدِّيـنَ "(۳)

ترجمہ:۔ سو اللہ تعالیٰ کو پُکارو اُس کے دین کے لئے با اخلاص ہو کر۔

۲۔ دوسرا اصول صدق ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"يَـا اَيُّهَـا الَّـذِيـنَ اٰمَـنُـوا اتَّـقُـوا الـلّٰـه وكُـونُـوامَـعَ الـصَّـادقِـيـن ہ"(٤)

ترجمہ:۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی پرہیزگاری اختیار کرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہا کرو ہ۔

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۱۹۲، (۳) سورۃ المؤمن، آیات ۱۴۔
(۲) سورۃ الزُمر ، آیات ۲ ، ۳۔ (۴) سورۃ التَّوبۃ ، آیات ۱۱۹۔

۳۔ تیسرا اصول صبر ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَ اصبِرُوا ط اِنَّ اللہ مَعَ الصّٰابِرِینَ O(۱)

ترجمہ:۔ اور صبر سے رہو بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے O

"ان تینوں لفظوں کے معانی مختلف ہیں اور جمیع اعمال میں داخل ہیں۔ کوئی عمل ان تینوں کے بغیر کامل نہیں ہوتا اور خود یہ تینوں اصول باہمد گر اس طرح مربوط ہیں کہ کوئی ایک اصول، دوسروں کے بغیر کامل نہیں ہوتا مثلاً اخلاص بغیر صدق وصبر کامل نہیں ہوسکتا اور صبر بغیر اخلاص وصدق کامل نہیں ہوسکتا"۔(۲)

(۱) سورۃ الانفال، آیات ۴۶۔

(۲) چشتی، پروفیسر یوسف سلیم، تاریخ تصوف، ص ۱۹۳،

سیدالطائفہ ابوالقاسم الجنید ابن محمد ابن الجنید الخزاز القواریری
المعروف حضرت جنید بغدادیؒ
(۲۱۵ھ تا ۲۹۸ھ)

حضرت ابوسعید خرازؒ کے بعد تیسری صدی کے سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ کا نام آتا ہے۔ جو کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور اُن کا م اہل حق میں نمایاں طور پر تاریخ کا حصہ ہے، بچپن سے نوجوانی تک علوم کے حصول میں اس زمانے کے شیخ المشائخ علامہ حارث المحاسبیؒ کی صحبت سے مستفیض ہوتے رہے۔ آپ کو اپنے ماموں، مشہور عالم، حضرت سری سقطیؒ کی صحبت بھی حاصل رہتی۔ اپنے ماموں کی نصیحت پر حضرت جنید بغدادیؒ نے علوم حدیث وفقہ کو ترجیحی بنیادوں پر حاصل کیا۔ اور تصوف کو قرآن وسنت کے تابع رکھنے کی تعلیمات پھیلائیں۔ لوگوں کی رہنمائی کرنے والوں کے لیے حفظ قرآن اور علوم حدیث وفقہ کو لازم قرار دیا۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے حضرت علامہ محاسبیؒ، حضرت معروف کرخیؒ، حضرت قصابؒ، حضرت القنطریؒ، اور الحداد نیشاپوریؒ جیسے جیّد علماء وفضلا سے علوم کے حاصل کیے۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی حضرت جنیدؒ کے علم کے مقام کے سلسلہ میں رقمطراز ہیں۔

> ''ان کے ایک ہم عصر معتزلی ابوالقاسم الکلبی نے ایک مجلس میں یہ کہا کہ'' میں نے بغداد میں ایک ایسا شیخ طریقت دیکھا ہے جس کی نظیر میری نظر سے کہیں نہیں گذری۔ آدباء اس سے علم لغت حاصل کرتے ہیں، انشاء پرداز اُس سے طرزِ نگارش سیکھتے ہیں، فلاسفہ اُس کے افکار سے مستفید ہوتے ہیں، شعراء اُس سے فنِ شاعری کے محاسن حاصل کرتے ہیں، علماء اُس سے نکات علمیہ اخذ کرتے ہیں اور ان باتوں پر مستزاد یہ ہے کہ اس کی گفتگو سامعین کے ذہن اور علم سے بلند ہوتی ہے''(۱)

(۱) چشتی، پروفیسر یوسف سلیم، تاریخ تصوف، ص ۲۰۶،

ہر صاحب علم اپنی تصانیف اور شریعت کی بنیاد پر وضع کردہ اصولوں کی وجہ سے پہچانا جاتا ہے۔
حضرت جنیدؒ بغدادی کی تصانیف اور علم کے بارے میں پرپروفیسر یوسف سلیم چشتی تحریر کرتے ہیں۔

''جنیدؒ اپنے استاد محاسبیؒ کی طرح کثیر التصانیف نہیں تھے۔ ابن ندیم نے ان کی دو کتابوں کا ذکر کیا ہے۔ (۱) کتاب امثال القرآن۔ (۲) کتاب رسائل۔ ابونصر سراجؒ نے اپنی تصنیف کتاب اللمع میں ان کی ایک تصنیف ''شرح شطحیات ابی یزید البسطامیؒ'' سے چند اقتباسات درج کیے ہیں۔ اور سیدنا علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں ان کی چوتھی تصنیف ''تصحیح الارادہ'' کا ذکر کیا ہے''۔(۱)

اس کے علاوہ حضرت بغدادیؒ کے تقریباً اکیس رسائل کا ذکر ہے۔ جو 1962 میں لندن سے شائع ہوئے۔ **حضرت جنید بغدادیؒ** کی تعلیمات ان میں تفصیل سے درج کی گئی ہیں۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے تعلیمات میں سب سے پہلے تصوف کی کئی تعریفات بیان کی ہیں کہ
''تصوف یہ ہے کہ صوفی خدا کی معیت میں زندگی بسر کرئے کے غیر اللہ سے اُسے کوئی دل بستگی باقی نہ رہے۔اور تصوف وہ کوشش یا در طلب کوشیدن جس میں ایک انسان اپنی پوری زندگی بسر کر دیتا ہے(یہاں کوشش سے مراد وہی حصول قرب یا معیت کی کوشش ہے)'' (۲)

حضرت جیندؒ نے اس کی تشریحات کو بڑی تفصیل اور باریکی سے بیان کیا ہے جس کے لئے ایک الگ باب کی ضرورت ہے۔تاہم عقیدہ توحید اللہ تعالی جل شانہٗ ہی حضرت جنیدؒ کے مشاہدے اور تعلیم کا مرکزی نقطہ ہے۔حضرت جنیدؒ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ علم منطق کے لحاظ سے توحید کی تعریف ممکن نہیں۔ چنانچہ اُن کا کہنا ہے کہ

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۲۲۱،
(۲) ایضاً ، ص۲۲۲ ، ۲۲۳

''توحید کے بارے میں بہترین قول حضرت صدیق اکبرؓ کا ہے جو فرماتے ہیں کہ لائق حمد ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں پر اپنی ذات وصفات کے علم کا اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں کھولا کہ وہ اس باب میں اپنے عجزِ فہم کا اعتراف کر لیں''

''توحید وہ حقیقت ہے جس میں تمام آثار وعلائم محو ہو ہو جاتے ہیں اور صرف اللہ تعالیٰ "الآن کما کان" ''باقی رہ جاتا ہے''۔(خدا آج بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ تھا)(۱)

''ایک اور جگہ پر حضرت جنیدؒ توحید کے بارے میں فرماتے ہیں "اَلتَّوحیدُ افرادُ القدیم عِن المُحدَث" یعنی توحید یہ ہے کہ قدیم (واجب الوجود ہستی) کو محدث (ممکن الوجود ہستی) سے جدا کر دیا جائے''(۲)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے حضرت داتا سید علیؒ ہجویریؒ کے حوالے سے تحریر کیا ہے کہ۔

''واضح ہو کہ خدا ازلی ہے اور تم سب فانی اور عارضی مظاہر ہو۔ تمہاری ذات کو خدا کی ذات سے کوئی نسبت یا علاقہ نہیں ہے اور نہ تمہاری صفات اور اس کی صفات میں کوئی مشارکت یا مماثلت ہے اور نہ قدیم اور حادث (واجب اور ممکن) میں کوئی یگانگت یا علاقہ ہے امام قشیریؒ نے بھی جنیدؒ کے قول کی تصویب وتصدیق کی ہے تھانوی نے بھی توحید کی تشریح میں جنیدؒ ہی کی پیش کردہ تعریف کو اختیار کیا ہے۔ ۶ حد ہے کہ ابن تیمیہؒ نے بھی جو نہایت راسخ العقیدہ سنی ہیں اور عجمی یا ایرانی تصوف کے شدید مخالف ہیں، جنیدؒ کی اس تعریف کو پسند کیا ہے''۔(۳)

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۲۲۵،
(۲) ایضاً ایضاً ص ۲۲۶،
(۳) ایضاً ایضاً ص ۲۲۸،

حضرت جنید بغدادیؒ کے پیش نظر توحید کا موضوع ہمیشہ بہت اہم رہا اور اُنہوں نے اپنی تحریروں میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے پروفیسر چشتی اس کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"جنیدؒ نے اپنے اکثر رسائل میں توحید کے مفہوم کی وضاحت کی ہے۔ مثلاً رسالہ نمبر ۱۶ میں وہ کہتے ہیں" جان لو کہ توحید' بنی آدم میں ، چار مراتب میں پائی جاتی ہے۔ مرتبہ اول: عوام الناس کی توحید"۔ مرتبہ دوم: "علماء کی توحید۔ مراتب سوم و چہارم: عرفاء کی توحید (یا یوں کہہ لو کہ صوفیا اور اخص الخواص کی توحید) اگرچہ متکلمین توحید کے ان مراتب کو تسلیم نہیں کرتے مگر امام غزالیؒ نے اس نظریے کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ ہر شخص کی اخلاق اور نفسیاتی حالت دوسروں سے مختلف ہوتی ہے۔ اس لیے مراتب کا وجود قرینِ عقل ہے"۔(۱)

حضرت جنید بغدادیؒ کے نظریات میثاق و فناء کا علمی حلقوں میں بڑی دلچسپی سے مطالعہ گیا۔ پروفیسر چشتی ان نظریات کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

حضرت جنیدؒ کا نظریہ میثاق:۔

"اس کا مطلب ہے وہ علاقہ یا رابطہ جو خدائے خالق اور بندۂ مخلوق کے درمیان ہے اور خدا کے حضور میں بندے کا تحقق مقامِ خویش (اپنے مقام کا تحقق)

"جنیدؒ نے صراحت کی ہے کہ "توحید کی آخری منزل میں، عابد اپنی اُس پہلی حالت کی طرف رجوع کرتا ہے جس میں وہ عالمِ خلق میں موجود ہونے سے پہلے تھا"۔

"جنیدؒ کا عقیدہ یہ ہے کہ عالم آب و گل میں آنے اور اس جسمانی ہستی سے پہلے عابد کی ایک اور ہستی بھی تھی۔ جس کا ثبوت قرآن حکیم کی اس آیت سے مل سکتا ہے"(۲)

وَ اِذ اَخَذَ رَبُّكَ مِن م بَنِي ادمَ مِن ظُهُورِ هِم ذُرِّيَّتَهُم و اَشهَدَ هُم علىٰ انفُسِهِم ج اَلَستُ بِرَبِّكُم ط قَالُوا بَلىٰ ج شَهِد نَا ج ۔ (۳)

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۲۲۸، ۲۲۹۔

(۲) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳۔

(۳) رسوۃ الاعراف، آیات نمبر ۱۷۲

ترجمہ:۔ ”اور یا رسول اللہ ﷺ جب آپ ﷺ کے پروردگا نے بنی آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو بلوا کر جمع کیا اور ان سے خود انہی کے سامنے اقرا کرایا کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں، سب نے کہا ہاں بے شک ہے ہم اس کا اقرار کرتے ہیں“

پروفیسر یوسف سلیم چشتی متذکرہ بالا آیت کا مفہوم یوں بیان کرتے ہیں۔

”اس آیت میں اللہ تعالیٰ ہمیں مطلع فرماتا ہے کہ اس نے اولاد آدم سے اس وقت خطاب کیا جب وہ خارجی دنیا میں موجود نہ تھی اِلاّ یہ کہ وہ علمِ خداوندی میں ضرور موجود تھی ۔ لیکن یہ ہستی اس نوعیت کی ہستی نہیں ہے جو مخلوقات سے منسوب ہے۔ اس کی ماہیت اور نوعیت فہم انسانی سے باہر ہے“۔(۱)

حضرت جنیدؒ کا نظریہ فناء۔

پروفیسر چشتی حضرت جنیدؒ کے نظریہ فناء کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

” اس کا مطلب ہے بندے کا اپنی مرضی کو خدا کی مرضی میں بالکلیہ ضم یا فنا کر کے اور اس کی حضوریءِ محضہ میں حاضر رہ کر اللہ کی توحید کا تحقق“۔(۲)

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ اُولٰٓئِكَ هُم خَيرُ البَرِيَّةِ ۭ ۝ جَزَآؤُهُم عِندَ رَبِّهِم جَنّٰتُ عَدنٍ تَجرِي مِن تَحتِهَا الاَنهٰرُ خٰلِدِينَ فِيهَآ اَبَدًا ۭ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُم وَرَضُوا عَنهُ ۭ ذٰلِكَ لِمَن خَشِيَ رَبَّهٗ ع ۝(۳)

ترجمہ:۔ ”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے وہی ساری مخلوق میں بہترین ہیں ۝ ان کا صلہ ان کے پروردگار کے ہاں ہمیشہ کے باغ ہیں جن میں نہریں چلتی ہیں ان میں ہمیشہ ہمیش رہا کریں گے اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ اس کے لئے ہے جو اپنے پروردگار کے حضور جھکا رہے“ ۝

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۲۳۳۔
(۲) ایضاً ایضاً ص ۲۳۲۔
(۳) سورۃ البیّنۃ ، آیات ۷ ، ۸۔

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی کتاب میں حضرت جنید بغدادیؒ کے حوالے سے فناء کی تین منزلیں بیان کی ہیں۔

''پہلی منزل: فنائے صفات و خصائل ذاتی و اوصافِ طبعی تا کہ بندہ اتباعِ شریعت میں اپنی خواہشات کے بجائے اللہ کی مرضی پر عامل ہو سکے اور اپنے نفسِ امارہ کی خواہشات کو فنا کر کے احکامِ خداوندی پر عمل کر سکے''۔
''دوسری منزل یہ ہے کہ بندہ لذات حسّی سے بالکلیہ کنارہ کش ہو جائے بلکہ لذتِ جسمانی کی خواہش کو بھی فنا کر دے تا کہ وہ بالکلیہ اللہ کے لیے ہو جائے اور غیر سے کوئی علاقہ نہ رہے''۔
'' تیسری منزل یہ ہے کہ یہ شعور بھی فنا ہو جائے کہ مجھے خدا کی حضوری حاصل ہے۔ اس حالت کے بعد صرف اللہ کے لیے زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اگرچہ مادی جسم باقی رہتا ہے مگر شخصیت فنا ہو جاتی ہے''۔(۱)

ان تینوں منازل کا لب لباب ذاتی خواھشات کو پس پشت ڈال کر احکامِ شریعہ کی پابندی، احکامات کی اطاعت' اسوہ حسنہ کی مکمل پیروی کرتے ہوئے اور عاجزی میں رہتے ہوئے ذاتی تشخص کو ختم کرتے ہوئے تمام عمر راضی بررضا رہے۔

پروفیسر چشتی امام قشیریؒ اور حضرت جنیدؒ کے علم اور معرفت کے نظریات کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

''بقول قشیریؒ جب سالک کو اللہ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ نفسِ امارہ کی غلامی سے بالکلیہ آزاد ہو جاتا ہے اور یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالی کی اطاعت کر سکتا ہے''۔(۲)

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۲۳۷ ، ۲۳۹۔
(۲) ایضاً ایضاً ص ۲۴۵۔

جنیدؒ کا مسلک اس باب میں یہ ہے کہ وہ علم اور معرفت میں کوئی فرق نہیں کرتے لیکن تسلیم کرتے ہیں کہ عوام اور خواص کے علم باری تعالیٰ میں مدارج کا تفرق ضرور ہے خدا کے متعلق عوام کا علم ادنیٰ درجے کا ہے خواص کا علم اعلیٰ درجے کا ہوتا ہے۔(۱)

طاؤس الفقراء ابونصر السراجؒ

(متوفی ۳۷۸ھ)

صاحب کتاب اللمع

تاریخ تصوف میں طاؤس الفقراء ابونصر السراجؒ کے جو حالات درج ہیں اُن میں یہ تحریر ہے کہ۔

''تذکرۃ الاولیاء'' میں پہلی مرتبہ ان کا ذکر ملتا ہے۔ اسی کو پیش نظر رکھ کر جامیؒ نے ''نفحات الانس'' میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کے بعد ذہبی نے ''تاریخ الاسلام'' میں ابو الفاح عبدالحی نے ''سذرات الذہب'' اور داراشکوہ نے ''سفینۃ الاولیاء'' میں ذکر کیا ہے۔ ذہبی نے صرف اس قدر لکھا ہے: ''**عبداللہ بن علی بن محمد بن یحییٰ ابونصو السرّاج الطّوسیؒ مصنف کتاب اللمع نے جعفر الُخلدی، ابو بکر محمد بن داؤد الدُّقی اور احمد بن محمد السائح سے علم تصوف حاصل کیا**'' سلمی نے یہ لکھا ہے کہ'' ابونصر سراجؒ زاہدوں کی اولاد میں سے تھے اور اپنے قطن میں فتوت کے لحاظ سے مقبول تھے، لسان القوم تھے، اور علوم شریعت میں ماہر تھےاور اپنے زمانے میں مشائخ صوفیا کے فقیہ تھے''۔(۲)

کئی تذکرہ نگاروں نے حضرت سراجؒ کے حالات بیان کئے ہیں۔ پروفیسر چشتی ان کے بارے میں فارسی تذکرہ نگاروں کے حوالے سے یوں تحریر کرتے ہیں۔

''فارسی تذکرہ نگاروں نے لکھا ہے کہ ان کا لقب ''طاؤس الفقراء'' تھا۔ کتاب اللمع کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دلیائے اسلام کے اکثر بڑے شہروں کا سفر کیا تھا اور وہاں کے صوفیوں سے تبادلہ خیال بھی کیا تھا۔ ان شہروں میں

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۲۴۵۔

(۲) ایضاً ایضاً ص ۳۲۵۔

بصرہ، بغداد، دمشق، رملہ، تُستر، انطاکیہ، تائر، اطرابلوس، رحبت مالک بن طوق، قاہرہ، دمیاط، بسطام اور تبریز خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ انھوں نے بہت کم لوگوں کو اپنا مرید بنایا۔ ان کے مریدوں میں سے صرف ایک مرید کو شہرت حاصل ہوئی جن کا نام **ابوالفضل بن الحسن سرخسیؒ** تھا جو **ابوسعید ابن ابی الخیرؒ** کے شیخ طریقت تھے"۔(۱)

پروفیسر چشتی مزید تحریر کرتے ہیں۔

تذکرۃ الاولیاء کے حوالے سے پروفیسر چشتی لکھتے ہیں۔

"**شیخ فرید الدین عطارؒ** نے تذکرۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ "**شیخ وقت ابونصر سراجؒ** کے محاسن حد بیان سے فزوں تر ہیں۔ فنونِ علم میں کامل تھے۔ ریاضت اور معاملات میں شانِ عظیم رکھتے تھے۔ حال و قال اور تشریح کلمات مشائخ میں آیت تھے۔ ان کا قول ہے کہ عشق وہ آگ ہے جس سے عاشقوں کے قلوب مشغل ہو جاتے ہیں۔ اور "**مادونِ اللہ**" جل کر خاکستر ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا نیت خدا کے ساتھ ہوتی ہے، خدا سے ہوتی ہے اور خدا کے لیے ہوتی ہے۔ نماز میں جو آفت بھی نمازی پر وارد ہوتی ہے اس کا سبب خرابیٔ نیت ہی ہوتا ہے۔ نیز فرمایا ادب کے اعتبار سے آدمیوں کی تین قسمیں ہیں:۔

(۱)۔ "اہل دین جن کے نزدیک ادب سے مراد فصاحت و بلاغت، حفظ علم و رسم و اسم ہائے ملوک و اشعار عرب سے (اسے عرف عام میں ادیب کہتے ہیں۔

(۲) اہل دین جن کے نزدیک ادب، تادیبِ جوارح و حفظِ حدود شرعیہ و ترکِ شہوات و ریاضتِ نفس کا نام ہے۔

(۳)۔ اہل خصوص جن کے نزدیک ادب، طہارتِ دل، مراعاتِ سرّ، وفاء عہد نگہداشتِ وقت، نیکوکاری، وقت حضور اور مقامِ قُرب سے عبارت ہے"۔(۲)

(۱) چشتی، پروفیسر یوسف سلیم، تاریخ تصوف، ص ۳۲۶

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۳۲۶، ۳۲۷

صوفیاء میں رائج اصطلاحات

صاحب تصنیف صوفیاء کی تحریروں میں یا اُن کے معمولات میں جو اصطلاحات مستعمل ہیں وہ یہاں رسالہ قشیریہ تصنیف ''امام ابو القاسم عبداللہ بن ہوازن قشیری'' (۳۷۶ھ تا ۴۶۵ھ) کے حوالے سے من و عن تحریر کی جاتی ہیں۔

رسالہ قشیریہ کے بطابق اھل محبت یا صوفیا میں رائج اصطلاحات کے معانی کچھ اس طرح دیئے گئے ہیں۔

- ''وقت''

''صوفیہء کے مخصوص الفاظ میں سے ایک لفظ وقت ہے۔ محققین کے نزدیک وقت کی حقیقت یہ ہے کہ موہوم الوقوع واقعہ ہے۔ جس کے حاصل کرنے کا دارو مدار موجودہ متحقق واقعہ پر ہے۔ لہٰذا یہ متحقق واقعہ کے لئے وقت کہلائے گا''۔

- ''مقام''

''صوفیاء کے مخصوص الفاظ میں سے دوسرا لفظ ''مقام'' ہے اور ''مقام'' آداب صوفیہ کی اس منزل کو کہتے ہیں۔ جسے بندہ خدا کی طرف سے حاصل کرتا ہے۔ جہاں تک بندہ کسی قسم کے تصرف سے پہنچتا ہے یا تلاش اور تکلیف کر کے اسے حاصل کرتا ہے۔ لہٰذا ہر شخص کا مقام وہ ہے جہاں اس وقت اس کا قیام ہے''۔

- ''حال''

''صوفیاء لفظ ''حال'' بھی استعمال کرتے ہیں۔ ''حال'' ایک کیفیت ہے جو بلا اردہ اور بغیر کوشش کے اُن کے دل پر طاری ہوتی ہے۔ مثلاً طرب، غم، بسط، قبض، شوق۔ بے قراری، ہیبت اور احتیاج احوال، دہبی ہوتے ہیں۔ اور مقامات کسبی ہوتے ہیں۔ احوال سعی اور کوشش کے بغیر حاصل ہوتے ہیں۔ اور مقامات کے حصول کے لئے محنت اور جانفشانی کی ضرورت ہوتی ہے۔ صاحب مقام اپنے مکان پر متمکن ہوتا ہے اور صاحبِ حال اپنے مقام سے ترقی کرتا ہے رہتا ہے''۔(۱)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی اسلام آباد، ۱۹۷۰ ، ص ۱۹۷ ، ۲۰۰ ،

ان کے علاوہ صوفیاء کے ہاں قبض وبسط، ہیبت وانس اور وجود کے الفاظ بھی مستعمل ہیں۔جن کی وضاحت امام قشیری اس طرح کرتے ہیں۔

۔ ''قبض وبسط''

'' صوفیاء کے الفاظ میں سے قبض و بسط بھی ہیں۔ یہ دونوں حالتیں بندے پراس وقت طاری ہوتی ہیں۔جب وہ خوف و رجا کی حالت سے ترقی کر لیتا ہے۔ لہٰذا عارف کے لئے ''قبض'' کی وہی حیثیت ہے جو مبتدی کے لئے ''خوف'' کی ''بسط'' عارف کے لئے ایسا ہے جیسے مبتدی کے لئے رجا''۔

۔ ''ہیبت اور اُنس''

'' صوفیا کے الفاظ میں سے ''ہیبت'' ۳۵۴ اور اُنس بھی ہیں۔''ہیبت'' اور اُنس دونوں درجہ قبض ااور بسط کے اوپر ہے۔ چنانچہ جس طرح قبض کا درجہ خوف کے اوپر اور بسط کا رجاء کے اوپر ہے، اس طرح ہیبت قبض سے بلند تر ہے اور اُنس بسط کے مقابلہ میں زیادہ کامل ہوتا ہے''۔

۔ ''وجود''

'' اب رہا ''وجود'' سو یہ وجد سے ترقی کر جانے کے بعد حاصل ہوتا ہے اور جب تک بشریت فنا نہیں ہوتی ۔''وجود حق'' بھی حاصل نہیں ہوتا اس لئے کہ 'سلطان حقیقت' کے ظہور کے وقت بشریت باقی نہیں رہتی۔مختصر یہ کہ' تواجد' ابتدا ہے اور 'وجود' انتہا اور' وجد' ان دونوں کے درمیان کی کیفیت کا نام ہے''(۱)

امام قشیری نے صوفیاء کے ہاں رائج تقریباً اٹھائیس اصطلاحات کا ذکر رسالہ قشیریہ میں کیا ہے ۔ میں 'جمع اور فرق' اور 'جمع الجمع' بھی ہیں۔امام قشیری نے ان کی یوں وضاحت کی ہے۔

۔ ''جمع اور فرق''

'' صوفیا کے کلام میں ''جمع'' کا لفظ اکثر آتا ہے۔استاد ابو علیؒ وقاق فرمایا کرتے تھے۔جس چیز کی نسبت تمہاری طرف ہے وہ 'فرق' ہے اور جو چیز تم سے چھین لی جائے وہ جمع ہے اس کے معنی یہ ہیں۔کہ وہ ہر بات جس کا تعلق انسان

(۱) قشیری، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۲۰۲، ۲۰۵، ۲۰۸ ،

کے کسب و کوشش سے ہے وہ 'فرق' ہے مثلاً بندگی اور ان اعمال کو قائم رکھا جو بشریت کے حالات کے مناسب ہیں۔ اور جو امور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوں مثلاً معانی کا اظہار اور دیگر لطف و احسان ، وہ 'جمع' کہلاتے ہیں۔ 'جمع' اور 'فرق' کے اعتبار سے یہ حالت صوفیا کی ادنی حالت خیال کی جاتی ہے"۔(۱)

۔ ''جمع الجمع''

''جمع الجمع'' کا درجہ اس سے بھی بلند ہے جس طرح صوفیا کے احوال مختلف ہیں اور ان کے درجات میں تفادت ہے اس طرح ان امور میں بھی لوگوں کا اختلاف ہے چنانچہ اپنے نفس کو ثابت کرے۔ ساتھ ہی یہ مشاہدہ کرے ۔ کہ ان کا قیام حق کے ساتھ ہی یہ مشاہدہ کر۔ کہ ان کا قیام حق کے ساتھ ''جمع'' ہے۔اور جب مخلوق کے مشاہدہ سے ہٹ چکا اپنی ذات سے کٹ چکا۔ اور اس سلطان حقیقت کی وجہ اس پر ظاہر اور غالب آچکی ہے۔ اپنے احساس سے کلیتہ غافل ہو تو یہ ''جمع الجمع'' ہے"۔(۲)

صوفیاء کے ہاں فناء اور بقا کی اصطلاحات اکثر استعمال ہوتی ہیں۔کم علم لوگ ان لفظوں کو سمجھنے بغیر ان پر فضول بحث اور گفتگو کرتے ہیں۔امام قشیری نے فناء اور بقا اور غیبت اور حضور کے لفظوں کے معانی کچھ یوں سپرد قلم کئے ہیں۔

۔ **''فناء و بقا''**

'' صوفیاء کے یہاں ''فناء'' سے مراد مذموم اوصاف کا ساقط ہونا ہے۔اور بقاء سے اوصاف محمودہ کا بندہ کے ساتھ قائم ہونا ہے انسان میں ان دونوں قسموں میں سے ایک نہ ایک صفت ضرور باقی رہتی ہے۔ایک کی نفی ہو جانے سے لامحالہ دوسری کا اثبات ہو جاتا ہے۔اور جو اپنے اوصافِ مذمومہ سے فنا ہو چکا ہو اس پر صفاتِ محمودہ پوشیدہ ہو جاتے ہیں"۔(۳)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۲۱۱
(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۲۱۳
(۳) ایضاً ایضاً ، ص ۲۱۴

امام قشیری فناء اور بقا کے بارے میں مزید لکھتے ہیں۔

''اور جس نے کوشش کر کے اپنے اخلاق کو ٹھیک کر لیا اور اپنے دل سے حسد، کینہ، بخل غصہ تکبر اور اسی قسم کی دیگر رعونتوں کو دور کر دیا۔ تو اس کے متعلق یوں کہا جائے گا۔ کہ فلاں اپنے اخلاق بد سے فنا ہو گیا۔ اور جب وہ اخلاق بد سے فنا ہو گیا۔ تو وہ فتوت اور صدق کے ساتھ باقی رہے گا۔ اور جس نے احکام کے ردو بدل ہونے میں اللہ کی قدرت کے جاری ہونے کا مشاہدہ کیا۔ اس کے متعلق یوں کہا جائے گا وہ حوادثات کو مخلوق کی طرف سے خیال کرنے سے فنا ہو گیا اور جب وہ ان آثار کو غیر اللہ کی طرف سے سمجھنے سے فنا ہو گیا تو وہ اللہ کی صفات کے ساتھ باقی رہا''۔(۱)

۔ ''غیبت اور حضور''

'' صوفیاء کے مخصوص الفاظ میں سے ''غیبت'' اور ''حضور'' ہیں۔ ''غیبت'' یہ ہے کہ دل مخلوق کے حالات سے بے خبر ہو کیونکہ اس کا حاسہ اس کیفت کے ساتھ مشغول ہے''۔(۲)

صوفیاء کے ہاں معاشرے میں انسانوں اور دیگر حیاتات و نباتات کے مشاہدات سے قانون قدرت اور پوشیدہ حکمت کو سمجھنے کا معمول رہتا ہے۔ امام قشیری اس سلسلہ میں حضرت ربیع بن خثیمؒ کے ایک ایسے ہی مشاہدے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

۔ ''ربیع بن خثیمؒ''

''روائت ہے۔ ''ربیع بن خثیمؒ'' حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس جایا کرتے تھے ایک باران کا گزر کسی لوہار کی دکان پر ہوا۔ انہوں نے تپتا ہوا لوہا بھٹی کے اندر دیکھا تو اُن پر غشی طاری ہوگئی اور دوسرے دن صبح تک ہوش نہ آیا۔ ہوش آنے پر اس سے دریافت کیا گیا تو فرمایا۔ مجھے وہ حالت یاد آگئی جو دوزخیوں کی دوزخ میں ہوگی''۔(۳)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۲۱۵

(۲) ایضاً ، ص ۲۱۶

(۲) ایضاً ، ص ۲۱۷

امام قشیری نے چند اور اصطلاحات کا ذکر بھی کیا ہے جو من وعن نیچے تحریر کی جارہی ہیں۔

۔ ''ذوق اور شرب''

''جو الفاظ صوفیا کے کلام میں آتے ہیں۔ان میں سے ''ذوق'' اور شرب'' (پینا) بھی ہیں۔ اس سے انکی مراد تجلی کے وہ ثمرات کشف کے نتائج اور فوری واردات ہیں۔جنہیں یہ لوگ پاتے ہیں۔ چنانچہ پہلا درجہ ذوق کا ہے۔ پھر شرب اور پھر ''ری'' (سیرابی) کا۔ان کے معاملات کی صفائی سے یہ واجب آتا ہے کہ انہیں کیفیات کا ذوق حاصل ہو اور اپنی منزلوں کو پورا کرنے کے لئے شرب ضروری ہو جاتا ہے۔اور دائمی وصل سے ''ری'' (سیرابی)''۔(۱)

۔ ''محاضرہ، مکاشفہ، مشاہدہ''

''ان ہی الفاظ میں سے'' محاضرہ'' ''مکاشفہ'' اور ''مشاہدہ'' ہیں۔ محاضرہ ابتدا ہے۔ پھر مکاشفہ اور پھر مشاہدہ، محاضرہ دل کا حاضر ہونا ہے یہ حضوری کبھی متواتر برھان کے ذریعہ سے ہوتی ہے جب کہ ابھی بندہ پردے کے پیچھے ہوتا ہے خواہ وہ سلطان ذکر کے غلبہ سے حاضر کیوں نہ ہو۔اسکے بعد مکاشفہ آتا ہے۔''مکاشفہ'' یہ ہے کہ صوفی بیان و وضاحت کی صفت کے ساتھ حاضر ہو۔اس حالت میں اسے نہ تو کسی دلیل میں غور کرنے کی ضرورت ہوتی ہے نہ راستہ تلاش کرنے کی۔اور نہ ہی شک و شبہات کے اسباب سے پناہ طلب کرنیکی ضرورت ہوتی ہے۔اور نہ ہی وہ مغیبات کے بیان کرنے میں حجاب محسوس کرتا ہے۔اس کے بعد مشاہدہ ہے۔مشاہدہ حق تعالیٰ کے آگے اس طرح حاضر ہوتا ہے کہ صحیح حالات کو بندہ مشاہدہ کرے۔ان میں کوئی شک وشبہ باقی نہ رہے۔چناچہ جب اسرار کا آسمان پردوں کے بادلوں سے صاف ہوتا ہے، شہود، مشاہدہ کا سورج برج شرف سے جگمگا اٹھتا ہے۔اصل مشاہدہ وہ ہے جس کا ذکر جنیدؒ نے کیا ہے،'' وجود حق ہو اور تم خود مفقود ہو۔(۲)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۲۲۱

(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۲۲۵۔

- ''لوائح، طوائع، لوامع''

'' صوفیا کے الفاظ میں سے ''لوائح''، طوائع، لوامع'' بھی ہیں۔ استادؒ فرماتے ہیں۔ یہ تینوں الفاظ قریب المعنی ہیں۔ انکے معنی میں کوئی زیادہ فرق نہیں۔ یہ مبتدیوں کی صفات ہیں۔ جو دل کے ساتھ ترقی پاتے ہیں۔ اور جب ان پر معرفت کے سورج چمکتے ہیں۔ تو یہ حالت اُن پر قائم نہیں رہتی''۔(۱)

- ''بوادہ اور ہجوم''

'' بوادہ'' اور '' ہجوم'' بھی انہی الفاظ میں سے ہیں۔ ''بوادہ تو وہ کیفیت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یکا یک بطور گھبراہٹ کے دل پر وارد ہوئی ہے۔ خواہ خوشی کا سبب بنے یا غم کا۔ اور ہجوم وہ کیفیت ہے جو تمہاری طرف سے تصنع کے بغیر وقت کی وقت کی وجہ سے دل پر وارد ہو''۔(۲)

- ''تلوین اور تمکین''

'' ان میں سے '' تلوین ''اور ''تمکین'' بھی ہیں۔'' تلوین'''' ارباب احوال'' کی صفت ہے اور تمکین ''اہل حقائق'' کی جب کی صوفی راستہ میں رہتا ہے۔ صاحب تلوین کہلاتا ہے۔ اس کے لیے وہ ایک حالت سے دوسرے حالت کی طرف بلند ہو جاتا ہے اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے۔''(۳)

- ''قرب وبُعد''

'' ان الفاظ میں سے قرب اور بعد بھی ہیں۔ قرب کا سب سے پہلے رتبہ اللہ کی اطاعت کے قریب ہونے اور ہر وقت اس کی عبادت کرنے کی صفت سے موصوف ہونے کا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور اُس کی اطاعت سے علیحدہ رہنے کی گندگی سے اُلودہ ہونے کا نام بعد ہے''۔(۴)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۲۲۷
(۲) ایضاً ، ایضاً ، ص ۲۲۸
(۳) ایضاً ، ایضاً ، ص ۲۳۰
(۴) ایضاً ، ایضاً ، ص ۲۳۲

''شریعت وحقیقت''

'' ان الفاظ میں سے شریعت وحقیقت بھی ہیں۔ عبودیت پر قائم رہنے کا حکم دینا شریعت ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مشاہدہ کا نام ہے۔ لہٰذا ہر وہ شریعت جس کی تائید حقیقت سے نہیں ہوتی۔ وہ غیر مقبول ہے اور ہر وہ حقیقت جو احکام شریعت سے مقید نہ ہو بے سود ہے''۔(۱)

۔ ''نفس''

'' ان الفاظ میں سے ایک لفظ '' نفس ہے۔ غیبی لطائف کے ذریعہ سے دلوں کوراحت دینے ک نام ''نفس'' ہے۔اور صاحب انفاس، صاحب احوال کے مقابلہ میں زیادہ لطیف اور زیادہ صاف ہوتے ہیں''۔(۲)

۔ ''خواطر''

'' انہی الفاظ میں سے ''خواطر'' کا لفظ ہے خواطر اس خطاب کو کہتے ہیں۔ جو ضمیر پروارد ہوتا ہے ان خواطر کا القاء کبھی فرشتہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اور کبھی شیطان کے ذریعہ سے۔ تیسری قسم حدیث النفس ہے، یہ بھی حق سبحانہ کی طرف سے ہوتا ہے''(۳)

۔ ''علم الیقین۔ عین الیقین اور حق الیقین''

'' صوفیاء کے الفاظ میں سے ''علم الیقین'' '' عین الیقین'' اور ''حق الیقین'' بھی ہیں۔ ان الفاظ سے مراد روشن وواضح علوم ہیں۔ عام عُرف کے مطابق یقین وہ علم ہے جس میں کسی قسم کے شک کا داخل نہ ہو مگر یہ لفظ حق سبحانہ کی صفت میں نہیں بولا جاسکتا کیونکہ اس کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کبھی نہیں ہوا۔ لہذا علم الیقین وہی یقین ہے۔ اسی طرح عین الیقین وہی نفس الیقین ہے اور حق الیقین نفس الیقین ہے''۔(۴)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۲۳۵
(۲) ایضاً ، ص ۲۳۶
(۳) ایضاً ، ص ۲۳۷
(۴) ایضاً ، ص ۲۳۸

۔ ''وارد''

'' ان الفاظ میں سے لفظ ''وارد'' ہے۔ صوفیا کے کلام میں واردات کا ذکر آتا ہے۔'' وارد'' وہ اچھے خواطر ہیں ۔ جو انسان کے قصد و اردہ کے بغیر دل میں محسوس ہوں اسی طرح وہ امور بھی ''وارد'' ہی کہلاہیں گے۔ جو خواطر کی قسم کے نہ ہوں۔ مزید براں بعض اوقات 'وارد' حق کی طرف سے ہوتا ہے اور کبھی علم کی طرف سے''(۱)

۔ ''شاھد''

''ان الفاظ میں سے لفظ'' شاھد'' ہے، صوفیاء کے کلام میں شاھد کا لفظ اکثر آتا ہے۔ مثلاً یوں کہتے ہیں۔ فلان یشاھد العلم وفلان یشاھد الوجد۔ وفلان یشاھد الحال۔ شاھد سے ان کی مراد وہ کیفیت ہے جو اس وقت انسان کے دل پر طاری ہو''۔(۱)

۔ ''نفس''

'' ان الفاظ میں سے لفظ ''نفس'' بھی ہے ۔ لغت میں ''نفس الشئ'' سے مراد شئ کا وجود ہوتا ہے۔ اور صوفیاء کے ہاں مطلق نفس کہنے سے وجود مراد نہیں لیا جاتا۔ اور نہ ہی وہ ڈھانچہ مراد لیا جاتا ہے۔ جو نفس کا موضوع ہے۔ نفس سے ان کی مراد بندے کے اصاف ہیں۔ جن میں خامی پائی جاتی ہے اور وہ اخلاق وافعال مراد لئے جاتے ہیں، مذموم''(۱)

۔ ''رُوح''

''ان الفاظ میں سے ایک لفظ رُوح بھی ہے۔ محققین اہلسنت میں ارواح کے متعلق بہت اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں۔ کہ روح حیات ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اعیان (جسم) ہیں۔ جنہیں ان جسم کے ڈھانچوں میں رکھ دیا گیا ہے''۔

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۲۳۸ ، ۲۳۹ ، ۲۴۰۔

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

(۳) ایضاً ایضاً ، ص ۲۳۹

(۴) ایضاً ایضاً ، ص ۲۴۰

فصل دوم

خانقاہی نظام کے بنیادی مقاصد

- تزکیہ نفس
- تعلیم کتاب
- درس حکمت
- شریعت کے تناظر میں

طریقت ، حقیقت ، معرفت

- محبت الٰہی ، مکارمِ اخلاق ، خدمتِ خلق
- شریعت ، حقیقت ، طریقت ، معرفت

خانقاہی نظام کے بنیادی مقاصد

تخلیق آدم سے لے کر تکمیل دین تک خالق کائنات نے مختلف انبیاء علیھم الصلوٰۃ والتسلیمات کو اس دنیا میں ایک ہی مقصد کے لئے مبعوث فرمایا اور وہ ہے اولادِ آدم کو دین حق کی طرف مائل کرنا۔ قرآن مجید کا موضوع بھی انسان ہی ہے۔ اس کتاب حق میں زبانِ سید کائنات، خاتم النبیین، رسول اکرم ﷺ کی زبان مبارک سے کہیں جمیع نسل انسانی کو مخاطب کیا گیا ہے تو کہیں مومنین کو اور کہیں کفار کو۔ مقصد ایک ہی ہے۔ اور وہ ہے، بہبودیٔ انساں۔

قرآن مجید کے ارشادات کے مطابق بہبودیٔ انسان کے کئی پہلو اور کئی طریقے ہیں اور قرآن مجید کے احکامات کی تفسیر سرورِ کائنات ﷺ کے اسوۂ حسنہ میں بدرجۂ اُتم موجود ہے۔ انسان کی تربیت اور تعلّم و تعلیم کے ہر لحہ میں اسوۂ حسنہ سے ہی راہنمائی لیتے ہی بات بنتی ہے۔ اور اس کے سوا کوئی چارہ ہے نہ کوئی دوسرا راستہ۔ خانقاہی نظام کے تحت اہل اللہ نے یہی راستہ اختیار کیا ہے اور خلقِ خدا کو توحید و رسالت ہی کی طرف متوجہ کیا ہے۔ ظاہری طور پر آپ نے مشاہدہ کیا ہوگا، کہ جہاں کہیں اہل اللہ کے مزارات ہیں وہاں موجود مساجد اکثر مزار کے مغرب یا قبلہ کی طرف ہیں۔ کہ جب نماز کی نیت باندھیں تو پشت مزار کی طرف ہوتی ہے اور یہی فلسفہ طریقت ہے کہ اولیاء اللہ نے خلق خدا کا رخ اللہ کی طرف کرایا ہے اپنی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا یہ ظاہری آنکھوں سے کئے گئے مشاہدات ہیں۔ رہے باطنی معاملات تو اُن کو علامہ اقبال کا یہ مصرعہ واضح کرتا ہے کہ

نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں (۱)

مگر اسی شعر کے دوسرے مصرعہ میں اقبالؒ نے ذوق یقین کی شرط رکھی ہے کہ ذوق بھی ہو اور یقین بھی تو باطل نفس کی زنجیریں کٹتے دیر نہیں لگتی۔

خانقاہی نظام کا پس منظر گزشتہ صفحات میں تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اب آئندہ صفحات میں اس نظام کے بنیادی مقاصد کے بارے میں تفصیلی جائزہ لیا جائے گا، جس میں تزکیہ نفس، تعلیم کتاب، درس حکمت اور شریعت کے تناظر میں طریقت، معرفت اور حقیقت کے موضوعات شامل ہیں۔ اور ان تمام مراحل میں سالک یا زیرِ تربیت متوسلین کو ہر پہلو سے شریعت میں دیئے گئے معیار کے مطابق مومن بنانے کی کوشش کی جاتی ہے اور پھر ہر فرد کا معاملہ اللہ کے علم میں اور اس کی مشیّت کے مطابق بنتا ہے۔ اس لئے کہ" وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ "(۲) یعنی اللہ ہی کا حکم غالب ہے۔

(۱) اقبال ، ڈاکٹر محمد ، کلیات اقبال ، بانگ درا ، ص ۲۸۵

(۲) سورۃ یوسف آیت ۲۱

تزکیہ نفس

تزکیہ نفس:

تزکیہ کو معانی کے اعتبار سے پاکیزگی اور اچھائی کے مفہوم میں لیا جاتا ہے۔قرآنِ حکیم اور دینی اصطلاحات میں اس کے مشتقات کئی مقامات پر استعمال ہوئے ہیں اور مجموعی طور پر تزکیہ کردار کی بہتری کے معنوں میں ہی لیا جاتا ہے۔حضرت سیّد محمد وجیہ السیما عرفانیؒ نے اس سے مُرادیوں لیا ہے کہ

''کسی مزاج کا اس قدر بہتر اور با اخلاص ہو جانا، کہ اس کے قلب و نظر، عمل و نیت، ضمیر و آگہی اور ظاہر و باطن میں کسی ایسے جذبے کا وجود ہی نہ رہے جو فتور یا طغیانِ طبع کی پرچھائیں کو بھی قبول کر سکے'' (۱)

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ تَزَکّٰی (۲) ''بامراد رہا وہ جو پاک باطن ہوا''

اب یہاں قرآن مجید کے اس ارشاد عالی میں بنیادی شرط پاک باطن ہونے کی ہے۔ یہاں انسان کے اندرون کی کیفیت کو ترجیح دی گئی ہے۔کیونکہ ایک دوسرے ارشاد 'الاعمال بالنیات' (۳) کے مطابق اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔تو ہر عمل کی بنیادی شرط پاک باطن ہونے کی ہے، اگر نیت صاف ہوگی۔تبھی اعمال کی قبولیت کی امید کی جاسکتی ہے۔ بنیادی طور پر انسان جو کچھ ہے اسے ہر لحاظ سے درست اور صحیح ہونا ہے۔اس میں خیالات کی پاکیزگی، احساسات کی پاکیزگی، اور جب خیالات اور احساسات پاکیزہ ہونگے تو اعمال بھی یقیناً اللہ جل شانہ کی منشا کے مطابق ڈھلنا شروع ہو جائیں گے۔حضرت سیّد محمد وجیہ السیما عرفانیؒ نے اس سلسلے میں تزکیہ کا مفہوم یوں فرمایا ہے۔

''اس کے تصوّرات، اس کے نظریات، اس کے اعمال اس کا اسلوبِ زیست، اس کا اندازِ شعور و شہود ایسا زیبا رہے، کہ وہ حقیقتاً وہ ہو کر رہے، جو اس کے خالق نے اسے چاہا ہے، پاک نِگاہ، پاک دل، پاک باطن، یہ پاکیزگی ہر نوع کی آلودگی سے مبرا ہونا ہے، یہی دراصل جمال و زیبائی ہے، یہی تزکیہ کا مفہوم ہے'' (۴)

دین اسلام نے مومن مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا جو ارشاد فرمایا ہے۔اس میں ہر طرح کی خیر اور برکتیں ہیں۔ کیونکہ گناہ کا آغاز غلط نگاہ سے ہی ہوتا ہے۔

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما جنوری ۱۹۹۲ء ص ۶۳
(۲) سورہ الاعلیٰ، آیت نمبر ۱۴۔
(۳) صحیح بخاری ، جلد اول ، باب ، وحی کا بیان ، حدیث ۱۔
(۴) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما جنوری ۱۹۹۲ء ص ۶۳

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ Oوَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ (۱)

''یارسول اللہ ﷺ آپ مومن مردوں کو فرمادیں کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنے آپ کی حفاظت کیا کریں یہ ان کے لیے بڑی ہی پاکیزگی کی بات ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہےo اور یارسول اللہ ﷺ باایمان عورتوں کو فرمادیجئے کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں اور اپنے آپ کی حفاظت کیا کریں اور اپنی آرائش کو ہرگز ظاہر نہ کیا کریں''

تزکیہ نفس ہی کے عنوان سے حضرتِ سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ کے ایک مضمون سے اقتباس پیش کرتا ہوں ''اسی جانب اقبال نے اشارہ کیا کہ

نِگاہ پاک ہے تیری ، تو پاک ہے دل بھی
کہ دِل کو حق نے کیا ہے نِگاہ کا پیرو(۲)

اور یہی تزکیہ، بندہ، مومن کا مستقل وصف بنتا ہے، کہ

رزم ہو ، یا بزم ہو ، پاک دل و پاک باز

یہ پاکیٔ ظاہر و باطن اور عِفّتِ قلب و نگاہ عطا کس طرح ہوتی ہے اور قائم کیسے رہتی ہے؟ اس کے لیے قرآن حکیم نے ہمیں جو باتیں سُجھائی ہیں وہ یہ ہیں۔ ہر شخص کو خود اپنے اہتمام سے پاک باطن اور زیبا رہنا ہے، یعنی اس کے لیے ہم میں سے ہر ایک کو یہ التزام رکھنا ہے، کہ ہمارے تخیلات، عادات، افکار اور عمل میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے، جو حق تعالیٰ کی پسند نہ ہو، فکر صحیح ہوگی، تو ارادہ درست رہے گا، ارادے پر نیّت کا انحصار ہے، اور نیّت سے عمل کی پرورش ہوتی ہے''۔(۳)

(۱) سورۃ النور ، آیات ، ۳۰، ۳۱
(۲) اقبال ، ڈاکٹر محمد ، بالِ جبریل ، ص ۷۴۔
(۳) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، جنوری ۱۹۹۲، ص ۶۴

اب ظاہری اعمال کا معاملہ لیتے ہیں۔تو سب سے پہلے ایمان کا زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کرنے کے بعد نماز کا معاملہ آتا ہے نماز کے لیے قرآن مجید میں کئی مقامات پر قائم کرنے کا حکم ہے مثلاً سورۃ الاعلیٰ کی تزکیہ کی آیت سے اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى (١) "اور اپنے پروردگار کا نام یاد رکھا اور نمازیں پڑھتا رہا"

قرآن مجید میں اور احادیثِ مبارکہ کے احکامات اور ارشادات میں نماز کے وقت ہر طرف سے بے نیاز ہو کر اللہ کے حضور عجز کی حالت میں حاضر ہونا ہے اور نماز کے لئے ہر طرح کی پاکیزگی بھی شرط ہے۔یعنی پاک جسم، پاک لباس، جگہ پاک اور سب سے بڑھ کر یہ کہ نیت بھی درست ہو اور مزاج بھی اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے مائل ہو۔دوسری ضروری بات نمازوں میں تسلسل ہو اور ظاہری اور اندرونی کیفیات میں یکسانیت ہو یعنی تصورات وخیالات اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کی طرف ڈھلے ہوئے ہوں۔

نماز کے لیے جو دین کے احکامات ہیں ان میں ایک اور اہم بات یہ بھی ہے کہ نماز خالصتاً اللہ کے لیے ہی ہو اور لوگوں کے دکھانے کے لیے نہ ہو کیونکہ تزکیہ کی شرائط میں اخلاص اور نیت بہت اہم ہے۔اس بارے میں قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ یوں ہے۔

وَ اِذَا قَامُوْٓا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَ لَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا (لا)O مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًاO(٢)

ترجمہ:"اور یہ لوگ وہ ہیں کہ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو بڑے ہی سست اور ڈھیلے ارادے سے وہ بھی محض لوگوں کو دکھاوے کے لئے اور اللہ تعالیٰ کو یاد رکھنے کا کام بہت ہی تھوڑا کرتے ہیں۔وہ بس درمیان ہی میں کہیں الجھے رہتے ہیں نہ اِن کی طرف نہ اُن کی طرف اور اللہ تعالیٰ جس کو راہِ راست سے ہٹادے تو تمہیں اس کے لیے کوئی راستہ نظر نہیں آئے گا"۔

(١) سورہ الاعلیٰ، آیت نمبر ١٥

(٢) سورہ النساء، آیت نمبر ١٤٢، ١٤٣

نماز کی کیفیات میں خشوع وخضوع کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے، خشوع وخضوع کا مطلب یہ ہے کہ آدمی جب نماز میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو تو پوری طرح دھیان نماز ہی کی طرف ہو اس کے علاوہ کسی اور طرف دھیان نہ ہو اور نماز میں عجز و نیاز کی کیفیت قائم رہے۔ قرآن مجید میں اس کیفیت کے بارے میں یوں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خَاشِعُوْنَ (۱)

''اہل ایمان یقیناً بامراد ہیں ۝ جو بڑی لگن سے نمازیں پڑھتے رہتے ہیں ۝''

تزکیہ کے مراحل میں تقویٰ ایک اہم مرحلہ شمار ہوتا ہے نماز کی طرح تقویٰ کا معاملہ بھی خالصتاً نیت پر منحصر ہے اور براہِ راست اللہ تعالیٰ کے ہاں ہی اس کا معیار ہے کوئی شخص اس پر نہ تو کوئی کسوٹی بنا سکتا ہے نہ ہی کسی کے باری میں کوئی فتویٰ دے سکتا ہے اور نہ انسان ہی اس کا مفتی ہے کہ وہ یہ دعویٰ کرے کہ وہ صاحبِ تقویٰ ہے۔ تقویٰ کے بارے میں قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ یَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ یُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۝(۲)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ تعالیٰ کی پرہیز گاری میں رہو گے تو تمہیں کیفیتِ امتیاز عطا کرے گا اور تمہاری برائیوں کو مٹا دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل کا مالک ہے''

قرآن مجید کے اس ارشادِ عالی میں جہاں تقویٰ کا حکم ہے وہیں اس کی جزا اور انعام کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے اور ایسی کیفت کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے جو مومنین کی تمام برائیوں کو مٹا دے گی اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے بخشش کی نوید بھی فرمائی ہے اور اپنے فضل کا ذکر بھی فرمایا ہے یہ ساری باتیں تزکیہ نفس کے لیے انتہائی اہمیت کی حامل ہیں۔ تقویٰ ہی کے باری میں ایک اور جگہ قرآن مجید کا ارشاد ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِه لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝(۳)

''اے ایمان والوں اللہ تعالیٰ کی پرہیز گاری اختیار کرو اور ایسے کی جستجو کرو جو تمہیں اس تک لے جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی خاطر جہاد کرو تا کہ تم بامراد رہو''۔

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے تفہیم القرآن میں ''وَ ابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ'' کی شرح اس طرح کی ہے

''یعنی ہر اُس ذریعہ کے طالب اور جویاں رہو جس سے تم اللہ کا تقرب حاصل کر سکو اور اس کی رضا کو پہنچ سکو''

(۱) سورۃ المومنون آیت نمبر ۱،۲ (۳) سورۃ المائدہ آیت نمبر ۳۵

(۲) سورۃ الانفال آیت نمبر ۲۹ (۴) تفہیم القرآن۔ جلد ۱۔ ابوالاعلیٰ مودودی۔ ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، ص ۴۶۶

تزکیہ اور تقویٰ کے معاملات میں اہل علم و دانش نے شرک سے بچنے کو اول درجے میں رکھا ہے۔ اور بعد میں دیگر معاملات آتے ہیں۔ ظاہر ہے ایمان ہوگا، توحید و رسالت پر یقین رکھتا ہوگا تو تزکیہ و تقویٰ چاہے گا۔ اس سلسلہ میں امام قشیری رسالہ قشیریہ میں ابو علی وقاقؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''اصل تقویٰ شرک سے بچنا ہے اس کے بعد معصیت اور برائیوں سے بچنے کا درجہ آتا ہے پھر شبہات سے بچنے کا پھر یہ کہ تو فضول باتوں کو ترک کردے'' (۱)

اس سے آگے امام قشیری رسالہ قشیریہ میں تقویٰ کی اقسام کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''کہا جاتا ہے کہ تقویٰ کئی طرح کا ہوتا ہے۔ عوام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ شرک سے بچیں۔ خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اللہ کی نافرمانی سے بچیں۔ اولیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے بچیں۔ اور انبیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے۔ اس لئے کہ ان کا تقویٰ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے اور (ہر چیز سے بچ کر) وہ اللہ کی طرف جاتے ہیں''۔ (۲)

اب تک تزکیہ نفس کے چند مراحل کا تذکرہ کیا گیا ہے لیکن ان تمام مراحل سے اہم اور آخری مرحلہ ان عنایات، نوازشوں اور جملہ نیکیوں کی تصدیق و بقا حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت کی نگاہ سے ہی ممکن ہے۔ حضورِ اکرم ﷺ وہ منبع رحمت ہیں جو رحمت اللعالمین بھی ہیں، خاتم النبیین بھی، سرورِ سروراں بھی ہیں، جانانِ جانِ جاں بھی، صفِ کونین کا سلام بھی ہیں، نور کی قندیل بھی، مصدرِ کن کی تفاصیل بھی ہیں، نظمِ ہستی کی تعدیل بھی، سرخطِ نامۂ تکمیل بھی ہیں، سرحدِ خامۂ تنزیل بھی اور غایتِ منزل جبرئیل بھی ہیں ﷺ، آپ ﷺ کے بارے میں قرآن مجید میں ارشادِ عالی ہے۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ۝ (۳)

(۱) قشیری، امام ابو القاسم عبداللہ بن ہوازن، رسالہ قشیریہ، ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۲۶۲

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

(۳) سورۃ ال عمران آیت نمبر ۱۶۴

ترجمہ:۔ ''بے شبہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو اپنا یہ احسان جتاتا ہے کہ اس نے ان میں انہی میں سے ایک وہ رسول ﷺ بھیجا ہے جو ان کے سامنے اس کی آیات پڑھتے ہیں اور انہیں پاک صاف کر دیتے ہیں اور انہیں کتابِ حق کا علم عطا کرتے ہیں اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے وہ واضح گمراہی میں ہوا کرتے تھے''

خانقاہی نظام میں شیخ طریقت اپنے متوسلین کو تزکیہ نفس کے جن مراحل سے گزارتا ہے ان کا مختصر ترین الفاظ میں تذکرہ پچھلے چند صفحات میں کر دیا گیا ہے۔تزکیہ نفس ہی وہ پہلا مرحلہ ہے جس کے بعد تعلیمِ کتاب اور حکمت کے اسباق سمجھ آسکتے ہیں کیونکہ پاکیزہ چیز پاکیزہ برتن میں ہی ڈالی جاسکتی ہے اور یہ اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کی اپنی سنت ہے کہ قرآن مجید کی نازل کردہ مکّی سورتوں میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور نواہی کے بارے میں ہی زیادہ احکامات آئے ہیں۔جن میں سماجی برائیوں کو ترک کرنا اور اخلاقیات کے دائرے میں آنا شامل ہے۔بعد ازاں مدنی سورتوں میں اوامر کا زیادہ تذکرہ ہے جو مسلمان کو مومن کے درجے پر لے آتے ہیں، خانقاہی نظام میں اسی سنت کو قائم رکھتے ہوئے تزکیہ نفس پہلے اور اس کے بعد تعلیمِ کتاب کا مرحلہ آتا ہے۔

تعلیم کتاب

تعلیم کتاب

گزشتہ صفحات میں خانقاہی نظام کے تحت قرآن وحدیث کی روشنی میں تزکیہ نفس کے مراحل اور طریق کار پر مختصراً گفتگو کی گئی۔ اب اس نظام کے تحت تعلیم کتاب کا مرحلہ آتا ہے۔ تزکیہ نفس کے بعد جب متوسلین کے مزاج میں نواہی سے دوری اور اخلاقیات کی اہمیت جذب ہو جاتی ہے۔ تو پھر سالک کا دل ایک کورے کاغذ کی طرح ہو جاتا ہے۔ کہ جس پر قرآن مجید کی تعلیم کے اسباق تحریر کئے جا سکیں۔ یہ اسی طرح ہے جس طرح کسی کھیت میں بیج ڈالنے سے پہلے اس میں غیر ضروری پودے، پتھر، روڑے، کانٹے، اور ہر طرح کی دیگر چیزیں جو فصل کے اُگنے میں رکاوٹ بن سکیں، نکال دی جاتی ہیں۔ اور پھر بیج ڈالا جاتا ہے۔ تاکہ زمین یا کھیت کی ساری قوت فصل کی نشو ونما میں کام آ سکے اور رکاوٹ کوئی نہ ہو۔ اسی طرح تزکیہ نفس انسانی ذہن سے غیر ضروری خیالات، احساسات، دلچسپیاں اور دیگر نفسانی اور نفسیاتی خواہشات کو مٹا دیتا ہے اور اس خلا کو پر کرنے کے لئے مثبت ترین علوم یعنی علوم قرآن مجید کو مرحلہ وار ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔

خانقاہی نظام کے تحت درس قرآن دینے والے کے لئے کم و بیش ایک مجتہد کی خصوصیات ہونا ضروری ہیں۔ یعنی مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ بالغ و عاقل، عربی زبان، علوم قرآن و حدیث وفقہ میں مہارت، صاحب فراست، نیک مثبت روّیہ کا حامل اور دورِ حاضر کے مسائل پر گہری نظر رکھنے والا ہو۔ اس نظام میں ظاہری علوم کے ساتھ مسند نشین باطنی علوم اور کیفیات کا بھی امین ہوتا ہے۔ اور ان علوم و کیفیات کو خلق خدا اور متوسلین کی بہتری کے لئے استعمال میں لاتا ہے۔

درسِ قرآن میں ابتدائی طور پر قرآن مجید کی عظمت، ایمانیات اور عقائد کی تعلیم دی جاتی ہے۔ قرآن مجید کی کئی تخصیصات ہیں۔ جن میں سرفہرست یہ ہے۔ کہ اس کی حفاظت کا ذمہ اللہ تعالیٰ نے خود لیا ہے۔ قرآن مجید میں اشاد عالی ہے۔

بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ ○ فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (۱)

''سچ یہ ہے کہ یہ قرآن مجید بڑے ہی شرف عزت اور شان والا ہے ○ لوح محفوظ میں ہے''

(۱) سورۃ البروج، آیت نمبر ۲۱، ۲۲

ایک اور تخصیص یہ ہے کہ اس کے مماثل کوئی آیت یا ٹکڑا بنایا نہیں جا سکتا ۔ یہ بات بھی قرآن مجید کے اس فرمان سے واضح ہوتی ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَ الْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَ لَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا۝(۱)

''یارسول اللہ ﷺ آپ ارشاد فرمایئے اگر سارے انسان اور جن اکٹھے ہوکر اس قرآن مجید جیسا لانا چاہیں تو اس جیسا نہیں لاسکیں گے خواہ وہ ایک دوسرے سے مل کر ہی کوشش کیوں نہ کریں''

اس کے علاوہ کفار کو بھی کئی بار چیلنج کیا گیا ہے۔ کہ اگر سچے ہو تو اس طرح کی ایک سورۃ بنالاؤ، اور جس جس کو اس کام میں ساتھ ملانا چاہو ملالو۔ قرآن مجید کو کائنات کا بنیادی علم قرار دیا گیا جس میں ہر طرح کی معلومات م راہنمائی اور معاشرتی زندگی گزارنے کا طریق موجود ہے۔

حضرت سیّد محمد وجیہ السیما عرفانیؒ فرماتے ہیں۔

''قرآن حکیم ہدایت بھی ہے نور بھی، اس میں احکام بھی ہیں اصول قوانین بھی، اس میں عقائد بھی ہیں تاریخ انسان بھی، اس میں کائنات کے گرد وپیش کا تجزیہ بھی ہے ثابت و سیار کے نظام ہمہ رنگ کا تذکرہ بھی، انسانی وجدان و احساس کی کیفیات بھی ہیں عالم محبت کا آئین ادراک وشعور بھی، اس میں عبادات کے دستور کی وضاحتیں بھی ہیں معاشرتی فلاح وخوبی کا بیان بھی، اس طرح قرآن حکیم ان تمام چیزوں کا احاطہ فرماتا ہے جو انسان کی داخلی اور خارجی کیفیات وعوامل سے عبارت ہیں۔ قرآن حکیم میں دانش کے دائرے میں آنے والے عالم کا بیان بھی ہے اور ان منزلوں کے لیے رہنمائی بھی، جو انسانی شعور وادراک سے کہیں ورا ہیں۔''(۲)

(۱) سورۃ بنی اسرائیل ، آیت نمبر ۸۸

(۲) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما ، نومبر ۱۹۹۳ء ، ص ۹

خانقاہی نظام میں تعلیم کے ساتھ ساتھ عقل کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔اور زیر تربیت افراد کی ذہنی سطح اور بنیادی خداداد صلاحیتوں کو بھی مد نظر رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ ہر فرد کی ذہنی سطح اور عقلی استعداد مختلف ہوتی ہے ۔ آج کل کے دور میں ذہنی صلاحیتوں کو جانچنے کے جو امتحان یا ٹیسٹ لئے جاتے ہیں یہ طریقہ خانقاہی نظام میں بہت پہلے سے رائج ہے۔ اور استاد یا مسند نشین پہلی ملاقات یا انٹرویو میں ہی سالک کی ذہنی قابلیت کا اندازہ کر لیتا ہے۔ اور آغاز سے ہی اسے اس کے متعلقہ شعبے کی طرف راہنمائی کر دی جاتی ہے۔ خانقاہی نظام میں عقل کو ہی وہ برتن شمار کیا جاتا ہے ۔جس میں علم ڈالا جا سکتا ہے۔ برتن ہوگا تو اس میں کوئی چیز ڈالنے کا موقع ملے گا۔ دامن ہوگا تو فیوض و برکات سمیٹ سکے گا۔

قرآن مجید کی ہمہ گیری کے پیش نظر اللہ تعالیٰ نے بار بار تدبر، تفکر اور تعقل کرنے کی دعوت دی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَفَلاَ یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا O (۱)

''یہ لوگ قرآن حکیم میں غور کیوں نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہیں''

حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ نے اس آیت کی وضاحت کرتے ہوئے اسے علم کے ساتھ منسلک کیا ہے۔فرماتے ہیں۔

''اس آیت پاک میں تدبر کا لفظ استعمال فرمایا ہے اسے سادہ سے انداز میں یوں سمجھنا چاہیے کہ ہم لفظ علم کا اطلاق جن باتوں پر کرتے ہیں ان کے درجات ہیں علم میں سب سے پہلا درجہ عقل یا شعور کا ہے یعنی خود انسان کے اندر یہ مزاجی صلاحیت ہو کہ وہ کسی بات کو جاننے یا سمجھنے یا اسے اپنے شعور کے دائرے میں یاد رکھے اس کے بعد پڑھنے کی منزل ہے اسے ہم حروف تہجی یا ابجد سے یا ALPHABETS سے شروع کرتے ہیں اور چلتے چلتے تعلیمی اداروں کے اعلیٰ مدارج تک تعلیم حاصل کرتے ہیں۔ یہ طلب علم کی منزل ہے''۔(۲)

(۱) سورۃ محمد ،آیت نمبر ۲۴

(۲) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما ، نومبر ۱۹۹۳ ، ص ۹ ، ۱۰۔

علم کی اہمیت کا ندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے ۔ کہ اعلیٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کے باوجود اسے طلب کی منزل شمار کیا جاتا ہے۔ یعنی آپ علم کی دہلیز تک پہنچے ہیں اور ابھی اندر داخل ہونگے تو علم کی وسعت سے واسطہ پڑے گا۔ اصل علم تو کتابی علم کے بعد مشاہدات اور تجربات سے حاصل ہوتا ہے۔ کتابی علم اور مشاہدات میں فرق ایسے ہی ہے جیسے تھیوری اور پریکٹس میں ہوتا ہے۔ حضرت عرفانیؒ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں۔

> ''اس میں ہمیں جو کچھ حاصل ہوتا ہے اسے کہتے تو علم ہی ہیں تاہم ہمارا یہ دور صرف کتابی علم کا ہوتا ہے اسے محض معلومات یا INFORMATION کہہ سکتے ہیں یہ کچھ پڑھ پڑھا کے ہم آگے بڑھتے ہیں تو اسی معلوماتی علم کی بنیاد پر ہمارے ذہن میں بالیدگی، شعور میں کشادگی ،دانش میں وسعت اور سوچ میں گہرائی پیدا ہوتی ہے۔ گویا حقیقی علم کی فضا اس وقت سامنے آتی ہے جب ہم روایتی طلبِ علم سے فراغت حاصل کرتے ہیں۔ پھر ہم اپنے شعور کی وسعت اور معلومات کی روشنی میں گردو پیش کا جائزہ لیتے ہیں، اور ایسے آفاق کے لیے نکلتے ہیں جن میں آگہی ہوتی ہے اور اس کے بعد تو وسعتیں ہیں اور گہرائیاں ہیں نئی جستجو ، نئی تحقیق ، نئے انکشافات، نئی تخلیقات اور ایجادیں۔ پھر اس سائنسی علم ، اس اکتسابی شعور اور ایک پختہ ادراک کے ساتھ ایک نیا جہان سامنے ہوتا ہے۔''(۱)

خانقاہی نظام میں قرآن مجید کی تعلیم کے ساتھ ساتھ ان علوم کی بھی تعلیم دی جاتی ہے ۔ جن کا تذکرہ قرآن مجید میں ہے مگر قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ یہ بندے کو عاجز کر دیتا ہے اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ وہ پوری طرح قرآن مجید کو سمجھ سکتا ہے یا سمجھ گیا ہے تو اس کا یہ دعویٰ غلط ہوگا۔ تاہم خانقاہی نظام میں قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ عربی ، فارسی ،صرف ونحو، تفسیر، فلسفہ ،منطق ، ریاضی، سائنسز، ہیئت ،عربی کے علاوہ مخصوص طلبا کے لئے اپنی مادری زبان کے علاوہ دیگر زبانوں کی تعلیم کے انتظامات ادارہ کے اندر یا جہاں مواقع ہوں ، کئے جاتے ہیں۔ خانقاہی نظام میں طب کی تعلیم

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما ، نومبر ۱۹۹۳ ، ص ۱۰۔

بھی دی جاتی تھی۔ اس لئے کہ علم طب بھی علوم القرآن کا ہی حصہ ہے۔ آج کل اس کے لئے چونکہ علیحدہ ادارے موجود ہیں۔ اس لئے متعلقہ طلباء کو ان اداروں میں بھیج دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِO (۱)

''اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھے شفا دیتا ہے''

اس آیہ مبارکہ میں انسان کے بیمار ہونے کے بعد شفا کو اللہ تعالیٰ کا احسان و کرم بتایا گیا ہے۔ خانقاہی نظام تعلیم میں توحید درجہ اوّل، پھر رسالت ﷺ کا مرتبہ ہے۔ کتابی علوم کے بعد نظام میں جو عملی تربیت دی جاتی ہے۔ وہ خواہ زندگی کے کسی شعبہ سے متعلق ہو۔ اس کی بنیاد اوّل سے آخر تک اسوہ حسنہ پر ہی ہوتی ہے۔ نمازوں سے لیکر رزقِ حلال کمانے تک رسول اکرم ﷺ کی سنت اور عمل مبارک کو ہی پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ پھر اولیاء اللہ کے اقوال اور ان کے افکار بھی مخصوص معاشرتی صورت حال میں پیش نظر رکھے جاتے ہیں۔

امام قشیری رسالہ قشیریہ میں حضرت ابراہیم بن ادھمؒ (م ۱۶۳ ھ) کا ایک واقعہ تحریر کرتے ہیں۔

''کسی نے ابراہیم بن ادھمؒ سے کہا کہ گوشت مہنگا ہو گیا ہے تو فرمایا۔

اسے سستا کر دو یعنی خریدو ہی نہیں ۔ اور اپنی دلیل میں یہ شعر پڑھا

وَ اِذَاغلاشَیْ علیٰ ترکتهَ فیکُونُ اَرخَصَ مَایکُون اذا غلاَ

جب کوئی چیز مہنگی ہو جاتی ہے تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں۔ لہذا وہ چیز مہنگی ہونے کے باوجود میرے لئے بہت سستی ہوتی ہے۔''(۲)

اس چھوٹے سے واقعہ میں تعلیم کے کئی پہلو ہیں۔ اس میں توکل بھی ہے۔ قناعت بھی، اس میں رب کی رضا پر راضی ہونا بھی ہے معاشرتی بھلائی بھی۔ حضرت ابراہیم بن ادھمؒ دوسری صدی ہجری کے اہل حق میں سے تھے۔ جنہوں نے بادشاہت پر راہِ حق کو ترجیح دی۔

قرآن و سنت کی روشنی میں اسباق کے علاوہ روزہ مرّہ مطالعہ اور زندگی میں مشاہدات سے جو سوالات زیر تربیت افراد کے ذہنوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس کے لئے ہفتہ وار باقاعدہ

(۱) سورہ الشعراء ، آیت نمبر ۸۰

(۲) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۱۲۳

نشستِ کا اہتمام ہوتاہے ۔ اور اس میں ایسے سوالات کرنے کی حوصلہ افزائی کی جاتی ہے ۔ ہر سوال کا قرآن وحدیث کی روشنی میں جواب دیا جاتا ہے۔ اور سائل کے مطمئن ہونے تک یہ عملی بحث جاری رہتی ہے۔ تعلیم قرآن میں خانقاہوں میں خدمت خلق کے شعبہ کو بھی بہت اہمیت حاصل ہے جس میں سالکین کو حصہ لینے کی عملی تربیت دیجاتی ہے۔ حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کی اہمیت بھی پیش نظر رہتی ہے، تکبر، ریا کاری، غیبت، حسد، جھوٹ اور دیگر برائیوں سے اجتناب کرنے کی جہاں تعلیم دی جاتی ہے۔ وہاں توکّل، عجز، قناعت، رزق حلال کا حصول اور لوگوں کے ساتھ معاملات میں سچا اور کھرا رہنے کے لئے خلوص اور نیک نیّتی سے عمل پیرا ہونے کا جذبہ اُجاگر کیا جاتا ہے۔ تعلیم کتاب کتنی اہم ہے علامہ اقبال اس کے بارے یوں کہتے ہیں۔

ے گر تو می خواہی مسلمان زیستن

نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

درسِ حکمت

درسِ حکمت

گزشتہ صفحات میں تعلیم کتاب یعنی قرآن مجید کی تعلیم کے موضوع پر خانقاہی نظام کے طریقِ کار پر گزارشات کی گئی ہیں اب اس تعلیم پر عمل پیرا ہونے کے لئے اور اُس کو خلق خدا کی بہتری اور فلاح کے لئے استعمال کرنے میں مختلف مواقع پر قرآن مجید نے جو حکمت و دانائی کا اسلوب دیا ہے اسے جاننا اور سمجھنا بہت ضروری ہے۔

سب سے پہلے ہم حکمت کے مفردات میں دیئے گئے معانی دیکھتے ہیں جو کچھ یوں ہیں

حکمة۔ دانشمندانہ، فلسفہ، دانائی، اصابت رائے، طب (۱)

ایک دوسری لغت میں اس لفظ کے معانی کچھ اس طرح دیئے گئے ہیں

"**حکمة**:۔ (ع)، ح ک م مادہ سے (رک بہ حُکم)؛ جس کے کئی لغوی معنی ہیں: جیسے ۱۔ محکم ہونا، مضبوط ہونا؛ ۲۔ منع کرنا، ۳۔ شے کو جگہ پر رکھنا؛ ٤۔ حد امتیاز قائم کرنا؛ ٥، فیصلہ کرنا، الحکیم بھی اسی مادے سے ہے۔ حدیث میں آیا ہے وَ هُوَ الذِّکرُ الحکیم، یعنی القرآن لحاکُم لّکُم و عَلَیکم (لسان)۔ اس مادے سے حکمة کے معنی هیں: معرفة افضل الابناء با فضل العلوم، یعنی اهم ترین حقایق کی دریافت اهم علوم کی مدد سے (السان)؛ اور حکیم کے معنی میں: مَن یُحسِنُ دَقَائِق الصِّنّاعَاتِ وَ یَتیَقَّنُها، جو صناعات کی باریکیوں تك بکمال خوش اسلوبی پہنچ سکے اور ان میں اتفاق پیدا کرے"۔(۲)

" حکمت وہ کلام نافع ہے جو جہالت و سفاہت سے روکتا اور اس سے بچاتا ہے۔ یہ لفظ بمعنی مواعظ و امثال بھی آیا ہے۔ اسی لیے آگے چل کر اس سے مراد علم اعلیٰ اور علم حقائق ہوا"۔(۳)

(۱) کیرانوی، مولانا وحید الزماں، القاموس الفرید، صابری دارالکتب، چوک اردو بازار، لاہور ۔ ۱۴۰۳ھ، ۱۹۸۳ء، ص ۱۴۲۔

(۲) اردو دائرہ معارف اسلامیہ، دانش گاہ، پنجاب، لاہور، طبع اوّل، ج ۸، ۱۹۷۱، ص ۴۶۷، ۴۶۸۔

(۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۶۸۔

خانقاہی نظام میں تعلیم کتاب کے ساتھ قرآن مجید میں ہی جس حکمت و دانائی کا ذکر مختلف مقامات پر آیا ہے اُسی کی روشنی میں اس نظام کے تحت درس حکمت بھی دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید کا موضوع انسان ہے اور دین اسلام سارے کا سارا بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود اور بہتری کے لئے ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ احادیث مبارکہ اور قرآن مجید کی عملی تفسیر اسوہ حسنہ کے ذریعے انسانوں تک پہنچی ہے۔ خانقاہی نظام کے تحت دین اسلام کے اسی فلسفہ کو لوگوں کی بہتری کے لئے منظم طور پر عمل میں لایا جاتا ہے اور اس فلسفے کی حقیقی عملی صورت متوسلین کے سامنے رکھی جاتی ہے اور یہ خانقاہی نظام کا امتیاز ہے کہ متلقین کو رجوع الی اللہ اور رجوع رسالت کرایا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں لفظ حکمۃ یا اس کے مشتقات بے شمار مقامات پر آئے ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے آیاتِ مبارکہ میں اپنے ہر حکم میں پوشیدہ حکمت بیان فرمائی ہے۔

سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

رَبَّنَا وَابعَث فِيهِم رَسُو لاً مِنهُم يَتلُوا عَلَيهِم ايٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الكِتٰبَ وَالحِكمَةَ يُزَ كِيّهِم ط اِنَّكَ اَنتَ العَزِ يزُ الحَكِيمُO(۱)

ترجمہ:۔ ''اے ہمارے رب ان میں انہیں میں سے اپنا رسول برحق ﷺ بھیجنا کہ ان کے سامنے تیری آیات پڑھا کریں گے وہ انہیں کتاب الٰہی کے علوم سے مالا مال کر دیں گے وہ انہیں حکمت کا علم دیں گے اور ان کے قلب و نظر کو پاک صاف کر دیں گے اے اللہ بے شک تو ہی ہے بڑے غلبے بڑی حکمت والا۔''

یہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا ہے۔ جو قبول ہوئی اور حضور ﷺ اسی نسب میں تشریف لائے۔ اس آیت میں انتہائی اہم بات جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی ہے، وہ ہے قرآن حکیم کی حکمت کا علم رسول اللہ ﷺ کی جانب سے عطا ہونا ہے۔ اس کے ساتھ تزکیہ اور قلب و نظر کی پاکیزگی بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مومنین پر جو احسان فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قرآن مجید میں متذکرہ تمام نعمتیں بوسیلہ رسول اکرم ﷺ عطا ہوتی ہیں اور مومنین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کی طرف ہی متوجہ کیا ہے۔ اب اس باب میں حکمت کی جتنی آیات کا ذکر میں کرنے جا رہا ہوں اُن میں یہی فلسفہ اور یہی مشیت الٰہی کارفرما ہے۔

(۱) سورہ البقرہ، آیت ۱۲۹۔

ایک اور مقام پر قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَلَولَا فَضلُ اللّٰهِ عَلَيكَ وَرَحمَتُه' لَهَمَّت طَّآ ئِفَةٌ مِّنهُم اَن يُّضِلُّوكَ ط وَمَا يُضِلُّونَ اِلَّا اَنفُسَهُم وَمَا يَضُرُّ و نَكَ مِن شَی ءٍ ط اَنزَلَ اللّٰهُ عَلَيكَ الكِتٰب وَالحِكمَةَ وَ عَلَّمَكَ مَالَم تَكُن تَعلَمُ ط وَكَانَ فَضلُ اللّٰهِ عَلَيكَ عَظِيمًا O(۱)

ترجمہ:۔ اور اے رسول برحق ﷺ اگر آپؐ پر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو ان میں سے تو ہر ایک گروہ بے آپؐ کو غلط سمت لے جانے کا منصوبہ بنا ہی لیا تھا اور وہ صرف اپنے آپ ہی کو غلطی میں ڈالتے ہیں اور وہ آپؐ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اے نبی امین ﷺ اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر کتاب حق اور حکمت نازل فرمائی ہے اور جو کچھ بھی آپؐ نہیں جانتے تھے سب کا علم آپؐ کو عطا فرما دیا ہے اور آپؐ پر اللہ تعالیٰ کا فضل بہت ہی بڑا ہے O

اس آیت مبارکہ میں ایک مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ پر کرم اور اُس کی دستگیری، دشمنوں اور منافقین کی نفسیات اور ارادوں کا ذکر کیا گیا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بھی پوشیدہ ہے۔

تبلیغ دین کے سلسلہ میں بھی حکمت کا ذکر قرآن مجید نے ان الفاظ میں فرمایا ہے۔

اُدعُ اِلیٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالحِكمَةِ وَالمَوعِظَةِ الحَسَنَةِ وَ جَادِلهُم بِالَّتِی هِیَ اَحسَنُ ط اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعلَمُ بِمَن ضَلَّ عَن سَبِيلِهٖ وَهُوَ اَعلَمُ بِالمُهتَدِينَ O(۲)

ترجمہ:۔ اے نبی اکرم ﷺ آپ حکمت کے ساتھ اور نہایت عمدہ نصیحت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے راستے کی طرف بلایئے اور ان سے گفتگو ہو تو نہایت حسین طریقے سے' جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے سے گمراہ ہو اور آپ ﷺ کا پروردگار اسے خوب جانتا ہے اور جو راہ راست پر ہیں ان کا بھی اسے بہت اچھی طرح علم ہے O

اس آیت میں بھی حضور اکرم ﷺ کی سائلین سے انتہائی حسین اور نرم گفتگو کے ذریعے تبلیغ کرنے کا ذکر ہے اور اس کی حکمت یوں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنین کے لئے حضور اکرم ﷺ کے اسوہ حسنہ کے طور پر ایک بہترین مثال سامنے لایا ہے۔ کہ اگر آپ تندخو اور کرخت ہوتے تو لوگ آپ سے بھاگ جاتے۔

(۱) سورۃ النساء ، آیت ۱۱۳ (۲) سورہ النحل، آیت ۱۲۵۔

تزکیہ نفس، تعلیم اور حکمت لازم وملزوم ہیں۔ قرآن مجید کی اس آیہ مبارکہ میں یہ بات واضح کی گئی ہے۔

هُوَ الَّذِی بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْ لاً مِّنهُم یَتلُوا عَلَیهِم اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیهِم وَ یُعَلِّمُهُمُ الکِتٰبَ وَالحِکمَةَ ق وَ اِن کَانُوا مِن قَبلُ لَفِی ضَلٰلٍ مُّبِینٍ O(۱)

''وہی ہے جس نے مکہ کے رہنے والوں میں انہیں میں سے ایک رسول ﷺ بھیجا جو انہیں اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں اور انہیں پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے وہ بڑی واضح گمراہی میں تھے''۔

اسی طرح اس آیت مبارکہ میں بھی خاتم النبیین ﷺ کے عمل مبارک کی اللہ تعالیٰ نے وضاحت فرمائی ہے کہ آپ ﷺ نہ صرف آیات پڑھ کر سناتے ہیں بلکہ تزکیہ، حکمت و دانش، تقویٰ، تلقین، ایمان اور راہِ حق کی طرف بلانا، نعمتوں کی تقسیم اور ان دیکھی مصیبتوں سے حفاظت فرمانا حتیٰ کہ منزل مقصود تک پہنچانا شامل ہے جبکہ حضور اکرم ﷺ کی بعثت مبارک سے پہلے لوگ واضح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ قرآن مجید میں ایک اور مقام پر بھی اللہ تعالیٰ نے گمراہ لوگوں پر احسان جتلاتے ہوئے رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارک کو تزکیہ، علم کتاب اور حکمت و دانش کا معلم بتا کر ان لوگوں کو دین اسلام کی روشنی سے منور کرنے کا منبع قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ یٰٓاَهْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَ بَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِکَ بِهٖ شَیْئًا وَّ لَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ O(۲)

''اے رسول برحق ﷺ آپ ارشاد فرمایئے کہ اے اہل کتاب اس ایک ٹھوس بات کی جانب آؤ جو ہمارے اور تمہارے درمیان برابر ہے وہ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی کو بھی کسی طرح کا شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی بھی اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو پروردگار نہ بنائے پھر یہ لوگ اگر پھر جائیں تو اے اہل ایمان تم ان سے کہہ دو کہ تم اس بات کے گواہ رہو کہ ہم سچے مسلمان ہیں''

(۱) سورۃ الجمعہ ، آیت ۲ (۲) سورۃ آل عمران ، آیت ۱۶۴۔

خانقاہی نظام میں توحید کی تعلیم کے ساتھ قرآن مجید کی متذکرہ بالا آیات کی روشنی میں رسول اللہ ﷺ کے منصب رسالت اور رحمۃ اللعالمین کی حیثیت سے خلق خدا کو اندھیروں سے نکال کر حق کی روشنی میں لانا اور دین اسلام کی حقانیت کو لوگوں کے دلوں میں ڈالنے اور ان کے اندورن میں، احساسات میں اس احسانِ عظیم کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے۔ خانقاہی نظام میں، جیسا کہ پہلے عرض کیا، اللہ تعالیٰ کو ربّ العالمین اور ربّ کائنات کی حیثیت سے قرآن مجید کے الفاظ میں یوں فرمایا گیا کہ وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرماتا ہے۔ ساتھ ہی عقل کی اہمیت بھی اُجاگر کی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ؕ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ ○ (۱)

ترجمہ:۔ وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا فرما دیتا ہے اور جسے حکمت عطا وہ گئی سو وہ بہت بڑی خیر و برکت سے نواز گیا اور صرف عقل والے ہی نصیحت قبول کرتے ہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی سے حکمت و دانش کی عطا کی بات فرمائی ہے اس حکمت میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے کہ جس پر بھی اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے اُسے بارگاہ رسالت ﷺ کی طرف متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے صفاتی اسماء میں حکیم کی صفت اور اس کے اختیار بیکراں سے ہی درس حکمت ممکن ہے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (۲)

”فرشتوں نے کہا اے اللہ تو بڑا ہی بلند و بالا ہے ہمیں جتنا کچھ علم تو نے دیا ہے اس کے سوا ہمیں کچھ معلوم نہیں بے شک تو ہی ہے جو پورے علم کا مالک اور پوری حکمتوں والا ہے۔“

اس آیہ مبارکہ میں حکمت کو اللہ تعالیٰ سے منسوب کیا گیا ہے۔ اور اس کے وصف، دانائی، فیصلوں کی حقانیت ظاہر کی گئی ہے۔ جس میں انسان کے ساتھ ساتھ فرشتوں کو بھی ان کی کم علمی اور اللہ تعالیٰ کے کائنات پر حاوی علوم اور حکمتوں کا ذکر کر کے اس کی عظمت کو سامنے لایا گیا ہے۔ اور تخلیق آدمؑ اور اسے خلیفہ بتاتے وقت فرشتوں کے اعتراض کے جواب میں اس حکمت کا ذکر کیا گیا ہے جسے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ خانقاہی نظام میں اس کے تفسیری نکات کو زیر تربیت افراد پر واضح کیا جاتا ہے۔

(۱) سورۃ البقرہ، آیت ۲۶۹

(۲) سورۃ البقرہ، آیت ۳۲۔

گزشتہ سطور میں ایک آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کو گمراہ لوگوں کو راہِ حق دکھانے کے لئے مبعوث فرمانے کا ارشاد فرمایا ہے۔اب ایک اور آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی مدد نہ کرنے والوں کا ذکر کیا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ‌ۚ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَكِيۡنَـتَهٗ عَلَيۡهِ وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوۡدٍ لَّمۡ تَرَوۡهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيۡنَ كَفَرُوا السُّفۡلٰى‌ ؕ وَكَلِمَةُ اللّٰهِ هِىَ الۡعُلۡيَا ‌ؕ وَاللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ O (۱)

"اگر تم رسول اللہ ﷺ کی مدد نہیں کرو گے تو بے شک اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد کی تھی جب کافروں نے ان کو نکال دیا تھا اس وقت وہ دو میں سے ایک تھے جب غار میں تھے تو آپؐ اپنے ساتھی سے فرما رہے تھے رنجیدہ نہ ہوں بے شک اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ پر اپنی تسکین نازل کی اور ان کی دستگیری ایسے لشکروں کے ساتھ کی جنہیں تم نے نہیں دیکھا اور کافروں کی بات کو پست کر دیا اور بلند تر بات تو اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔"

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خبردار کیا ہے کہ تم اگر رسول اللہ ﷺ کی مدد نہیں کرو گے تو اللہ تعالیٰ نے تو آپؐ کی مدد کی اور کرتا رہے گا۔اس میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ کفار کو بھی جتلایا گیا تھا۔اور ان کو ان کی شکست اور سازشوں کے مقابل رسول اللہ ﷺ کو تسکین اور دستگیری نادیدہ لشکروں کے ساتھ کرنے کا ذکر کیا۔خانقاہی نظام میں اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں پوشیدہ حکمت کو قرآن حکیم اور احادیث مبارکہ اور اسوہ حسنہ کی روشنی میں سمجھایا جاتا ہے جس سے مقصود توحید و رسالت کے مقام اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال اور دستگیروں کا دستگیر ہونے پر ایمان مضبوط کرنا ہوتا ہے جو ایک مومن کے لئے ایمان غیر متزلزل قائم ہونے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔

ایک دوسری سورہ کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی حکیم ہونے کی صفت کا تذکرہ ہے اور اس سے اگلی دو آیات میں کیا ارشاد ہے ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) سورۃ توبہ ، آیت ۴۰

الٓرٰ کِتٰبٌ اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ ثُمَّ فُصِّلَتۡ مِنۡ لَّدُنۡ حَکِیۡمٍ خَبِیۡرٍ ﴿O﴾ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰہَ ؕ اِنَّنِیۡ لَکُمۡ مِّنۡہُ نَذِیۡرٌ وَّ بَشِیۡرٌ O وَّ اَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ یُمَتِّعۡکُمۡ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی وَّ یُؤۡتِ کُلَّ ذِیۡ فَضۡلٍ فَضۡلَہٗ ؕ وَ اِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ کَبِیۡرٍ O (۱)

'' الرا۔ یہ کتاب بڑی حکمت والے، بڑے خبر والے کے ہاں سے ہے اس کی آیات پختہ تر رکھی گئی ہیں اور انہیں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے O کہ تم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی نہ کرو بے شک میں اس کی جانب سے ڈرانے والا بھی ہوں، خوشخبری دینے والا بھی O اور یہ کہ اپنے پروردگار سے بخشش طلب کرتے رہا کرو اور اس کی جانب متوجہ ہو جاؤ ایک مقرر مدت تک تمہیں نہایت خوب سامان حیات عطا فرماتا رہے گا اور برتری والے کو اس کی برتری عطا فرمادے گا اور اگر تم نے رخ پھیر لیا تو مجھے تمہارے لئے ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے O

ان آیات اور ان کے معانی جو اوپر دیئے گئے ہیں، ان کو سامنے رکھ کر خانقاہی نظام میں زیر تربیت افراد کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ جہاں قرآن مجید کے کتاب حکمت ہونے، اللہ جل شانہ کے خبیر ہونے کا یقین کرنا ہے وہاں رسول اللہؐ کے نذیر اور بشیر ہونے پر بھی پختہ ایمان رکھنا ہے۔ مزید تعلیم یہ دی جاتی ہے کہ اللہ سے بخشش طلب کرنے اور اسی کی طرف متوجہ ہونے کو معمول بنالو۔ بصورت دیگر ہونے والے انجام سے بھی باخبر کر دیا گیا ہے۔

سورہ یوسف کی درج ذیل آیت میں حضرت یوسفؑ کے خواب کے تذکرہ کے بعد بھی اللہ تعالیٰ کے علیم وحکیم ہونے کی صفات کا ذکر ہے ملاحظہ فرمائیں۔

وَ رَفَعَ اَبَوَیۡہِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَ خَرُّوۡا لَہٗ سُجَّدًا ۚ وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ ہٰذَا تَاۡوِیۡلُ رُءۡیَایَ مِنۡ قَبۡلُ ۫ قَدۡ جَعَلَہَا رَبِّیۡ حَقًّا ؕ وَ قَدۡ اَحۡسَنَ بِیۡۤ اِذۡ اَخۡرَجَنِیۡ مِنَ السِّجۡنِ وَ جَآءَ بِکُمۡ مِّنَ الۡبَدۡوِ مِنۡۢ بَعۡدِ اَنۡ نَّزَغَ الشَّیۡطٰنُ بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنَ اِخۡوَتِیۡ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ لَطِیۡفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّہٗ ہُوَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ O (۲)

(۱) سورۃ ھود ، آیت ۱ ، ۲ ، ۳

(۲) سورۃ یوسف ، آیت ۱۰۰

'' انہوں نے اپنے ماں باپ کو تخت کے اوپر اونچی جگہ بٹھایا اور سب کے سب ان کے سامنے سجدے میں گر گئے انہوں نے فرمایا اے میرے باپ میں نے اس سے پہلے جو خواب دیکھا تھا یہ اس کی تعبیر ہے میرے پروردگار نے اسے سچ کر دکھایا ہے اور اس نے مجھ پر بڑا اکرم فرمایا مجھے قید خانے سے نکالا اور آپ سب کو باہر سے یہاں لے آیا حالانکہ اس سے پہلے شیطان نے میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان جدائی کرا دی تھی میرا پروردگار جو کچھ چاہتا ہے اس کے لئے بڑی عمدہ تدبیر کیا کرتا ہے بے شک وہ جاننے والا بڑی حکمت والا ہے O

اس آیہ مبارکہ میں یہ تعلیم ہے کہ حضرت یوسفؑ کے بطور نبی اپنے بھائیوں کے رویہ کے برعکس حسن سلوک ، درگزر، حوصلہ اور برداشت کے بعد اللہ تعالیٰ کی عنایات اور شیطان کے کردار کو سابقہ امتوں اور انبیاءؑ کے قصوں کی صورت میں لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے اور اس کی حکمتوں پر ایمان رکھنے کے لئے واضح اور روشن دلیلوں کا ذکر سامنے آتا ہے۔ خانقاہی نظام کے تحت تعلیمی اداروں میں اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے اور اس کے ہر حکم میں حکمت کی تفسیر واضح کی جاتی ہے۔ اب سورہ الحجر کی ایک آیت ملاحظہ فرمائیں۔

وَ اِنَّ رَبَّکَ هُوَ یَحۡشُرُهُمۡ اِنَّهٗ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌO(۱)

'' اور یا رسول اللہ ﷺ آپ کا پروردگار انہیں جمع کرے گا بے شک وہ علم والا حکمت والا ہے۔''

سورۃ الحجر کی اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ قرآن مجید کے فلسفیانہ دانشمندانہ اسلوب کے تحت کافروں کے مسلمان نہ ہونے کے پچھتاوے، منکرین کی بستی کی تباہی، رسول اللہ ﷺ سے گستاخانہ بحث اور پہلے پیغمبروں کا استہزا کرنے والی قوموں کے انجام بتانے، شیطان سے آسمانوں کو محفوظ رکھنے اور زمین میں فصلوں، آسمان سے ہواؤں کے ساتھ بارش برسانے، زندگی اور موت کا مالک ہونے اور اپنے علم کی وسعت کا ذکر کرنے کے بعد اپنے آپ کو حکمت والا بتایا ہے۔ مراد یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات، ہر کام، ہر ادا میں کوئی نہ کوئی حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ بات خانقاہی نظام میں متوسلین کے ذہنوں میں پختہ کردی جاتی ہے۔ اور ان کو رجوع الی اللہ کا درس دیا جاتا ہے۔

سورہ النحل کی ایک آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کے حکیم ہونے کا ایک اور پہلو سامنے آتا ہے۔ یہ آیہٗ مبارکہ یوں ہے۔

(۱) سورۃ الحجر ، آیت ۲۵۔

لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ مَثَلُ السَّوۡءِ ۚ وَ لِلّٰہِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی ؕ وَ ہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ ○(۱)

''جن لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں ہے ان کا حال برا ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفات کیا ہی بلند ہیں اور وہ وہ غالب حکمت والا ہے۔''

اس آیت سے پچھلی آیات میں ہجرت کرنے والوں کے لئے آخرت میں بہترین ٹھکانے کی نوید کے ساتھ کافروں کی تدبیروں کے جواب میں عذاب کی نوید دی گئی۔ کافروں کو دو خدا بنانے، ناشکری کرنے، طومار باندھنے، بیٹی پیدا ہونے پر دکھ کرنے کا ذکر کرنے کے بعد آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کو بُرے حالات سے خبردار کیا گیا ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ اپنے غالب حکمت والا ہونے کا ذکر کرتا ہے جس سے اس کی غالب قوت اور منکرین کے انجام کی حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے۔

مندرجہ بالا چند آیات میں فرمائے گئے مختلف احکامات اور اُن میں پوشیدہ حکمتِ خداوندی کو بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے مگر پورا قرآن مجید اور اس میں دیئے گئے احکامات اور ان کی عملی تفسیر اسوہ حسنہ کی شکل میں لوگوں کے لئے مشعل راہ ہے خانقاہی نظام میں یہی حکمت اور اس میں پوشیدہ زندگی گزارنے کے طریق کی تعلیم اور تربیت دی جاتی ہے

---

(۱) سورۃ النحل ، آیت ۶۰۔

شریعت کے تناظر میں

طریقت ، حقیقت اور معرفت

شریعت کے تناظر میں

طریقت ، حقیقت اور معرفت

طریقت ،حقیقت اور معرفت سالکان راہ حق کی اصطلاحیں ہیں۔مگر لفظ تصوف اور طریقت کو ہم معنی لفظ بنا دیا گیا ہے۔ جبکہ طریقت کا لفظ طریق سے مشتق ہے جس کا معنی راستہ کے ہیں۔ جبکہ صوفی کی اصطلاح آج تک Define نہیں ہوسکی۔ دوسری صدی ہجری میں لوگ لباس کا استعمال اپنے اپنے معاشرتی رواج کے مطابق کرتے تھے ۔اسی دور میں ریشم و حریر مردانہ لباس میں استعمال ہوتا تھا۔ جبکہ ملامتی لوگ (وہ لوگ جو دنیاوی امور سے علیحدگی اختیار کئے ہوتے تھے)،ان کے مقابل اون سے بنے ہوئے غیر آرام دہ لباس کو علامت کے طور پر استعمال کرنا شروع کر دیا جس کی بنا پر ان لوگوں کو صوفی کہا جانے لگا۔ یقیناً اُن میں بھی اہل حق ہونگے جو شریعت کی مکمل پاسداری میں وقت گزارتے تھے مگر اسی دور میں اسی طرح کے لوگوں نے تصوف کی اصطلاح کو شریعت کے ہم معنی یا بالا دست کے طور پر متعارف کروایا جبکہ اہل حق نے کبھی بھی اپنے معمولات میں شریعت کو پس پشت نہیں ڈالا یہی وجہ ہے کہ ہمیں اہل حق کی جو تحریریں دستیاب ہیں ان میں کہیں بھی شریعت سے ہٹ کر کوئی بات نہیں ملتی۔

امام قشیری رسالہ قشیریہ میں صوفی ،صوف اور تصوف کے الفاظ کے بارے میں فرماتے ہیں۔

> ''لفظ تصوف کا ماخذ عربی زبان کی رو سے اس نام کی اصل کی شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے ،نہ اشتقاق سے ، واضح امر تو یہی ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے ۔ اب رہے وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ ''صوف'' سے اور ''تصوف'' سے نکلا ہے ۔کیونکہ عربی میں جب کوئی صوف کا لباس پہنے تو اس کے لئے تصوف کا لفظ بولتے ہیں ۔جس طرح قمیض پہننے کے لئے تقمص کا لفظ بولا جاتا ہے۔تو یہ اس کے اشتقاق کی ایک وجہ ہوسکتی ہے۔مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف نہ تھا۔(البتہ اکثر یہی پہنا کرتے تھے)**دوسرا قول**: جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ صوفی کا لفظ مسجد رسول اللہ ﷺ کے صفہ کی طرف منسوب ہے (تو یہ درست نہیں) کیونکہ صفہ کا اسم نسبت (صُفی آتا ہے) صوفی نہیں آتا۔ **تیسرا قول** : ان لوگوں کا قول جو اسے صفاء سے مشتق بتاتے ہیں ۔یہ لغت کے لحاظ سے بعید از قیاس ہے۔ **چوتھا قول** : جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ

یہ صف سے مشتق ہے۔ بایں معنی کہ اللہ کی بارگاہ میں حاضری کے باعث یہ لوگ اپنے دلوں کی وجہ سے صفِ اول میں ہیں تو یہ معنی تو درست ہیں مگر لغوی طور پر صف کا اسم نسبت (صفی آتا ہے) صوفی نہیں آتا۔ مزید برآں یہ لوگ (اس نام سے) اس قدر مشہور ہو چکے ہیں کہ اُن کے تعین کرنے میں نہ قیاس کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ اشتقاق کی۔''(۱)

کشف المحجوب میں تصوف کے باب میں سیّدنا علی ہجویریؒ نے قرآن مجید کی جس آیت کا حوالہ دیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ یوں ہے۔(۲)

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْناً وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُو اسَلٰمًاo.(۳)

ترجمہ:۔ اور رحمان کے بندے وہ ہیں کہ زمین پر بڑی سبک رفتار سے چلتے ہیں۔اور جب جاہل لوگ انہیں خطاب کرتے ہیں۔تو کہتے ہیں 'سلام'o

اس آیہ مبارکہ میں رحمان کے بندوں کی خوبی کو زمین میں سبک رفتار سے چلنے سے واضح کیا گیا ہے دوسرے معنوں میں علم اور عمل کی تمام نعمتوں کے حامل افراد زمین پر نہایت عاجزی سے خلقِ خدا میں موجود ہوتے ہیں۔ آپ یوں کہہ لیں کہ ان میں مومن کی صفات والے عالم باعمل، اہل تقویٰ، اولیاء اللہ ہیں۔ وہ جاہل لوگوں سے الجھتے ہیں نہ ہی بحث وتمحیص میں ملوث ہوتے ہیں۔ دامن بچاتے ہوئے 'سلام' کہہ کر گزر جاتے ہیں۔ کشف المحجوب میں صوفی کی بحث کو سمیٹتے ہوئے سیدنا علی ہجویریؒ یوں رقمطراز ہیں۔

''صوفی کی تعریف عبارت سے کرنا ممنوع ہے اور عالم کی ہر شے اس کی تعبیرات ہیں خواہ انہیں اس کا علم ہو یا نہ ہو، لہٰذا حصول معنیٰ کے لئے اس نام کی لفظوں میں تعریف کی مطلق حاجت نہیں ۔ (فہم و ادراک کے لئے اتنا جان لو کہ) مشائخ طریقت اور عارفان حقیقت کو صوفی کہتے ہیں اور مریدین و متعلقین اور سالکین کو متصوف''۔(۴)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۵۰۹ (۳) سورۃ ، الفرقان آیت ۶۳،

(۲) ہجویریؒ ، سید علی بن عثمان ، کشف المحجوب ، ترجمہ مفتی سید غلام معین الدین ندوی، اسلامک بک سروس ، لاہور ، ۲۰۱۳ ، ص ۹۴۔

(۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۹۹۔

اب ہم موجودہ دور کے محققین کے خیالات دیکھتے ہیں۔ڈاکٹر محمد امین اپنی کتاب 'اسلام اور تزکیہ نفس' میں اولین دور کے مختلف اہل علم اور اہل محبت بزرگان دین کے تصوف کے بارے میں اقوال لکھنے کے بعد حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کے الفاظ میں یوں رقمطراز ہیں۔

''تصوف کی ماہیت اور حقیقت کے بارے میں مشائخ کرام کے اقوال ایک ہزار سے بھی زیادہ ہیں، تمام کو نقل کرنا موجب طوالت ہوگا لہٰذا ہم ایک ایسا ضابطہ اور اس کی جامع تعریف بیان کرتے ہیں جو تصوف کے تمام معانی اور تشریحات پر حاوی ہو کیونکہ الفاظ خواہ مختلف ہوں مگر ان کا مفہوم قریب قریب یکساں ہے لہٰذا ہماری تعریف یہ ہے ''صوفی وہ ہے جو ہمیشہ تزکیہ نفس کرتا رہے اور اپنے قلب کو نفسانی آلائشوں سے صاف کر کے ہمیشہ اپنے اوقات کو کدورتوں سے پاک و صاف رکھے'' (۱)

اسی موضوع پر ڈاکٹر محمد امین اپنی کتاب میں علامہ اقبال کے حوالے سے ایک اور جگہ تحریر کرتے ہیں۔

''اقبال ایک بلند پایہ فلسفی تھے، خودی ان کے فلسفے کا مرکزی تصور ہے۔ جو ان کے ہاں قوت نفس اور رفعت روح سے عبارت ہے۔ اقبال معروف معنوں میں کوئی صوفی نہ تھے لیکن ان کے فکر و عمل پر تصوف کے گہرے اثرات تھے۔ اپنی ذاتی زندگی میں وہ سادگی پسند، قانع، نرم خو اور باطن پسند انسان تھے۔ فکری طور پر وہ رومی جیسے صوفی کو اپنا مرشد مانتے اور اس پر فخر کرتے تھے۔ مروجہ تصوف اور صوفیوں پر تو وہ تنقید بھی کرتے تھے لیکن صحیح تصوف اور صوفیوں کے مداح بھی تھے''(۲)

اولیاء اللہ یا اہل محبت اور اُن کا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا امین ہونے کا تصور تو تخلیق آدم سے ہی موجود ہے۔ نام اس کو کچھ بھی دیں لیکن ہر مذہب اور ہر دور میں یہ تصور مختلف اصطلاحات کے ساتھ موجود رہا۔ انگریزی میں صوفی کو Saint یا mystic اور تصوف کو Mysticism کے الفاظ سے بیان کیا جاتا رہا اور کیا جاتا ہے۔ آج کے دور میں کچھ نام نہاد Intellectuals جو نہ تو دین اسلام کے بارے میں کچھ جانتے ہیں اور نہ نماز، روزہ کی شکل ہی دیکھی ہے۔ مگر اس موضوع پر یہ باتیں ایسے کرتے ہیں جو بس باتیں ہوتی ہیں۔ یعنی جسے میں تصوف کا لفظ کہا کرتا ہوں محض گفتگو، ادھر اُدھر کی محض گفتگو، لاحاصل گفتگو اور ایک ایسے موضوع پر گفتگو جسے یہ لوگ جانتے

(۱) امین، ڈاکٹر محمد، اسلام اور تزکیہ نفس، اردو سائنس بورڈ، ۲۹۹، اپر مال، لاہور، طبع اول ۲۰۰۴، ص ۴۱۳۔
(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۱۷، ۵۱۸۔

نہیں ہیں، اس کا نام ہم نے تصوف رکھا ہوا ہے۔ اور ایسے ہی لوگوں نے آج کل ایک صوفی کونسل بنائی ہوئی ہے اوراس کا چیئر مین چوہدری شجاعت کو بناڈالا ہے۔ 'ماشاءاللہ'۔

بلاشبہ اہل اللہ یا اہل محبت کا طریقہ کار اور نظام قرآن وحدیث کی بنیاد پر ہے مگر تاریخی طور پر کچھ لوگ اہل محبت کے خانقاہی نظام کے بارے میں یا تصوف کے بارے میں اعتراض کرتے ہیں کہ اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ ڈاکٹر محمد امین نے اس موضوع پر ایسے لوگوں کے اعتراض پر مبنی ایک سوال خود ہی بنایا ہے اور خود ہی اُس کا جواب بھی تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تصوف کی ابتداء کے جلد ہی بعد صحیح اسلامی فکروعمل سے اس کے انحراف کی صورت کیوں پیدا ہوگئی؟''(۱)

اس سوال کا جواب بھی ڈاکٹر محمد امین نے کچھ یوں تحریر کیا ہے۔

''اس کا جواب بعض مستشرقین اور تصوف مخالف حضرات یہ دیتے ہیں کہ تصوف کی بنیاد ہی اسلام پر نہیں بلکہ یونانی افکار اور ایرانی فلسفے وغیرہ پر رکھی گئی تھی اس لئے اس کا غیر اسلامی رنگ اختیار کرنا فطری اور لابدی تھا۔ ہمارے رائے میں یہ بالکل بے وزن اور کمزور بات ہے۔ حضور اکرم ﷺ صحابہ کرام ؓ اور تابعین ؒ کی زندگی میں زہد وتقشّف کے جو آثار ہمیں نظر آتے ہیں اور جو کتابی ذرائع کے علاوہ نسل درنسل منتقل ہورہے تھے، تیسری صدی کے زمانے تک ان میں ایک واضح تسلسل نظر آتا ہے۔ پھر تیسری صدی ہجری میں اہل تصوف کہیں سے اچانک نہیں پیدا ہو گئے تھے بلکہ وہ شاگرد اور تربیت یافتہ تھے پہلی نسل کے زہاد ونساک کے۔ تیسرے یہ کہ تصوف کے بارے میں ابتدائی عہد کے صوفیاء کے جو اقوال ہم تک پہنچے ہیں، اور جن میں سے چند ایک کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں، انہیں دیکھنے کے بعد اس اتہام میں کوئی وزن ہمیں نظر نہیں آتا کہ تصوف کا منبع قرآن وسنت کی بجائے کچھ اور ہے۔''(۲)

کسی بھی موضوع پر تنقید کے لیے اُس سے متعلق مکمل علم کا ہونا انتہائی ضروری ہے۔ بغیر علم کے بے جا تنقید سراسر جہالت شمار ہوتی ہے طریقت میں مرشد یا شیخ کے بارے میں بھی ناقدین جعلی پیروں کے اعمال کو مدّ نظر

(۱) امین، ڈاکٹر محمد، اسلام اورتزکیہ نفس، اردو سائنس بورڈ، ۲۹۹، اپر مال، لاہور، طبع اول ۲۰۰۴، ص ۴۲۲۔
(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ کہ شیخ ومرشد اس طرح کا ہوتا ہے یا اس طرح کا ہونا چاہئے۔ اس سلسلے میں میں تو یہی کہوں گا کہ جو لوگ صحیح شیخ یا مرشد کی تلاش میں ہوتے ہیں۔ انہیں آج کے دور میں واقعی مشکل پیش آتی ہے مگر جن پہ اللہ کا کرم ہو انہیں اچھا اُستاد یا صحیح مرشد مل جاتا ہے۔ شرط صرف یہ ہے کہ اس تلاش میں نیت کا اخلاص شامل ہو۔

خانقاہی نظام میں اللہ تعالیٰ سے محبت، رسول اللہؐ سے محبت اور اسوہ حسنہ کی پیروی میں زیرِ تربیت خلق خدا کی بہتری ہی مطمع نظر ہوتی ہے۔ یہی بات پروفیسر یوسف سلیم چشتی تصوف کے ارکان سہ گانہ کے طور پر یوں بیان کرتے ہوئے ان اجزائے ثلاثہ میں منطقی ربط بھی ثابت کرتے ہیں لکھتے ہیں۔

''اسلامی تعلیمات کا خلاصہ تین لفظوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔محبت الٰہی ۲۔مکارم اخلاق ۳۔خدمت خلق'' (۱)

محبت الٰہی میں تین چیزیں اہم ہیں ان میں محبت، انداز محبت اور اطلاق محبت شامل ہیں۔ سب سے پہلے محبت کا معاملہ لیتے ہیں۔ حقیقی محبت قرب حاصل کرنے کا ذریعہ بنتی ہے۔ امام قشیری محبت کے موضوع پر یوں رقمطراز ہیں۔

> ''علماء کی اصطلاح میں محبت کے معنی ارادہ کے ہیں مگر صوفیاء کے ہاں محبت سے ارادہ مراد نہیں۔ کیونکہ کسی انسان کے ارادے کا تعلق (حق تعالیٰ کے ساتھ) جو قدیم ہے، نہیں ہوسکتا۔ ہاں البتہ اگر اللہ کے قرب حاصل کرنے اور اس کی تعظیم کرنے کا ارادہ مراد کیا جائے تو صحیح ہوسکتا ہے۔'' (۲)

ابونصر سراج طوسیؒ (م ۳۷۸ھ) مختلف اہل حق کے حوالے سے اپنی کتاب میں محبت کے موضوع پر یوں تحریر کرتے ہیں۔

> ''اور جیسا کہ سہل بن عبداللہؒ سے محبت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا دلوں کا اللہ سے موافقت کرنا، پھر اس موافقت سے چمٹا رہنا، رسول اللہ ﷺ کی تابعداری کرنا، اللہ کے ذکر سے والہانہ لگاؤ رکھنا اور اللہ سے مناجات کرنے سے حلاوت محسوس کرنا، محبت کہلاتا ہے''۔ (۳) ''حسین بن علیؓ سے محبت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔ اپنی پوری کوشش صرف کردینا پھر محبوب جو چاہے کرے''۔ (۴)

(۱) چشتی، پروفیسر یوسف سلیم، تاریخ تصوف، ص ۱۲۹۔

(۲) قشیری، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن، رسالہ قشیریہ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۵۶۸۔

(۳) طوسی، ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۶، ص ۱۰۲۔

(۴) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۰۳۔

ابونصر سراج طوسیؒ محبت کے موضوع پر ہی کچھ اور حوالوں سے مزید تحریر کرتے ہیں۔

''ابراہیم خواص سے محبت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔ ارادوں کا مٹ جانا اور تمام صفات اور حاجات کا جل جانا محبت ہے''۔(۱)

''جنیدؒ سے محبت کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا۔ محبت کی صفات کے عوض محبوب کی صفات کا داخل ہو جانا۔(۲)

محبت کا ایک انداز یہ ہے کہ محبّ ہمہ وقت محبوب کی خوشی اور رضا کا متلاشی رہتا ہے وہ ہر وہ کام کرنے کی کوشش کرتا ہے جو اس کے محبوب کو اچھا لگے۔ ایمانیات کے تقاضوں میں جہاں محبت الٰہی ہر شے سے بلند و برتر ہے وہیں ذات سید کائنات ﷺ کی محبت بھی اہل ایمان کے لئے سرمایہ جان ہے۔ اس محبت کے انداز کو اگر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں دیکھنا ہو تو حضرت عمر فاروقؓ جیسی شخصیت نماز میں ایک مخصوص سورۃ پر روز تلاوت کرنے پر گردن مارنے کا حکم دیتی ہے جس میں نبی اکرم ﷺ کیلئے اللہ تعالیٰ کے ہاں سے سخت الفاظ نازل ہوئے۔

مکہ میں اعلان نبوت ہو یا احد کا میدان، بیوی کی خاوند سے علیحدگی کے مطالبے کی بات ہو یا کچھ انصار نوجوانوں کا زیر لب مال غنیمت کی تقسیم پر بات کرنا ہو۔ نبی کریم ﷺ کا جنگ کیلئے مال طلب کرنا ہو یا مال فئی کی تقسیم کا معاملہ۔ غرض جہاں بھی نظر ڈالی جائے ہر صحابیؓ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لئے محبت کا ایک جہاں دل میں بسائے ہوئے ملے گا اور ان کی یہ محبت اللہ کی خاطر ہی تھی۔ حضرت عمر فاروقؓ کا یہودی کے مقابل مسلمان کو نبی اکرم ﷺ کا فیصلہ نہ ماننے پر قتل کر دینا حب رسول ﷺ کی ایک ارفع مثال ہمارے سامنے آتی ہے۔ اہل حق کے نزدیک ایمانیات میں محبت الٰہی ایک بنیادی جز یا عنصر ہے۔ پھر یہ کہ محبت الٰہی کی بنیاد کیسے ہو گی؟ کیسے ملے گی؟ عمل پیرا کیسے ہونگے؟ اس کا قاعدہ قرینہ قرآن مجید نے بہت سے مقامات پر دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (۳)

ترجمہ: ''ہاں جو ایمان والے ہیں ان کی محبت تو اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے کہیں زیادہ شدید ہے''

(۱) طوسی، ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۶، ص ۱۰۳۔

(۲) ایضا ایضا ایضا ص ۱۰۴۔

(۳) سورۃ البقرہ، ص ۱۶۵۔

اس آیہ مبارکہ کے تفسیری نکتے کو حضرت سیّد محمد وجیہ السیما عرفانیؒ نے یوں واضح فرمایا ہے۔

''ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یُحِبُّھُمْ وَ یُحِبُّوْنَہٗ،(۱) کہ ایمان والے لوگ وہ ہوتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے محبت فرماتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھا کرتے ہیں۔قرآن حکیم کی ان آیات کریمہ سے یہ باتیں معلوم ہوئیں کہ محبت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے، محبت ہی شرطِ ایمان ہے۔ یہ محبت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ کی محبت کا جہاں تک تعلق ہے اس کا نکتہ یہ ہے کہ اس کا مبدا یعنی مرکزِ آغاز خود ذاتِ حق تعالیٰ، یُحِبُّھُمْ، یہ پہلے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان سے محبت کرتا ہے تب اس کا پرتو یہ ہوتا ہے کہ یُحِبُّوْنَہٗ، اہل ایمان اس تعالیٰ سے محبت رکھتے ہیں''۔(۲)

محبت الٰہی میں پہلے نمبر پر آنے والے عنصر محبت کی مختصر تفصیل اوپر دی جا چکی ہے۔دوسرے نمبر پر اندازِ محبت آتا ہے۔محبّ اور محبوب کے تعلق میں ایک یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ محبت میں اچھائی ہی سامنے رکھی جاتی ہے اور چونکہ محبوب ایسی ہی صفات کا حامل ہوتا ہے، جو محبّ کو اس دنیا میں کہیں نظر نہیں آتیں۔تو محبّ محبوب کی ہر اچھی بات کی پیروی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔اب اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ محبت کرنے والوں کے لئے جو طریقہ فرمایا ہے۔قرآن مجید اس کو یوں فرماتا ہے۔

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ اللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ(۳)

ترجمہ :''یا رسول اللہ ﷺ آپ ارشاد فرمادیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو چاہتے ہو تو میری اتباع کرو اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی رحمتوں والا ہے۔''

(۱) سورۃ المائدہ آیات ، ۵۴۔
(۲) عرفانیؒ ،سیّد محمد وجیہ السیما ، ماہنامہ سیما ، مئی ۱۹۹۲ ، ص ۶ ، ۷
(۳) سورۃ آل عمران ،آیات ۳۱۔

اس آیہ مبارکہ کی وضاحت بھی حضرت سیّد محمد وجیہ السیما عرفانیؒ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

"قُل، یعنی اے حبیبِ مکرّم، اے رسول خاتم النبیین ﷺ، آپ کائنات میں اعلان فرمادیجئے کہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ، اگر ایسا ہے، کہ تم اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو، تو اس کا مظہر، اس کا پرتو اور اس گہرے قلبی جذبے کا ثبوت یہ ہوسکتا ہے اور یہی ہوگا، کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ، میری یعنی حضور سیّد المرسلین ﷺ کی اتباع میں رہو، اس طرزِ عمل کا صلہ یا حاصل یا نتیجہ یہ ہوگا، کہ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ، اللہ تبارک وتعالیٰ تم سے محبت فرمائے گا، یہ اس وجہ سے ہوگا، کہ تم اس کے حبیب مطلق ﷺ کی اتباع میں ہوگے، تو حضور اکرم ﷺ کی محبوبیت تمام کے صدقے میں اور انہی کی نسبتِ رحمت کے باعث تم اللہ تعالیٰ کی محبت سے نوازے جاؤ گے اس سے قرآن حکیم کی پہلے بتائی ہوئی آیہ مبارکہ کا یہ مطلب واضح ہوا، کہ یُحِبُّوْنَہ، اللہ تعالیٰ کی محبت یا اس سے محبت یہ ہے، کہ حضور رسول اکرم ﷺ کے دامن رحمت سے ایمان وابستہ اور اتباع پیوستہ رہے"۔(۱)

اب اتباع رسول اللہ ﷺ بنیاد بنی محبت الٰہی کی۔ مگر اتباع رسول اللہ ﷺ کی بنیادی شرط ایمان ہے اور ایمان کیا ہے اور صاحب ایمان کون ہے؟ اس کو حضور اکرم ﷺ نے اپنے ایک ارشادِ مبارک میں خود یوں فرمایا ہے۔"لایومن احد کم حتیٰ اکون احب الیہ من والدہٖ و ولدہٖ و الناس اجمعین".(۲) یعنی لوگو، تم میں سے کوئی ایک بھی شخص اس وقت تک صاحبِ ایمان ہرگز نہیں ہوسکتا جب تک رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ عالی اس کیلئے اس کے باپ، اس کے بیٹے اور تمام تر کائنات سے کہیں زیادہ محبوب ترین نہ ہو۔اس حدیث پاک میں پوشیدہ تفسیری نکتہ حضرتِ عرفانیؒ نے یوں فرمایا ہے۔

"اس حدیثِ پاک سے آیہ کریمہ اشد حبًا اللہ، کا یہ معنےٰ کھلا، کہ الذین اٰمنوا، صاحبِ ایمان وہی ہوسکتے ہیں، کہ اللہ کی خاطر ان کی محبت شدید تر ہو، اور اس شدید تر، غالب تر اور تمام تر محبت کا منتہا ہوں حضور نبی اکرم، سیّد المرسلین رحمتہ اللعالمین ﷺ۔ یہی طرز ہے اللہ سے محبت کی اور یہی طریق ہے اللہ تعالیٰ سے محبت کا، اسی سے ایمان قائم ہوتا ہے"(۳)

(۱) عرفانیؒ، سیّد محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، مئی ۱۹۹۲، ص ۷، ۸

(۲) بخاری، جلد اوّل، باب ایمان کا بیان، حدیث ۱۴۔

(۳) عرفانیؒ، سیّد محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، مئی ۱۹۹۲، ص ۸، ۹

اور اللہ تعالیٰ کی خاطر شدید ترین محبت کرنے والے اہل ایمان کون ہیں ؟ یہ انداز محبت کا دوسرا رخ تھا جس کی گزشتہ صفحات میں مختصر وضاحت کی گئی۔ اب اندازِ محبت میں اللہ سے محبت کا تیسرا رخ لیتے ہیں کہ اس سے محبت کے لئے اس کے احکامات پر عمل کرنا، اس کی مکمل اطاعت اور پیروی کرنا، اپنے آپ کو اس کی بارگاہ میں مکمل انداز میں سپرد کرنا اس کی بنیادی شرائط ہیں۔ اس کی رضا جاننے کے لئے اس کی بارگاہ میں عبودیت کا انداز اختیار کرنے کے لئے قرآن مجید نے جو حکم دیا ہے وہ یوں ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ (۱)

ترجمہ: "جس کسی نے رسول اللہ ﷺ کی فرماں برداری کی تو یقین رکھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ ہی کی فرماں برداری کی۔

اس آیہ مبارکہ کی تفسیر حضرت عرفانیؒ نے یوں بیان فرمائی ہے۔

"اس آیتِ کریمہ کا معنی یا مفہوم یوں بھی کہا جا سکتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں وہی ہے جو رسول کی اطاعت میں ہے اور جس نے رسول اللہ کی اطاعت کی ﷺ، اسی نے اور بے شبہ اس نے اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی ہے۔ اس اطاعت کا تعلق چونکہ اندرونِ مزاج وضمیر سے ہے اس لئے قرآن حکیم میں ایک مقام پر اس طرح فرمایا کہ فَلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا o (۲) یعنی اے سرور انبیاء ﷺ، یہ لوگ صرف اس شرط پر صاحبِ ایمان ہوں گے کہ اپنے معاملات میں آپ ﷺ کو حکم بنائے رکھیں، پھر آپ جو بھی، جو کچھ بھی اور جس طرح بھی فیصلہ فرمائیں، وہ اسے دل سے تسلیم کریں اور اس پر بھر پور عمل کریں لیکن اس انداز سے، کہ اپنے مزاجوں میں اپنے اندرون میں حضورِ اکرم ﷺ کے کسی بھی ارشاد و فرمان کے بارے میں کوئی خرخشہ اور کوئی ذراسی بھی تنگی یا مجبوری یا پسند سے ہٹ کر کوئی احساس پیدا ہی نہ ہونے دیں۔ قرآن حکیم نے اس انداز کو ایمان کی شرط بتایا اور اسی انداز کا نام ہے اطاعت (۳)

(۱) سورۃ النساء، آیات ۸۰۔

(۲) سورۃ النساء، آیات ۶۵۔

(۳) عرفانیؒ، سیّد محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، ستمبر ۱۹۹۲، ص ۳۵، ۳۶

یہاں ہم اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے لئے ایمان کے بعد سب سے اہم ظاہری عمل نماز کو لیتے ہیں۔
نماز انداز عبودیت کا مکمل اور جامع ترین عمل ہے۔اس کے لئے ذات سید کائنات ﷺ نے (اس انداز کو اختیار کرنے کے لئے) جو طریقہ ارشاد فرمایا وہ یہ ہے۔
'' اصلو کما رایتمونی أصلی'' (۱) یعنی نماز اس طرح پڑھو جس طرح مجھے پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔اُسی طرح روزہ اور حج کے لئے ہر باایمان نے وہ طریقہ اختیار کرنا ہے جس طرح آپ ﷺ نے ادا فرمایا جب زکوٰۃ کے بارے میں قرآن مجید میں جو احکامات دیئے گئے ہیں ان احکامات کی جو عملی تفسیر اسوہ حسنہ سے ملتی ہے اُسی پر عمل پیرا ہونا ہوتا ہے۔روزہ کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یَآاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کُتِبَ عَلَیۡکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ لَعَلَّکُمۡ تَتَّقُوۡنَ (۲)

ترجمہ: '' اے ایمان والو روزے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے تم پر بھی فرض کردیئے گئے ہیں تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ''۔

روزہ سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔روزہ جہاں رمضان کے مہینے میں فرض ہے اور اس کے احکامات اس کی فضیلتیں بے شمار مقامات پر فرض کی گئیں وہیں روزہ کفارے کے طور پر جس میں قتل خطا، ظہار، حج کے موقع پر (متمتع حاجی کے لئے) قربانی کے جانور کی عدم دستیابی، نکاح کی استطاعت نہ رکھنے پر روزے کا حکم فرمایا۔حج کے حوالہ سے، حج کی فرضیت کا اعلان جب ہوا۔اور کسی صحابی نے جب یہ سوال کیا۔کہ کیا حج ہر سال فرض ہے۔تو آپ نے دو دفعہ طرح دینے کے بعد تیسری دفعہ پر ارشاد فرمایا۔کہ اگر میں تم سے ہاں کہہ دیتا تو تم پر ہر سال فرض ہو جاتا (۳)۔پھر یہ کہ خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

''دفعہ ۴۸'':۔ ''دیکھو! ۱۔ جو یہاں موجود ہے وہ غیر حاضر تک (میری) یہ سب باتیں (ضرور) پہنچادے''۔

''۳۔سن لو! تم میں سے جو یہاں قریب ہیں (ان کے لیے لازم ہے کہ) اپنے دور والوں (بعد میں آنے والے لوگوں) تک یہ (تمام) باتیں پہنچادیں''۔(۴)

(۱) مشکاۃ ، جلد چہارم ، باب غصہ اور تکبر کا بیان ، حدیث ۱۰۱۴۔
(۲) سورۃ البقرہ آیات ۱۸۳
(۳) سید مسلم ، جلد دوم ، باب حج کا بیان ، حدیث ۷۶۴۔
(۴) احمد ، ڈاکٹر نثار ، ترجمہ خطبہ حجۃ الوداع ، بیت الحکمت ، لاہور ، ۲۰۰۸ ، ص ۱۹۶

خانقاہی نظام میں یہ ارشادات عالیہ، ان کی اہمیت، ان کی حکمت، اور ان پر عمل کو ایمان کا حصہ بنانا ذہن نشین کرایا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ یہ بھی تعلیم دی جاتی ہے کہ یہ تمام نعمتیں اللہ کی رضا، اس کی خوشنودی، اس کو خوش کرنا، اس کو خوش کرنے کی کوشش کرنا، یہ اتباع رسولِ کائنات ﷺ میں ہیں۔

تیسرے نمبر پر اطلاق محبت کے معاملات میں محبّ محبوب کی خوشنودی کے لئے اپنے آپ کو اس کی خواہش یا مرضی کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کرتا ہے یا کرے گا۔ یعنی اطلاق محبت یہ ہے کہ محبّ اپنے آپ کو محبوب کی مرضی میں مکمل طور پر ڈھال لے۔ چونکہ مومن کے لئے محبت الہٰی اور رجوع اِلَی اللہ ایمان کی بنیادی شرط ہے۔ تو محبت الٰہی کی عملی شکل کیا ہے۔ یہ گزشتہ سطور میں واضح کر دیا گیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف رجوع کرنے والوں کو رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔ اور آپ ﷺ کے ادب کا بھی خیال رکھنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (۱)

ترجمہ:۔ ”اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے آگے مت بڑھا کرو اور اللہ تعالیٰ کی پرہیز گاری میں رہا کرو بے شک اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے ۝ اے ایمان اپنی آوازیں حضور نبی اکرم ﷺ کی آواز سے اونچی نہ ہونے دیا کرو اور حضور ﷺ سے یوں اونچے اونچے بات نہ کیا کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے گفتگو کیا کرے ہو اگر تم نے ایسا کیا تمہارے تمام کے تمام اعمال بے کار کر دے جائیں گے اور تمہیں اس کا شعور بھی نہیں ہوگا“۔ ۝

ان آیات میں ایمان والوں کو انتہائی محتاط رہنے کا حکم سنایا گیا ہے جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے کسی بھی معاملے میں حدود کو پھلانگنے سے منع کر دیا گیا ہے۔ اس سے آگے جو لوگ اپنے اسلام لانے پر یا مسلمان ہونے پر تکبر کرتے ہیں۔ اور اسے اپنی خوبی یا اپنی کاوش یا محنت قرار دیتے ہیں۔ تو ان کے لئے قرآن مجید نے یوں فرمایا ہے۔

(۱) سورۃ الحجرات ، آیات ۱ ، ۲۔

یَمُنُّونَ عَلَیْکَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لاَ تَمُنُّوا عَلَیَّ اِسْلاَمَکُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْکُمْ اَنْ هَدٰاکُمْ لِلْاِیْمَانِ اِنْ کُنْتُمْ صَادِقِیْنَ o اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ o (۱)

ترجمہ:۔ ''اے رسول برحق ﷺ یہ لوگ آپ ﷺ کو اس بات کا احسان جتاتے ہیں کہ اسلام لے آئے ہیں آپ ﷺ ارشاد فرمایئے کہ تم مجھے اپنے مسلمان ہونے کا کوئی احسان نہ جتاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہیں یہ احسان جتاتا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کے راستے پہ چلایا ہے اگر تم سچے ہو o یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی بات کو جانتا ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے'' o۔

مندرجہ بالا آیات میں سے یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے۔ کہ ہر اچھا عمل ہر نعمت ، عزت و توقیر اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہے ، مسلمانوں کو اپنے عجز میں رہنے کی تلقین ہے۔ اور پھر یہ کہ دنیا کہ سامنے کوئی عیب یا منافقت نہ بھی ظاہر ہو تو اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے ۔ کہ وہ ہر چھپی ہوئی بات کو جانتا ہے۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔ تو اطلاقِ محبت یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پیروی کے لئے رسول اللہ ﷺ کے اسوہ حسنہ پر عمل اس طرح ہو۔ کہ آداب کا بھی خیال رہے اور رسول اللہ ﷺ سے کسی پہلو میں بھی آگے بڑھنے کا خیال نہ سوچ میں ہو۔ نہ عمل میں ہو۔ خانقاہی نظام اور طریقت میں انہی بنیادوں پر تعلیم دی جاتی ہے۔

مکارم اخلاق

اہل حق کے ہاں طریقت میں محبت الٰہی کے بعد دوسرا عنصر جسے آپ زبان عام میں تصوف کا عنصر کہہ لیں، مکارم اخلاق ہے۔ انسان کا زندگی میں ہر موقع پر کیا عمل ہونا چاہیے۔ اس کی تعلیم قرآن مجید میں موجود ہے۔ اور کیسے عمل کرنا ہے اس کی رہنمائی اسوۂ حسنہ سے ملتی ہے۔ انسانی زندگی میں اخلاقیات اتنی اہم ہیں کہ شاید کیا یقیناً انسان کا کامیابی و ناکامی پر پوری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ o (۲)

ترجمہ:۔ بے شک آپ ﷺ بڑی عظمتوں والے اخلاق کے حامل ہیں۔

(۱) سورۃ الحجرات ، آیات ۱، ۲۔

(۲) سورۃ قلم ، آیات ۴ ۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اخلاق حسنہ پر آخری بات فرمادی ہے۔ اور بنی نوع انسان کے لئے اخلاقیات کا معیار مقرر فرمادیا ہے۔ اور خاص طور پر مومنین کو اپنے حبیب مکرّم رسولِ برحق، خاتم النبیین ﷺ کی طرف متوجہ کرایا ہے۔ کہ اخلاقیات کی تربیت حاصل کرنے لئے اسوۂ حسنہ پر عمل پیرا ہو۔ اب خود رسول اللہ ﷺ اپنے بارے میں کیا ارشاد فرماتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخلَاقِ

یعنی میں بھیجا ہی اس لئے گیا ہوں یا میری رسالت کا مقصد یا مشن ہی یہ ہے کہ میں بہترین اخلاق کی تکمیل کروں۔

خانقاہی نظام میں متوسلین اور زیر تربیت افراد کو قرآن وحدیث کے اسی پس منظر میں حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے ہر پہلو میں نمایاں عمل کو سامنے رکھ کر درس دیا جاتا ہے۔ میں مختصراً رسول اللہ ﷺ کے عمل مبارک کی دو یا تین روشن مثالین تحریر کرونگا۔ مکہ مکرمہ سے کتنی تکالیف کفار نے پہنچائیں۔ مگر جب مکہّ فتح ہوا تو عمل مبارک کیا تھا۔ یہ حضرت عرفانیؒ کے الفاظ میں پیش ہے۔

> ''مکہّ مکرّمہ مین دشمنوں نے کیا کیا تکلیف نہیں پہنچائی ، جب صحابیوں نے گزراش کی کہ ان کے لئے بددُعا کریں تو ارشاد فرمایا کیسے بددُعا کر سکتا ہوں کیونکہ میں تو رحمتہ للعالمین ہوں، اور جب مکہّ فتح ہو گیا تو وہی دشمن سر جھکائے سامنے تھے، کیسا بے مثال کردار ہے کہ اعلان فرمادیا لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ ، جاؤ آج میں نے تم سب کو معاف کردیا ہے''۔(۱)

رسول اکرم ﷺ کی رحمدلی اور اخلاق کی بے شمار مثالیں ہیں۔ مگر سپرٹ آف اسلام کے مصنف سید امیر علی (P.C, LLD, D.L, C.I.E) کے الفاظ میں دو تین واقعات تحریر ہیں۔

"Endless instances might be cited of Mohammed's merciful nature. We will, however, only instance two. A daughter of his- a beloved child - was, after the treaty of Hudaibiya ,fleeing form Mecca. She was far advanced an pregnancy, and as she was

(۱) عرفانیؒ ،سیّد محمد وجیہ السیما ، ماہنامہ سیما ، ستمبر ۱۹۹۲ ، ص ۷۔

mounting her camel a Koreish named Habrar, with characteristic ferocity, drove the butt end of his lance against her, throwing her to the ground, and eventually causing her death. On the conquest of Mecca the murderer was pro - scribed. After Prophet, and threw himself on the mercy of the bereaved father. The wrong was great; the crime was atrocious - but the injury was personal. The man was to all appearance sincere in his penitence and the profession of the Faith. Pardon was unconditionally granted. The Jewess who attempted his life at Khaibar, and Ikrima, the son of Abu Jahl who was bitterly personal in his animosity towards the Prophet, were freely forgiven".(1)

ترجمہ:۔ ''آنحضرت ﷺ کی رحمدلی کی بے شمار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں، لیکن ہم صرف دو مثالوں پر اکتفا کریں گے۔ انحضرت ﷺ کی ایک صاحبزادی، جو آپ ﷺ کو بہت عزیز تھیں، صلح حدیبہ کے بعد مکے سے ہجرت کر رہی تھیں۔ وہ اس وقت حاملہ تھیں۔ جب وہ اونٹ پر سوار ہو رہی تھیں تو ہبار نامی ایک قریش نے اپنے نیزے کا دستہ ان کے اس زور سے مارا کہ وہ گر کر زمین پر آ رہیں اور اس کے نتیجہ میں کچھ مدت کے بعد وفات پا گئیں۔ فتح مکہ کے بعد ہبار کو اشتہاری قاتل قرار دیا گیا۔ کچھ دنوں تک رُو پوش رہنے کے بعد وہ خود بخود آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے رحم کا ملتجی ہوا۔ اس کا جرم نہایت سنگین تھا، لیکن آنحضرت ﷺ کو جو صدمہ پہنچا تھا وہ ذاتی تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قاتل اپنے کیے پشیمان ہے اور سچے دل سے ایمان لایا ہے۔ چنانچہ اسے غیر مشروط طور پر معافی دے دی گئی۔ اسی طرح ایک یہودن جس نے آنحضرت ﷺ کو خیبر میں زہر دیا اور عکرمہ بن ابو جہل جسے آنحضرت ﷺ سے شدید ذاتی دشمنی تھی، دونوں معاف کر دیئے گئے''۔(۲)

(1) Ali , Syed Ameer , The Spirit Of Islam , Christopher's , 40 William , IV Street London, W. C. 2 January 1961. P 85 , 86.

(۲) حسین ، محمد ہادی ، اردو ترجمہ روح اسلام ، ادارہ ثقافت اسلامیہ ، ۲ کلب روڈ لاہور ، ۱۹۸۸ ، ص ۱۸۰ ، ۱۸۱۔

حضرت رسول اکرم ﷺ کے حسنِ اخلاق اور رحمدلی کا ایک اور اہم واقعہ ممتاز شاعر کعب بن زہیر کی معافی کا ہے۔ جسے قتل کرنے کے احکامات جاری ہو چکے تھے۔ سید امیر علی نے اس واقعہ کو بھی اپنی کتاب سپرٹ آف اسلام، شائع شدہ جنوری ۱۹۶۱ لندن کے صفحہ نمبر ۱۰۶ ، ۱۰۷ پر تحریر کیا ہے اُس کا ترجمہ محمد ہادی حسین کی کتاب روح اسلام سے پیش کیا جاتا ہے۔

''قبلہ مزینہ کا ایک ممتاز شاعر کعب بنِ زُہیر اپنے قبیلے کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکایا کرتا تھا۔ اور اس لیے وہ واجب القتل قرار دیا گیا تھا۔ کعب کے بھائی نے جو مسلمان ہو چکا تھا، اسے بُت پرستی ترک کرنے اور اسلام قبول کرنے کی تاکید کی۔ کعب اس تاکید پر عمل کر کے خفیہ طور پر مدینے میں آیا اور مسجد نبوی ﷺ میں پہنچا۔ وہاں اس نے دیکھا کہ بہت سے عرب ایک شخص کے گرد بیٹھے انتہائی تعظیم و تکریم سے اس کی باتیں سن رہے ہیں۔ اس نے فوراً پہچان لیا کہ یہی رسولِ ﷺ خدا ہیں۔ اور صفوں کو چیرتا ہوا آنحضرت ﷺ کے قریب گیا اور بولا ،''یا رسول اللہ ﷺ ! اگر میں کعب کو مسلمان بنا کر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر کردوں تو کیا آپ ﷺ اسے معاف فرما دیں گے۔؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ہاں''۔ یہ سن کر کعب نے کہا'' میں ہی کعب بن زہیر ہوں'' مجمع میں سے کئی لوگوں نے اسے قتل کرنے کی اجازت چاہی۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''ٹھہرو! اسے امان دے چکا ہوں'' اس کے بعد کعب نے اجازت لے کر ایک قصیدہ پڑھا، جو ہمیشہ عربی شاعری کا شاہکار سمجھا گیا ہے''۔(۱)

سید امیر علی نے اپنی کتاب سپرٹ آف اسلام کے ص ۱۰۷ کے فٹ نوٹ میں اس وقعہ کی مزید تفصیل تحریر کی ہے۔ جو محمد ہادی حسین کے ترجمہ روح اسلام کے صفحہ ۲۰۵ کے فٹ نوٹ میں ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

''یہ قیصدہ اپنے شروع کے الفاظ کی مناسبت سے قصیدہ بانت سعاد کہلاتا ہے۔ تشبیب میں شاعر اپنی کتاب کا دردناک قصہ بیان کرتا ہے۔۔۔۔۔۔گریز کے بعد قصیدہ مدِح رسول ﷺ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ قصیدے کے الفاظ میں شروع سے آخر تک ایک ایسی شوکت و بلند آہنگی ہے جو بعد کی عربی شاعری میں نہیں پائی جاتی''۔

(۱) علی ، سید امیر ، دی سپرٹ آف اسلام ، محمد ہادی حسین ، اردو ترجمہ 'روح اسلام' ، ص ۲۰۴ ، ۲۰۵۔

الحان کے زیر و بم کو بڑی عمدگی سے قائم رکھا گیا ہے۔ جب کعب اس بیت پر پہنچا جو اس باب کا زیبِ عنوان ہے۔ تو آنحضرت ﷺ نے اپنا خرقہ اُتار کر اسے دے دیا جو بعد میں کعب کے خاندان نے چالیس ہزار درہم میں امیر معاویہؓ کے ہاتھ بیچ دیا اور بنی اُمیّہ اور بنی عباسؓ کے قبضے میں رہنے کے بعد اب سلطنت عثمانیہ کے پاس محفوظ ہے''۔ (مصنف کی کتاب سپرٹ آف اسلام کا پہلا ایڈیشن ۱۹۲۲ میں لندن میں شائع ہوا) (۱)

طریقت میں خانقاہی نظام کے تحت متعلقین، متوسلین یا مریدین کی تربیت کے دوران ان واقعات میں رسول اکرم ﷺ کی رحمدلی اور تحمّل و برداشت کے سنہری واقعات اور ان میں پوشیدہ فلسفہ اور اس عمل مبارک کے مومنین اور غیر مسلموں پر دوررس اثرات اور نتائج ذہن نشین کرائے جاتے ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے کیا فرمایا۔ یہ حضرت عرفانیؒ کی تحریر میں ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں۔

''اس سلسلے میں سب سے خوبصورت بات اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے فرمائی، اُن سے پوچھا گیا، کہ آپ یہ بتائیں کہ حضورِ اکرم ﷺ کے اخلاق کیسے تھے، اُنھوں نے فرمایا۔

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰن

یعنی قرآنِ مجید میں انسانیت کی بلندی، کردار کی عظمت اور اخلاق کی بہتری کے لئے جتنے احکام اور ارشادات اللہ تعالیٰ نے فرمائے ہیں۔ ان سب کو زندہ مجسّم سامنے دیکھنا ہو تو حضور ﷺ کو دیکھ لو، اور حضور ﷺ کے اخلاق کی تشریح دیکھنی ہو تو قرآنِ حکیم کو پڑھ لو'' (۲)

(۱) علی، سید امیر، دی سپرٹ آف اسلام، محمد ہادی حسین، اردو ترجمہ 'روح اسلام'، ص ۲۰۵۔

(۲) عرفانیؒ، سیّد محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، ستمبر ۱۹۹۲، ص ۸۔

خدمتِ خلق

تصوف یا خانقاہی نظام کے تین ارکان میں سے محبت الٰہی اور مکارم اخلاق پر مختصراً تحریر کر دیا ہے ۔ اب طریقت یا تصوف کے تیسرے رکن خدمت خلق پر چند گزارشات پیش ہیں شیخ سعدیؒ نے کیا خوب کہا۔کہ

طریقت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست

قرآن مجید کا موضوع انسان ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی اس کتاب میں اوّل سے آخر تک بہ زبانِ سید کائناتﷺ کبھی پوری انسانیت کو مخاطب کیا گیا ہے۔کبھی مومنین کو اور کبھی منکرین یعنی کفار کو۔ اس میں واضح الفاظ میں صحیح اور غلط اعمال کی تشریح کر دی گئی ہے۔سابقہ اقوام امتوں اور انبیا کرامؑ کے قصےّ بنی نوع انسان کے لئے سبق آموز بنا کر پیش کئے گئے ۔ان تمام واقعات کے علاوہ اوامرونواھی میں خلق خدا کی بہبود ہی مقصود ومطلوب رہی۔پروفیسر یوسف سلیم چشتی اس موضوع پر رقمطراز ہیں۔

”خدمت خلق کی جس قدر صورتیں ممکن ہیں صوفیائے کرامؒ نے ان سب پر عمل کر کے دکھا دیا ہے۔ ان کی زندگیاں خدمت خلق کے لیے وقف ہو گئی تھیں ۔ انھوں نے لاکھوں انسانوں کو شیطان کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں داخل کیا یعنی ان کی زندگی کو با مقصد بنا دیا واضح ہو کہ دراصل کارنبوت یہی ہے ۔ انبیاءؑ نے ساری عمر یہی کیا اور ساری عمر یہی کہا کہ”اُعْبُدوا اللہ وَ اجْتَنِبُو الطَّاغُوْتَ“یعنی اے اللہ کے بندو! اللہ کی اطاعت کرواور شیطان سے اجتناب کرو“۔(۱)

خانقاہی نظام کے تحت ہمہ پہلو خدمت خلق کا عمل دین اسلام کی پہلی خانقاہ مسجد نبویﷺ کے نظام کی پیروی میں حضرت علی المرتضیٰ کرم وجہہ الکریم کے خلیفہ حضرت امام حسن بصریؒ سے ہی شروع ہو گیا تھا۔اور تعلیم وتعلّم کے ساتھ ساتھ ،طب ،اور دیگر علوم ،لنگر خانہ ،متوسلین کے لئے رہائش کے انتظامات تعداد کے مطابق کئے جاتے رہے۔ڈاکٹر نثاراحمد فاروقی اس سلسلہ میں رقمطراز ہیں۔

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۱۳۷ ، ۱۳۸۔

''جب وسطِ ایشیا اور مغربی ایشیاء میں تصوف ایک منظّم تحریک بن گیا اور مختلف سلسلے شائع ہو گئے تو مریدوں اور مسترشدوں کی خاصی تعداد خانقاہوں میں رہنے لگی اور ان کو'' جماعتِ خانہ'' کہا گیا۔ یہ لفظ خود دلالت کر رہا ہے کہ ایک بڑی تعداد ہے جو کسی جگہ رہ رہی ہے پھر یہ ہوا کہ جماعت خانہ خانقاہ کا ایک حصہ بن گیا۔ یعنی خود خانقاہ ایک بڑا ادارہ ہے، جس کے شعبہ جات یا جماعت خانہ ہے، لنگر خانہ ہے، توشہ خانہ ہے اور بعض خانقاہوں میں سماع خانہ بھی ہے''۔ (۱)

تاریخ گواہ ہے کہ اولیاء اللہ نے رسولِ اکرم ﷺ کے فرمودات اور سنتِ مبارک کی پیروی میں خلقِ خدا کی نہ صرف جہالت کے اندھیروں سے نکال کر دینِ اسلام کی روشنی سے منور کیا اور بلا امتیازِ مذہب وملت ہر طرح کی سماجی ضروریات اور مشکل حالات میں آسانیاں حاصل کرنے کی طرف رہنمائی بھی کی بلکہ پوشیدہ اور ظاہری طور پر معاشرے کے نادار اور مفلس، تیمیوں، بیوگان، مریضوں، غریب لوگوں کی ہر طرح سے مالی اور اخلاقی امداد کرتے رہے، مظلوں کی ظالم سے حفاظت فرماتے رہے اور دلداری بھی کرتے رہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی سیر الاولیاء کے حوالے سے سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہیؒ کا ایک فرمان تحریر کیا ہے۔

''جس قدر غم و اندوہ مجھے دامن گیر رہتا ہے شاید کسی کو نہ ہو کیونکہ بہت سے لوگ میرے پاس آتے ہیں اور اپنا دود وغم مجھ سے بیان کرتے ہیں۔ ان کے رنج و غم کا بوجھ میرے دل پر پڑتا ہے''۔ (۲)

حسنِ اتفاق سے چونکہ میں خود ایک خانقاہ کا منتظم ہوں۔ تو میرے زیر انتظام ایک انگلش میڈیم ہائی سکول (حفظ، دینی تعلیم کے ساتھ) پنجاب میں ۱۱ میڈیکل سنٹرز ایک گائنی ہسپتال، عربی گرائمر اور تفسیر قرآن مجید کا ہفتہ وار درس اور اخلاقیات کی ہفتہ میں پانچ دن تربیتی نظام موجود ہے۔ اور متوسلین کی رہنمائی کے لئے خانقاہ کا ہائی لیول بورڈ آف گورنرز جن میں ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی سطح کے ممبران شامل ہیں معین اوقات اور منظّم طریقے سے خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس کی تفصیل آئندہ کبھی پیش کی جائیگی۔

(۱) فاروقی، ڈاکٹر نثار احمد، دہلی یونیورسٹی، خانقاہی نظام کی اہمیت، المعارف، لاہور اکتوبر ۲۰۰۴، ص ۵۸،

(۲) چشتی، پروفیسر یوسف سلیم، تاریخ تصوف، ص ۱۳۹۔

شریعت

حضرت آدمؑ کی تخلیق سے لیکر خاتم النبیین ﷺ تک جتنے بھی انبیاؑ تشریف لائے۔ اُن میں نے بعض اللہ تعالیٰ سے اپنی اپنی امت کے لئے شریعت اور کتاب دونوں ساتھ لائے۔ بعض اپنے سے پہلے انبیاؑ کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کو لوگوں میں پھیلانے میں مصروف رہے۔ شریعت کے لفظی معانی یا اس کے اشتقاق کی طرف جائیں۔ تو مفردات میں سے اس کے معانی لینے ہونگے۔ جو کچھ یوں ہیں۔

"شَــرْ عٌ ، شَــرِ یْــعَۃ ، قانون، ضابطہ، اسلامی احکام کا مجموعہ، راہ خداوندی، صاف وکشادہ رستہ"(۱)

شریعت کو عام طور پر طریقہ یعنی راستہ بھی کہتے ہیں۔ تو چونکہ ہمیں یہاں شریعت محمدی ﷺ کو لینا ہے۔ تو ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید نے اس کا کیا تصور دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰکَ عَلٰی شَرِیْعَۃٍ مِّنَ الْاَمْرِ فَاتَّبِعْھَا وَ لَا تَتَّبِعْ اَھْوَآءَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ۝ (۲)

ترجمہ:۔ "پھر ہم نے آپ ﷺ کو ایک صحیح اور پختہ طریقے پر رکھا ہے تو یا رسول اللہ ﷺ آپ اس کی اتباع کریں اور اُن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی نہ کریں جن کے پاس علم نہیں ہے"۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے شریعۃ کو ایک صحیح اور پختہ طریقہ بتایا ہے۔ جس پر حضور اکرم ﷺ کو رکھا ہوا ہے۔ اور اسی راستہ کی پیروی کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ اب یہ راستہ کیا ہے؟۔ تو قرآن مجید سے ہی اس کا جواب لیتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام قف (۳)

ترجمہ:۔ بیشک دین تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک اسلام ہی ہے"۔

اس آیہ مبارکہ سے ثابت ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صحیح اور پختہ طریقہ یا شریعت دین اسلام ہی ہے۔ پھر اس شریعت یا دین اسلام کی تکمیل کے بارے میں قرآن مجید کا ارشادِ عالی ہے۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًاؕ (۴)

(۱) کیرانوی ، مولانا وحیدالزماں ، القاموس الفرید ، صابری دارالکتب ، اُردو بازار ، لاہور، ۱۹۸۳ ، ص ۳۳۷۔

(۲) سورۃ الجاثیہ ، آیت ۱۸۔

(۳) سورۃ آل عمران ، آیت ۱۹۔

(۴) سورۃ المائدہ ، آیت ۳۔

ترجمہ:۔''یہ آج کا دن ہے کہ میں تمہارے لئے تمہارے دین کو کامل کر چکا ہوں میں اپنی ساری نعمتیں تم پر تمام کر چکا ہوں اور تمہارے طرزِ زندگی کے لئے بس اسلام کو پسند کر چکا ہوں''۔

اس آیہ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر دین اسلام کی شکل میں اپنی نعمتیں حضور اکرم ﷺ پر تمام کر دیں اور مومنین کے لئے پوری زندگی گزارنے کا طریقہ دین اسلام کو ہی فرمایا قرآن مجید نے دین اسلام کے علاوہ کسی اور طرزِ زندگی کے امکان یا خیال کو یکسر ختم دیا۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَ مَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَ هُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (۱)

ترجمہ:۔''اور کوئی بھی شخص اسلام کے سوا کسی اور دین کی جستجو کرے گا تو اُس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان اُٹھانے والوں میں ہو گا''۔

اس آیہ مبارکہ کے مفہوم میں یہ بات پوشیدہ ہے۔کہ اللہ تعالیٰ کے فرمائے ہوئے راستہ کے منکرین ہمیشہ نقصان میں رہیں گے۔ اب ہمیں دیکھنا ہے کہ ظاہری طور پر شریعت کا علم کیسے حاصل کیا جا سکتا ہے؟۔کشف المحجوب میں سیّدنا علی ہجویریؒ رقمطراز ہیں۔

''علم شریعت یعنی ظاہر علم اصول کے بھی تین رکن ہیں۔

(۱) کتاب یعنی قرآن کریم۔(۲) اتباع رسول یعنی سنت۔(۳) اجماع امت

اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال کے اثبات کے علم میں خود اسی کا ارشاد، دلیل و برہان ہے۔فرماتا ہے۔

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. (۲)

''جان لو یقیناً اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں''۔(۳)

سیّدنا علی ہجویریؒ اس سے آگے علمِ شریعت کے دوسرے رکن یعنی اتباع رسول ﷺ کے لئے ایک حدیث مبارک کا بھی ذکر کرتے ہیں۔

(۱) سورۃ آل عمران ، آیت ۸۵۔

(۲) سورۃ محمد ، آیت ۱۹۔

(۳) ہجویری ، شیخ علی بن عثمان ، کشف المحجوب اُردو ، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۷۵

''حضور اکرم سید عالم ﷺ فرماتے ہیں۔

مَنْ عَلِمَ اِنَّ اللهَ رَبُّه‘ وَاَنِّیْ نَبِیُّه‘ حَرَّمَ اللهُ تَعَالٰی لَحْمَه‘ وَدَمَه‘ عَلَی النَّارِ.(۱)

جس نے جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کا رب ہے اور یہ کہ میں اسی کا نبی ہوں تو اللہ تعالیٰ نے اس کے گوشت اور اس کے خون کو آگ پر حرام کر دیا ہے''۔

شریعت محمدی ﷺ یا دین اسلام میں پہلے عقائد آتے ہیں۔ پھر عبادت، معاشرت، آداب اور تزکیہ نفس یا طریقت یا تصوف کہہ لیں۔ عقائد میں بنیادی طور پر یہ بات آتی ہے۔ کہ کوئی شخص زبان سے اُن کا اقرار کرے اور دل سے یعنی اندرون سے اُس کو تسلیم بھی کرے۔ عبادات میں جو دین اسلام کے جو احکامات ہیں۔ اُن میں نماز، رزوہ، حج زکوٰۃ شامل ہیں۔ پھر معاملات کو لیں تو اُن میں خرید و فروخت ہے زراعت ہے، شادی بیاہ اور طلاق کے معاملات ہیں۔ شرعی حدود میں ان کے لئے جو احکامات ہیں اُن پر عمل کرنا ہوتا ہے۔ آگے معاشرت جس کو آپ اخلاقیات بھی کہہ سکتے ہیں۔ یعنی لوگوں سے حسنِ سلوک اور لوگوں میں اپنے خاندان، عزیز و اقارب، کام کرنے والے ساتھی، اور اجنبی وغیرہ شامل ہیں۔ آخر میں تصوف یا طریقت لے لیں جس کے تحت تزکیہ نفس اور اعمال ظاہری و باطنی آتے ہیں۔ جس کا ذکر آئیندہ صفحات میں کیا جائے گا۔

شریعت و حقیقت

شریعت کے بارے میں اُوپر مختصراً عرض کر دیا گیا ہے۔ جہاں تک حقیقت کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں علمی طور پر مختلف آراء ہیں۔ مگر کم و بیش مفہوم ایک ہی ہے۔ امام قشیری رسالہ قشیریہ میں اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں۔

''عبودیت پر قائم رہنے کا حکم دینا شریعت ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مشاہدہ کا نام ہے۔ لہٰذا ہر وہ شریعت جس کی تائید حقیقت سے نہیں ہوتی وہ غیر مقبول ہے اور ہر وہ حقیقت جو احکام شریعت سے مقید نہ ہو بے سود ہے۔ لہٰذا شریعت مخلوق کو مکلّف بنانے کے لئے ہے اور حقیقت میں اس بات کی اطلاع دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں کس طرح تصرف کرتا ہے۔ لہٰذا شریعت اللہ کی بندگی کرنے کا نام ہے اور حقیقت اس کے مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں۔

(۱) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اُردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۷۵

شریعت میں احکام کی پابندی ضروری ہے اور حقیقت میں ان امور کا مشاہدہ ہوتا ہے جن کا فیصلہ ہو چکا ہے جو تقدیر میں لکھی جا چکی ہیں اور جو مخفی ہیں یا جو ظاہر ہیں''۔(۱)

امام قشیری اس موضوع پر ابو علی وقاقؒ کے حوالے سے مزید تحریر کرتے ہیں۔

''میں نے استاد ابو علی وقاقؒ کو فرماتے سنا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ایاک نعبدُ شریعت کی حفاظت کرتا ہے اور ایاک نستعین میں حقیقت کا اقرار ہے۔ یاد رکھیں کہ شریعت اس اعتبار سے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے واجب ہوئی ہے۔ حقیقت ہے اور حقیقت شریعت ہے اس اعتبار سے کہ معرفت الٰہی بھی حکم خداوندی سے واجب ہوئی ہے''۔(۲)

مختلف اہل حق کی آراء میں شریعت و طریقت کے اس موضوع پر سب سے ٹھوس اور حقائق پر مبنی علمی وضاحت سیدنا علی ہجویریؒ کی ہے جو کشف المحجوب میں یوں تحریر کی گئی ہے۔

''شریعت و حقیقت، مشائخ طریقت کے دو اصطلاحی کلمے ہیں۔ جن میں ایک ظاہر حال کی صحت کو واضح کرتا ہے اور دوسرا باطن کے حال کی اقامت کو بیان کرتا ہے ان کی تعریف میں دو طبقے غلطی میں مبتلا ہیں۔ ایک علماء ظاہر ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم ان میں فرق نہیں کرتے کیونکہ شریعت، خود حقیقت ہے اور حقیقت خود شریعت ہے۔ دوسرا طبقہ ملحدوں و بے دینوں کا ہے جو ہر ایک کا قیام ایک دوسرے کے بغیر جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب حال حقیقت بن جائے تو شریعت اٹھ جاتی ہے۔ یہ نظریہ مشبہّ، قرامطہ، مشبعہ اور موسان کا ہے۔ شریعت و حقیقت کے جدا ہونے پر دلیل یہ دیتے ہیں کہ محض تصدیق جو بغیر اقرار کے ہو اسے ایماندار نہیں بناتی اور نہ صرف اقرار بغیر تصدیق کے اسے مومن بناتا ہے۔ قول و تصدیق کے درمیان فرق ظاہر ہے۔ لہٰذا حقیقت اسی معنی کی تعبیر ہے جس پر نسخ جائز نہیں ہے''۔(۳)

(۱) قشیری، امام ابو القاسم عبداللہ بن ہوازن، رسالہ قشیریہ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۲۳۵۔

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

(۲) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اُردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۴۹۵۔

سیدنا علی ہجویریؒ اس اہم موضوع پر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید فرماتے ہیں۔

''حضرت آدمؑ سے فنائے عالم تک اس کا حکم قائم و یکساں ہے۔ مثلاً معرفتِ حق، معاملہ میں خلوص نیت وغیرہ اور شریعت اس معنی کی تعبیر ہے جس پر نسخ وتبدیل جائز ہے مثلاً احکام و اوامر وغیرہ۔ شریعت بندہ کا فعل ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی عصمت وتنزیہہ۔ معلوم ہوا کہ شریعت کا قیام، حقیقت کے وجود کے بغیر محال ہے اور حقیقت کا قیام، شریعت کی حفاظت کے بغیر بھی محال ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی مانند ہے جو روح کے ساتھ زندہ ہو۔ جب روح اس سے جدا ہو جاتی ہے تو وہ شخص مردہ ہو جاتا ہے اور روح جب تک رہتی ہے تو اس کی قدر و قیمت ایک دوسر کے ساتھ رہنے تک ہے۔ اسی طرح شریعت بغیر حقیقت کے ریا ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے نفاق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ''وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا'' (العنکبوت:۲۹) جن لوگوں نے ہماری راہ میں کوشش کی یقیناً ہم نے ان کو اپنا راستہ دکھایا۔ مجاہدہ شریعت ہے اور ہدایت اس کی حقیقت۔ ایک بندہ کے ذمّے ظاہری احکام کی حفاظت ہے دوسرے پر حق تعالیٰ کی حفاظت جو بندے کے باطنی احوال سے تعلق رکھتی ہے لہٰذا شریعت از قسم کسب ہے اور حقیقت از قسم عطائے ربّانی ہے''۔(۱)

(۱) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اُردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۴۹۵

طریقت

جیسا کہ اس باب کے شروع میں عرض کیا کہ طریقت کا لفظ طریق سے ہے جس کے معنی رستہ کے ہوتے ہیں۔مفردات میں اس لفظ کے معنی کچھ یوں دیئے گئے ہیں۔

”طَرِیْقٌ ، راستہ ، طُرُقٌ ، طَرِیْقَۃٌ ، حالت ، کیفیت ، طرز ، واسطہ ، مذہب ومسلک ، ج طَرَائِقُ ۔“(۱)

اولیاء اللہ یا اہل محبت کے نزدیک طریقت اپنے متوسلین کو شریعت محمدیؐ پر سختی سے بھی اور محبت سے بھی عمل پیرا کرانے کا نام ہے۔یعنی غیر شرعی اعمال کر ترک کرنے اور شرعی، اعمال کو معمول بنانے کی تربیت دینا۔ڈاکٹر عبداللہ المجید سندھی طریقت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

”اس کا مطلب ہے اخلاق کی تہذیب یعنی اوصاف ذمیمہ کو اوصاف حمیدہ میں تبدیل کرنا۔وہ طریقہ جو طالب اپنے پیر کی ہدایت پر اختیار کرتا ہے اور اس کے ذریعہ دل کی پاکیزگی قلب کی صفائی حاصل کرتا ہے“۔(۲)

گزشتہ صفحات میں مختلف اہل علم کے حوالے سے عرض کیا جا چکا ہے۔کہ طریقت کا بنیادی ماخذ قرآن وحدیث ہے۔اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل اور رسول اکرم ﷺ کی اتباع کرنے والوں میں دو طبقات ہوتے ہیں۔ایک اہل عقل دوسرے اہل محبت۔اہل عقل ودانش کے پاس معیار عقل کا ہی ہوتا ہے۔جتنی عقل و شعور میں بات سمجھ آجائے اتنا ہی عمل کیا جاتا ہے۔دوسرے طبقہ یعنی اہل محبت شریعت کی پابندی کے لئے عقل کے استعمال کے ساتھ وجدان بھی مقدّم رکھتے ہیں۔پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی کتاب کے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

” جن لوگوں پر عقل کا غلبہ تھا انہوں نے صرف اطاعتِ شریعت کو کافی سمجھا اور جنت کو مقصود بنایا۔لیکن جن لوگوں پر عشق کا غلبہ تھا انہوں نے اطاعت کے علاوہ محبت (طریقت) کو بھی ضروری سمجھا یعنی دیدار کو مقصود بنایا۔اقبال نے اس شعر میں اسی فرق کو واضح کیا ہے۔

(۱) کیرانوی ، مولانا وحیدالزماں ، القاموس الفرید ، صابری دارالکتب ، اُردو بازار ، لاہور، ۱۹۸۳ ، ص ۳۹۶ ، ۳۹۷۔

(۲) سندھی ، ڈاکٹر میمن عبداللہ مجید ، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگ میل پبلیشن ، لاہور۔ ۱۹۹۴ ، ص ۱۳۔

گفت دین ِ عامیاں ؟ گفتم شنید
گفت دینِ عارفاں ؟ گفتم کہ دید

دوسرے طبقے کے افراد کو عرفِ عام میں صوفی کہتے ہیں ،اور اس تصریح سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر صوفی دراصل عاشق ہوتا ہے ۔عشق اور تصوف مترادف الفاظ ہیں''۔(۱)

طریقت اہل اللہ کے ہاں شریعت کی حفاظت کے لئے ضروری ہے ۔شریعت کی حفاظت کا مطلب یہ ہے کہ مریدین کو شریعت پر قائم رکھنے کے لئے شیخ ذرا تگڑا ہونا چاہیے ۔طریقت پڑھ کے آدمی قائل نہیں ہوتا اور تگڑا شیخ وہی ہوتا ہے جو خود نماز کے وقت سر بسجود ہو اور دیکھے کہ کون میرے ساتھ نہیں ہے ، یہ توفیق الٰہی ہوتی ہے ۔طریقت کے شیوخ بہت وسیع القلب ہوتے ہیں ۔تعصب اور تنگ نظری سے خود بھی دور ہوتے ہیں اور مریدین کو بھی اسی راہ پہ چلاتے ہیں ۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی کتاب کے مقدمے میں رقمطراز ہیں ۔

''صوفی کے دل و دماغ سے تعصّب ، تنگ نظری ،نفرت ، حقارت ، امتیازِ رنگ ونسل ، اختلاف عقائد و مذہب ،فرقہ بندی ، گروہ بندی ، بیجا پاس داری اور ناحق کوشی یا باطل پسندی کے جذبات بالکل مٹ جاتے ہین ۔ اسی لیے وہ کسی کو آزار نہیں پہنچا سکتا ۔اُس سے کسی کو رنج نہیں پہنچ سکتا ۔انسان تو انسان ہے وہ تو حیوانات پر بھی رحم کرتا ہے ۔

مباش درپئے آزار و ہرچہ خواہی کن
کہ در طریقتِ مابیش ازیں گناہِ نیست

خلاصہءکلام ایں کہ تصوف ،انسان کو رذائلِ اخلاق سے پاک کر دیتا ہے اور ان کی جگہ بہترین اخلاقی سفات سے مزّین کر دیتا ہے ۔لیکن اس بات کا اعادہ ضروری ہے کہ یہ تبدیلی مرشد کی صحبت کے بغیر ناممکن ہے کیوں کہ ہر فن ،صاحبِ فن کی صحبت میں رہ کر ہی حاصل ہو سکتا ہے ۔غواصی ، طباخی ، نجاری ، خوش نویسی ، ستار نوازی ، خیاطی وغیرہ ان میں سے کوئی فن کتابوں یا تقریروں سے حاصل نہین ہو سکتا ،اسی طرح صیقل گری (تزکیہ نفس) بھی ایک فن ہے اور وہ کسی صاحب فن کی نگاہ ہی کی بدولت ہی حاصل ہو سکتا ہے''۔(۲)

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص ۲ ، ۳۔
(۲) ایضاً ص ۱۴ ، ۱۵۔

معرفت

معرفت کا لفظ ع رَف سے مشتق ہے جس کا ترجمہ پہچان ہے یہ لفظ قرآن مجید میں بھی استعمال ہوا ہے، احادیث مبارک میں بھی آیا ہے اور بحمدہٖ تعالیٰ میں نے تو پاکستان کے مختلف شہروں میں اور چند غیر مما لک کی علمی نشستوں میں بھی اس موضوع پر گفتگو کی ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"اَلْمَعرفَتُ رَأسُ مَا لِی" 'رَأس مال' investment کو کہتے ہیں یعنی بنیادی مال جو invest کیا جا تا ہے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ معرفت جو ہے یہ میری بنیادی investment ہے اور معرفت پہچان ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے احادیث مبارک میں جہاں جہاں اس کا اطلاق فرمایا ہے اس کا تعلق اللہ جل شانہٗ کی ذات سے ہے۔ یعنی اپنے پروردگار کو پہچاننا قرآن مجید میں بھی بات بات پر یہی ارشاد فرمایا۔ یہ تمہارا ربِ معبود جو سبزے اُگا تا ہے، زمین ہے، چاند ہے ، ستارے ہیں، آسمان ہے، تم خود ہو، تمہارا مزاج ہے internal,external حتیٰ کہ ساری کائنات۔ انہیں سمجھو انہیں پہچانو۔

سیدنا علی ہجویریؒ نے معرفت کی اقسام کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔

''معرفت الٰہی کی دو قسمیں ہیں ایک علمی دوسری حالی۔ معرفت علمی تو دینا و آخرت کی تمام نیکیوں کی جڑ ہے جو بندے کے لئے ہمہ وقت اور ہر حالت میں تمام چیزوں سے زیادہ بہتر ہے۔۔۔۔۔ لیکن وہ حضرات جن کو اللہ تعالیٰ نے برگزیدہ فرما کر دنیاوی تاریکیوں سے محفوظ رکھا اور ان کے دلوں کو زندہ و تابندہ بنایا ان میں سے ایک حضرت عمر بن الخطابؓ کی حال کی خبر دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلْنَا لَهُ نُوراً يَمْشِيْ بِهِ فِي النَّاسِ (۱)

''اور ہم نے ان کے لئے نور مقرر کیا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چلتے ہیں یعنی حضرت عمرؓ اور اللہ تعالیٰ نے جن کے دلوں پر مہر لگائی اور دنیاوی تاریکیوں میں مبتلا کیا

(۱) الانعام ، آیت ۱۲۲

ان میں سے ایک ابو جہل لعین کے حال کی خبر دیتے ہوئے حق تعالیٰ نے فرمایا۔

كَمَنْ مَّثَلُهُ فِى الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا (۱)

کون ہے اس کی مثل جو تاریکیوں میں ہے جو کبھی اس سے نکلتا ہی نہیں

یعنی ابو جہل لعنۃ اللہ علیہ۔(۲)

سیدنا علی ہجویریؒ کے درج بالا فرمودات میں توحید و رسالت دونوں کی ہی اہمیت اجاگر کی گئی ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کی توحید و رسالت کے احکامات کی تعمیل کے نتیجہ کے طور پر اللہ تعالیٰ نے ایسے مومنین کے لئے نور کی ہمراہی کی نعمت عطا فرمائی۔ دوسری مثال میں انکار کرنے والے ابو جہل کو عبرت کا نشان بنایا کیونکہ اس کو رسول اللہ ﷺ کی معرفت حاصل نہیں ہوئی۔

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (۳)

" یہ تمہارا پرودگار اس کے سوا کوئی اور خدا ہے ہی نہیں"۔

یعنی یہ تمہارا اللہ ہے، تمہارا رب ہے، اس کی معرفت حاصل کرو، اس کو پہچانو، اللہ جل شانہ ' کو ماننا اور اسکی معرفت حاصل کرنا ایمان کی اوّلین شرط اور ضرورت ہے اللہ تعالی کی معرفت کے ساتھا ایمان کے لیے رسول اکرم ﷺ پر ایمان اور آپ ﷺ کی معرفت بھی اُتنی ہی ضروری ہے۔ ابو جہل اور اس جیسے لوگوں نے رسول اکرم ﷺ کو پہچانا ہی نہیں۔

قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالی ہے۔

اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ (۴)

ترجمہ " انہوں نے اپنے رسول کو پہچانا ہی نہیں اسی لیے اس کا انکار کر رہے ہیں"۔

لوگ رسول ﷺ کا انکار اس لیے کرتے ہیں کہ انہیں معرفتِ رسول حاصل نہیں ہے۔ کبھی کہتے ہیں کہ یہ کیا رسول ہے کہ ہماری طرح چلتا پھرتا ہے۔ ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، ہماری طرح کا انسان ہے، تو قرآن مجید فرماتا ہے کہ یوں مت کہو۔ تم پہچانو کہ رسول شے کیا ہے، رسول ﷺ پر ایمان رکھو یعنی اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان رکھو جن کے بارے میں قرآن مجید کے احکامات اُوپر والی آیہ مبارکہ میں دیئے گئے ہیں۔

(۱) سورۃ الانعام آیت ۱۲۲۔

(۲) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اُردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۳۶۴۔

(۳) سورۃ الانعام آیات ۱۰۲۔

(۴) سورۃ المومنون آیت ۶۹۔

قرآن مجید میں ایک اور ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط (۱)

''ترجمہ:۔ اور خاتم الانبیاء حضرت محمد ﷺ برحق رسول ہی ہیں دوسرے ان سے پہلے ہی گزر چکے ہیں''۔

سرکار ﷺ کی ذاتِ عالی کو کسی اور پیمانے سے مت دیکھو 'صرف' یہ جانو صرف یہ پہچانو کہ حضور ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور اس 'صرف' کا معنی وہ نہیں ہے جو لوگ کیا کرتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس مقامِ بلند کو پہچانو، اُس قرب حق کو پہچانو، رسولؐ بارگاہِ قربِ حق میں سب سے بالا تر ہے اور کائنات میں سب سے بڑا راہنما ہے یہ رسول کی کیفیت ہے۔ باقی کچھ لوگ شریعت کی مبادیات سمجھتے ہیں نہ ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ مگر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم معرفت کی بات کرتے ہیں۔ جس نے اپنے آپ ہی کو نہیں پہچانا وہ رسول اللہ ﷺ کو کیا پہچانے گا۔

سیدنا علی ہجویریؒ رقمطراز ہیں۔

''لہٰذا معرفت کی حقیقت یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ زندہ ہو اور اس کا باطن ماسوٰی اللہ سے خالی ہو اور ہر اہل کی قدر و منزلت معرفت سے ہے اور جسے معرفت نہیں وہ بے قیمت ہے اسی لئے تمام علماء و فقہا، علم کی صحت اور درستگی کو معرفتِ الٰہی سے تعبیر کرتے ہیں۔ اسی بنا پر وہ معرفت کو علم سے افضل کہتے ہیں۔ کیونکہ صحتِ حال علم کے بغیر ممکن نہیں اور صحت علم کے لئے صحت حال لازمی ہے''۔(۲)

علمی موضوعات پر اختلاف رائے فطری ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص کے علم کی سطح مختلف ہوتی ہے۔ نظریہ مختلف ہوتا ہے اور اسی تفاوت علم و نظریہ کی بنیاد پر تقویٰ، اعمال، گفتگو حتیٰ کہ نفسیات تک مختلف ہونا ضروری ہوتا ہے معرفت کے موضوع پر ظاہر ہے مختلف آراء ہیں۔ سیدنا علی ہجویریؒ نے ان الفاظ میں اس کا ذکر کیا ہے۔

''معرفت میں نظریاتی اختلاف''

''اے عزیز واضح ہو کہ معرفتِ الٰہی اور اس کے علم کی صحت کے متعلق لوگوں میں بہت اختلاف ہے چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ خدا کی معرفت عقلی ہے عاقل کے سوا اس کی معرفت جائز نہیں یہ قول باطل ہے اس لئے کہ

(۱) سورۃ آل عمران آیات ۱۴۴۔

(۲) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۳۶۴، ۳۶۵۔

وہ دیوانے جو دارالاسلام میں ہوں ان کے لئے حکمی معرفت ہے اسی طرح وہ بچے جو غافل نہیں ان کے لئے حکمی ایمان ہے۔ اگر حکم معرفت میں عقل شرط ہوتی تو جنہیں عقل نہیں وہ معرفت کے حکم میں نہ ہوتے اور کافروں میں چونکہ عقل ہے تو ان پر کفر نہ ہوتا اور اگر معرفت کے لئے عقل علت ہوتی تو ہر عاقل کو عارف کہا جاتا اور ہر بے عقل کو جاہل یہ کھلا مکابرہ ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کی علت استدلال ہے اور جس میں استدلال کی استعداد نہ ہو اس کے لئے یہ جائز نہیں یہ قول بھی ابلیس کی مثال سے باطل ٹھہرتا ہے اس لئے کہ ابلیس نے بکثرت نشانیاں اور آیات الٰہیہ دیکھیں مثلاً جنت، دوزخ، عرش وکرسی وغیرہ لیکن اس کے لئے ان کی دید بھی معرفت کی علت نہ بنی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ☆ (۱)

ترجمہ:۔ اور اگر ہم ان جانب فرشتے بھی اُتار دیتے اور مردے ان سے بولنے لگتے اور ہم ہر شے کو ان کے سامنے لا کھڑا کرتے تب بھی انہیں ایمان تو لانا ہی نہیں تھا ہاں یہ کہ اللہ تعالیٰ خود چاہتا لیکن ان میں سے زیادہ تر ایسے ہیں جو نادان ہیں''۔ اگر آیاتِ الٰہیہ کی دید اور ان کا استدلال معرفتِ حق کی علت ہوتی تو اللہ تعالیٰ معرفت کی علت انہیں قرار دیتا نہ کہ اپنی مشیت کو''۔ (۲)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لئے رسول اللہ ﷺ پر ایمان اور معرفت ضروری ہے۔ کیونکہ سرکار ﷺ کی ذات پر ایمان ہے تو اللہ پر ایمان ہے اگر حضور ﷺ پر ایمان نہیں تو اللہ پر ایمان نہیں۔ اس لیے کہ ہم نے اللہ جل شانہٗ کو ذاتِ سیدِ کائنات، رسول اکرم ﷺ، کے توسل سے ہی جانا اور پہچانا۔ ورنہ ہم تو بت پرستی کیا کرتے تھے، ہم نے کعبے میں بت رکھے ہوئے تھے، ہم غیرِ خدا کی پوجا کیا کرتے تھے، ہم خدا جانے کیا کیا تھے، سرکار ﷺ نے آ کے دستگیری فرمائی اور اللہ جل شانہٗ کی جانب راہنمائی فرمائی تو ہم یوں چلے۔ قرآن مجید کے ارشادات کی روشنی میں یہ بات کہ راہ حق سے دور وہ ہوتا ہے، ایمان سے ہٹتا وہ ہے جس کو اپنے رسول کی معرفت نہیں۔

---

(۱) سورۃ الانعام ، آیت ۱۱۱۔

(۲) ہجویری ، شیخ علی بن عثمان ، کشف المحجوب اُردو ، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۳۶۵ ، ۳۶۶۔

باب دوم

عصری تحدیات پاکستان کے تناظر میں

فصل اوّل

- عصری تحدیات

- ماضی بعید

- ماضی قریب

- حال / دور حاضر

عصری تحدیات:۔

خانقاہی نظام کو عصری تحدیات صرف پاکستان میں ہی درپیش نہیں ۔ملکہ یہ تحدیات کم و بیش پوری دنیا میں خانقاہی نظام کو درپیش ہیں دوسرے یہ صرف خانقاہی نظام کے معاملے میں ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی تربیت کے دیگر اداروں میں بھی صورت حال کو اطمینان بخش سطح پر لانے کے لئے محنت کی اشد ضرورت ہے۔

پاکستان میں دو نمبر لوگوں کا بھیس بدل کر اس ادارے کو بدنام کرنے کا مسلئہ سب سے اہم ہے ۔ کچھ جگھوں پر علم و عمل کی کمی ہے اور جہاں علم و عمل ہے وہاں اسے زیر تربیت افراد، متوسلین کے فائدے کے لئے صحیح طور پر استعمال کئے جانے کا فقدان ہے۔ کئی جگھوں پر تعلیم و تربیت کے لئے طے شدہ نظام اوقات ڈھیلا ہے۔ جس سے نظم و ضبط کی کمی رہ جاتی ہے۔

بعض جگھوں پر جدید علوم کو نصاب میں شامل نہیں کیا گیا ۔ طلبا اور دیگر زیر تربیت افراد میں مختلف زبانوں سے ناآشنائی ، جن میں اپنے اسلاف کی زبانوں میں عربی ، فارسی ، شامل ہیں ، کے علاوہ غیر ملکی زبانوں میں چند بڑی زبانوں کو بھی طلبا اور زیر تربیت افراد کو ان کی اہمیت نہ سمجھانا اور نہ سکھانا بھی موجودہ دور کے تحدیات میں شامل ہے۔ عربی، فارسی، سیکھنے سے ہم اپنے اسلاف کے علمی سرمائے سے براہِ راست مستفید ہو سکتے ہیں اور جدید علوم، غیر ملکی زبانیں سیکھنے / سکھانے سے ہم دین اسلام کے صحیح نقطہ نظر کو دیگر قوموں تک پہنچانے کا عظیم کارنامہ انجام دے سکتے ہیں۔

جو خانقاہیں براہِ راست سجادہ نشینوں کے زِیر انتظام ہیں اُن میں معاملات اطمینان بخش ہیں۔ مگر اوقاف کے زیر اہتمام خانقاہوں کے اردگرد جرائم پیشہ افراد کی سرگرمیاں ، نظم و ضبط کا فقدان، کم علم ، بے عمل اور متعصب اہل کاروں کی تقرریاں اور آمدنیوں کا بے مقصد استعمال پریشان کن ہے۔ ان خانقاہوں کی آمدنیوں کو مثبت مقاصد، جن میں مخلوق خدا کی تعلیم و تربیت، طبی، معاشی اور معاشرتی فلاح و بہبود شامل ہے، کے لئے استعمال نہ کرنے کے مسائل بھی درپیش ہیں۔

آئیندہ صفحات میں ماضی بعید، ماضی قریب اور دورِ حاضر کے خانقاہی نظام سے وابستہ اولیاء اللہ، اہل حق اور اہل علم کی تعلیمات ، اقوال ، کردار اور معمولات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اپنی تمام زندگیوں میں قرآن و حدیث اور اسوۂ حسنہ کی اصل روح کے مطابق نہ صرف خود عمل پیرا رہے بلکہ مخلوق خدا کی تعلیم و تربیت کا عظیم کارنامہ سرانجام دیتے رہے اور اب بھی دے رہے ہیں۔

ماضی بعید

- ''امام زین العابدینؒ، امام حسن بصریؒ، حضرت فضیل بن عیاضؒ،
- حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت ابویزید بسطامیؒ، حضرت سری سقطیؒ،
- حضرت ابراہیم بن ادھمؒ، سیدنا علی ہجویریؒ، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ،
- شیخ ابوالنجیب القاہر سہروردیؒ ، شیخ شہاب الدین سہروردیؒ ،
- خواجہ معین الدین اجمیریؒ ، بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ ،
- خواجہ نظام الدین اولیاءؒ، حضرت امیر خسروؒ
- ماضی بعید کے دیگر اہل حق۔

ماضی بعید

تخلیق آدم کی بنیاد ہی مخلوق کی تربیت واصلاح پر رکھی گئی ہے۔اور یہ کام روز ازل سے ہی جاری ہے۔اور یہی خانقاہی نظام کی اصل روح ہے۔دین اسلام سے پیشتر کے ادوار میں بھی انبیاء کرام علیھم الصلوٰۃ والتسلیمات نے یہ اعلیٰ وارفع مقصد اللہ تعالیٰ کے احکامات کے مطابق جاری رکھا۔تا آنکہ رسول اکرمؐ کی آمد مبارک ہوئی اور مسجد نبویؐ دین اسلام کی پہلی خانقاہ قرار پائی۔اس موضوع پر ڈاکٹر نثار احمد فاروقی (دہلی یونیورسٹی) کے مضمون '' خانقاہی نظام کی اہمیت '' سے اقتباس گزشتہ صفحات میں سپرد قلم کر چکا ہوں۔

خاتم النبیین رسول اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد خلفائے راشدین نے اس اعلیٰ وارفع مقصد کو سنت مبارکہ کے مطابق جاری وساری رکھا اور پھر اولیاء اللہ، اہل محبت، اہل علم نے اس کام کو اب تک جاری رکھا ہوا ہے۔نعیم صدیقی اس موضوع پر اپنے خیالات یوں قلمبند کرتے ہیں

> '' تاریخ میں کوئی ایک مثال بھی ایسی موجود نہیں ہے۔کہ فاسد قیادت کے زیر سایہ کوئی نظام فلاح پنپ سکا ہو۔اور بغیر سیاسی کشمکش کے محض وعظ وتبلیغ اور انفرادی اصلاح کے کام سے اجتماعی انقلاب نمودار ہو گیا ہو ورنہ گزشتہ تیرہ صدیوں میں خلافتِ راشدہ کے بعد وعظ وارشاد، تبلیغ وتذکیر، تعلیم وتزکیہ کے عنوان سے عظیم الشان مساعی ،مساجد، مدارس اور خانقاہوں کے ادارات کے تحت عمل میں آتی رہی ہیں اور آج بھی علما وصوفیاء، اصحاب درس اور اربابِ تصانیف زبان وقلم سے جتنا کام کررہے ہیں اس کی وسعت حیران کن ہے۔''(۱)

گزشتہ صفحات میں خانقاہی نظام کے پس منظر میں راقم نے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ،مولانا امین احسن اصلاحی ،مولانا اکبر شاہ خاں نجیب آبادی، شاہ معین الدین ندوی ،امام ابوالقاسم قشیری اور طبری کے حوالے سے تحریر کیا کہ خلفائے راشدین کے دور کے بعد، ملوکیت کے آغاز سے ہی اہل حق اور جاہ پرستوں کے راستے الگ الگ ہو گئے تھے۔اور دین اسلام کے پھیلاؤ کے ساتھ ہی اہل اللہ نے ترک وطن کر کے مصر، بغداد، شام، ایران ،انڈونیشیا، ملائشیا، چین اور دیگر ممالک کے علاوہ افغانستان کے راستے موجودہ برصغیر میں اپنے اپنے طریق پر، جنہیں سلاسل طریقت بھی کہا جاتا ہے مخلوق خدا کی راہنمائی کے لئے تعلم وتعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔جو آج

(۱) صدیقی ، نعیم ، محسن انسانیت ، اسلامک پبلیکیشنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ ، ۱۳۔ ای ، شاہ عالم مارکیٹ ، لاہور ، پاکستان ، فروری ۱۹۹۳ ص ۴۲۔

بھی جاری ہے۔ان ممالک میں خانقاہی نظام مختلف ناموں اور اصطلاحوں کے ساتھ جاری رہا اور جاری ہے ۔گزشتہ صفحات میں خانقاہ کی مختلف صورتوں کا تفصیل سے ذکر کر دیا گیا ہے۔ یہاں ماضی کے چند جید اہل حق کے نظریات ،اقوال اور ان کی خانقاہی نظام کے تحت خلقِ خدا کی تربیت کی خدمات کا تذکرہ کرنے سے پہلے **ائمہ اہل بیت** اور حکومتی عہدیدار کے ایک واقعہ کا تذکرہ کرنا چاہوں گا جو کشف المحجوب میں درج ہے۔ یہ واقعہ اہل اللہ کے نظریات ،فلسفہ ،خلقِ خدا میں ان کے مقام و منزلت اور زندہ دلوں ،روحوں پر بادشاہی کرنے والوں اور بے کیف جسموں پر حکومت کرنے والوں میں حدِ امتیاز قائم کرتا ہے ۔سیدنا علی ہجویریؒ رقمطراز ہیں:

"ہشام بن عبدالملك بن مروان سالے بحج آمدوخانه راطواف ہمیکرد خواست تاحجر الاسود رابوسدا ززحمت خلق راه نیافت آنگاه بر منبر شدو خطبه کرداندراں میان زین العابدین علی بن الحسین بن علی رضی الله عنهما بمسجد اندر آمدباروئے مقمر و خدے منور و جامئه معطر وابتداء طواف کروچوں نزدیك حجر الاسود فرار سید مردمان مر تعظیم و یراحوالی حجر را خالی کردندتاوے مر آنرا ببوسید مردے ازاہل شام چوآں ہیبت بدید با ہشام گفت یا امیر المومنین ترا بجزراه ندادنکه امیر المومنین توئی آں جو ان خوب روے که بود چوں بیامد مردمان جمله از حجر اندر رمید ندوآں حجر مراور اخالی کردن ہشام گفت من اورانشناسم و مردوے بدیں آں بود که تااہل شام مراورانشنا سند دبدو تولے نکنند و بامارت وے رغببت ننماید و فرزدق شاعردرانجا ایستا ده بودگفت من اورانیك بشناسم گفتندآں یا ابافراش مارا خبرده که سخت مہیب جو انے دیدیم اورافرزوق گفت شماگوش دارید تامن حال و صف و نسب وے بگویم فانشاء فرزدق یقول"۔(۱)

(۱) ہجویری ، مخدوم علی ، کشف المحجوب فارسی ، مطبع اسلامیہ سٹیم پریس ، لاہور ، ۱۹۲۳ء ، ۱۳۴۲ھ ، ص ۵۹ ، ۶۰۔

ترجمہ۔ ''ایک سال ہشام بن عبدالملک بن مروان حج کے لئے آیا طواف کعبہ کررہا تھا اور چاہتا تھا کہ حجرِ اسود کو بوسہ دے لیکن اژدحام میں وہاں تک پہنچنے کی راہ نہ ملتی تھی جب وہ منبر پر خطبہ دینے کھڑا ہوا تو حضرت زین العابدینؓ مسجد حرام میں اس جاہ وجلال سے داخل ہوئے کہ آپ کا چہرہ درخشاں، رخسار مبارک تاباں اور لباس مبارک معطّر تھا جب آپ طواف کرتے ہوئے حجرِ اسود کے قریب پہنچے تو آپ کے احترام وتعظیم میں حجر اسود کے گرد سے تمام لوگ ہٹ کر کھڑے ہو گئے تاکہ آپ حجر اسود کو بوسہ دے سکیں۔ شامیوں نے جب آپ کی شان وشوکت دیکھی تو وہ ہشاؔم سے کہنے لگے اے امیر المومنین! لوگوں نے تمہیں حجر اسود کو بوسہ دینے کی راہ نہیں دی باوجود یکہ تم امیر المومنین تھے لیکن یہ خوبرو نوجوان کے آتے ہی سب لوگ حجرِ اسود کے پاس سے ہٹ گئے اور انہیں راستہ دے دیا ہشاؔم نے ازراہِ تجاہلِ عارفانہ کہا میں نہیں جانتا کہ یہ شخص کون ہے؟ اس انکار کا مقصد یہ تھا کہ شامی لوگ انہیں پہچان نہ سکیں اور کہیں ان کی پیروی اختیار نہ کرلیں جس سے اس کی امارت خطرے میں پڑ جائے فرزدق شاعر اس وقت وہیں کھڑا تھا اس اہانت سے اس کی غیرت ایمانی جوش میں آئی اور بیانگِ دہل کہنے لگا''۔(۱)

کشف المحجوب میں تحریر شدہ فرزدق کے قصیدہ کے چند اشعار یہاں شامل تحریر کئے جاتے ہیں۔ ساتھ ترجمہ مفتی نعیمی صاحب کا ہے۔ ''قصیدہ مدحیہ درشان امام زین العابدینؓ

هذا الذی تعرف البطحا و طاته	والبیت یعرفه والحل والحرم
یہ وہ شخص ہے جس کے نشان قدم کو اہل حرم پہچانتے ہیں	خانہ کعبہ اور حل وحرم سب اسے جانتے ہیں
هذا ابن خیر العباد کلهم	هذا التقی النقی الطاهر العلم
یہ خدا کے بندوں میں سے بہترین بندے کا فرزند ہے	سب سے زیادہ متقی، پاک وصاف اور بے داغ نشان والا ہے
هذا ابن فاطمة الزهراؓ ان کنت جاهله	بجده انبیاء الله قد ختم
اگر تو نہیں جانتا تو سن یہ فاطمہ زہراؓ کے جگر گوشہ ہیں	ان کے ناناﷺ پر اللہ نے نبیوں کا سلسلہ ختم فرمایا ہے''(۲)

(۱) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اُردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۱۴۴

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ، ص ۱۴۵۔

امام حسن بصریؒ:

قرآن مجید کی آیہء مودت، گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے۔اور فرزدق نے اس فرمان کی تعمیل کا عملی اظہار کیا۔طریقت کے اولیاء اللہ میں تابعین میں حضرت اویس قرنیؓ کے بعد ایک منفرد نام **شیخ طریقت امام حسن بصریؒ** کا آتا ہے جو براہ راست حضرت علی المرتضٰی کرم اللہ وجہہ الکریم کی صحبت میں رہے اور مختلف علوم ظاہری و باطنی حاصل کئے اور حضرت علی المرتضٰیؓ نے امام حسن بصریؒ کو خرقہء خلافت سے سرفراز فرمایا اور طریقت کے پہلے امام کے طور پر شریعت محمدی ﷺ کی ترویج کے لئے مخلوق خدا کی راہنمائی وتربیت کی عظیم ذمہ داری سونپی۔حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس پر اپنی ایک کتاب میں یہ اعتراض کیا تھا کہ حضرت امام بصریؒ، حضرت علی المرتضٰیؓ کے دور میں بہت کم عمر تھے اس لئے خلافت نہیں ملی۔اس سلسلہ میں ڈاکٹر عبدالمجید سندھی نے اس ضمن میں یوں تحریر کیا ہے۔

> ''حضرت خواجہ حسن بصریؒ: حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب 'انتباہ' میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی زندگی میں حضرت حسن بصری خورد سال تھے، اس لئے خلیفہ نہیں ہو سکتے تھے۔حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ نے اس خیال کی تردید میں کتاب ''فخر الحسن'' لکھی۔''(۱)

ڈاکٹر عبدالمجید سندھی کے اس بیان کی تصدیق خلیق احمد نظامی کی اس تحریر سے بھی ہوتی ہے۔جو ان کی کتاب 'تاریخ مشائخ چشت'' میں موجود ہے۔ملاحظہ فرمائیں۔

> ''تیسری کتاب 'فخر الحسن' ہے جو شاہ صاحبؒ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ایک بیان کی تردید میں لکھی تھی۔شاہ ولی اللہؒ نے 'انتباہ' میں یہ اعتراض کیا تھا کہ چشتیہ سلسلہ حضرت علیؓ تک متصل نہیں ہوتا کیوں کہ خواجہ حسن بصریؒ، حضرت علیؓ کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کس طرح مل سکتی تھی۔شاہ فخر الدینؒ نے 'فخر الحسن' میں اس بیان کی تردید کی ہے اور محدثانہ کلام کیا ہے اور بتایا ہے کہ حضرت حسن بصریؒ کو خلافت ملی تھی اور یہ اعتراض غلط ہے۔شاہ فخر صاحبؒ کی اس کتاب کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔مولانا عبدالعلی بحر العلومؒ نے جب اس رسالے کو دیکھا تو فرمایا کہ حسن اعتقاد کے ساتھ ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ بزرگوں نے لکھا ہے حق ہے، لیکن یہ تحقیق جو مولانا نے کی ہے ہم کو معلوم نہ تھی۔''(۲)

(۱) سندھی، ڈاکٹر میمن عبداللہ مجید، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگ میل پبلیشن، لاہور۔ ۱۹۹۴، ص ۲۱۹

(۲) نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، جلد۵، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس کراچی، ۲۰۰۷، ص۱۶۳، ۱۶۴

حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ ایک صاحب تصنیف بزرگ ہیں اور ان کی تصانیف کو علمی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اس لئے اُن کی تحقیق سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں اور سلسلہ طریقت حضرت علی المرتضیٰؓ کے بعد حضرت امام حسن بصریؒ سے ہی آگے چلتا ہے۔ سیدنا علی ہجویریؒ امام حسن بصریؒ کے ملفوظات میں سے ایک قول کے بارے میں کشف المحجوب میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

" روایت می آرند" که گفت ان صحبة الاشرار تورث سوء الظن بالاخیار ہر که بابدان ایں طائفه صحبت کندبه نیکاں آں طائفه برزگان بدگمان شودوایں سخن سخت متیقن است واندر خودماہل ایں زمانه را که جمله منکر اندر عرمیزان حضرت حق راد ایں ازاں افتاده است که باایں متصوفان اہل ہم صحبت کنند و فعل شاں برخیانت بینند و زبان شاں بردرغ و غیبت و کوشش شاں براستماع برہزل وبطالت چشم شاں برلہوو شہوت و ہمتِ شاں ہمه جمع کردن حرام و شبہت بدیں فعل پندارندکه متصوف رامعاملت ہیمنست دیا صوفیاں رامذہب ہمیں لابدکه فعل ایشاں ہمه طاعت است و زبانِ ایشاں برکلام حق و ثمره محبت حق و سرایشاں محل محبتِ حق و گوش ایشاں محل سماعِ حق اندر حقیقت و چشم ایشاں خیانت بردست گرفتند خیانت خایناں بدیشاں بازگرودنه بداں احرامهاں و سادات زماں۔"(۱)

(۱) ہجویری ، مخدوم علی ، کشف المحجوب فارسی ، مطبع اسلامیہ سٹیم پریس ، لاہور ، ۱۹۲۳ء ، ۱۳۴۲ھ ، ص ۶۸ ، ۶۹۔

مندرجہ بالا سطور میں سیدنا علی ہجویری" حضرت حسن بصری" کی ایک نصیحت کا ذکر کرنے کے بعد تبصرہ وتجزیہ فرماتے ہیں۔جس کا ترجمہ نیچے پیش کیا جارہا ہے۔

ترجمہ: "حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ " ان الصحبت الاشرار تورث سوء الظن بالاخیار "بدوں کی صحبت،نیکوں سے بدگمانی پیدا کرتی ہے یہ نصیحت بالکل صحیح و درست ہے اور موجودہ لوگوں کے حال کے عین مطابق ہے مقبولان بارگاہ کے تمام منکروں پر صادق ہے۔عام بدظنی وانکار کی وجہ یہی ہے کہ لوگ نقلی صوفیوں کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور جب ان سے خیانت ،جھوٹ اور غیبت وغیرہ کا صدور ہوتا ہے، وہ کھیل کود اور بیہودہ پن کے شائق ہوتے ہیں،لغویات و خواہشات اورشہوتوں کے دلدادہ ہوتے ہیں اور حرام ومشتبہ مال کے جمع کرنے میں حریص ہوتے ہیں تو لوگ یہی سمجھنے لگتے ہیں کہ تمام صوفی ایسے ہی ہوتے ہوں گے اور تمام صوفیوں کا یہی مذہب ہوگا حالانکہ یہ بات بالکل غلط ہے بلکہ صوفیاء کے تمام افعال اطاعت الٰہی میں ہوتے ہیں اور محبت الٰہی سے بھر پور ان کی زبانوں پر کلمہ حق ہوتا ہے ان کے قلوب محبت الٰہی کی جگہ، ان کے کان کلام حق سننے کا مقام اور ان کی آنکھیں مشاہدہ جمال الٰہی کی جگہ ہوتی ہیں جو کوئی خیانت کا مجرم ہوتا ہے وہ اس کا مواخذہ دار ہوگا، یہ نہیں کہ جہاں بھر کے بزرگوں اور اکابر کو ایک سا سمجھا جائے۔"(۱)

مندرجہ بالا ملفوظات کو زندگی کے کسی شعبے کے کسی بھی فرد پر منطبق کریں صورت حال واضح ہو جاتی ہے۔کسی بھی طبقہ کے افراد نہ تو سوفی صد صحیح ہوتے ہیں۔اور نہ ہی سو فیصد غلط ہوتے ہیں۔ ہر طبقہ اور ہر مکتبہ فکر میں صحیح لوگ بھی ہوتے ہیں۔اور غلط بھی۔تو جس کا جو عمل ہوگا صرف وہی ذمہ دار ہوگا اور جو لوگ غلط ہیں اور اپنے آپ پر لبادہ کسی طبقہ کا اوڑھا ہوا ہے۔تو اس طبقہ کو موردِ الزام ٹھہرانا ناانصافی ہے۔یہی تعلیمات خانقاہی نظام کے دروس کا حصہ ہوتی ہے۔اور غلط لوگوں سے مخاصمت کئے بغیر ان سے دامن بچانے کی تربیت دی جاتی ہے ۔ ماضی بعید کے اہل حق میں حضرت فضیل بن عیاضؒ کا نام بھی تاریخ میں نمایاں طور پر آتا ہے۔

(۱) ہجویری ، شیخ علی بن عثمان ، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۱۶۰۔

کشف المحجوب میں سیدنا علی ہجویریؒ حضرت فضیل بن عیاضؒ کے بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

”اندر طریق محققان واللہ اعلم۔ و منھم شاہ اہل حضرت دپادشاہ درگاہ و صلت ابو علیٰ الفضیل بن عیاض از جملہ صعا لیك قوم بودوکبارایشاں وویراند معاملات و حقایق خطے و افراست و نصیبے تمام واز مشہوران طریقت یکے ویست ستودہ اندر میان ملل و احوالش معمور بصدق اندر“(۱)

حضرت فضیل بن عیاضؒ : (م ۱۸۷ھ)

”طریقت کے اماموں میں ایک ،واصلین حق کے سردار ، مقربین بارگاہ کے بادشاہ، حضرت ابوعلی فضیل بن عیاض ؒ ہیں۔فقرا میں آپ کا بڑا مرتبہ ہے،طریقت میں آپ کو کامل مہارت اور پورا شغف حاصل تھا مشائخ طریقت کے درمیان آپ بہت مشہور ومعروف ہیں آپ کے احوال صدق وصفا سے معمور تھے۔(۲)

ماضی بعید کے اولیاء اللہ اور اہل علم کے اقوال اور ملفوظات علم کی بلندیوں کے ساتھ ساتھ عجز وانکساری کی کیفیات لئے ہوتے ہیں۔اقوال فضیلؒ کے بارے میں امام قشیری یوں رقمطراز ہیں۔

”فضیل بن عیاضؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت رکھتا ہے تو اس کے غم کو زیادہ کر دیتا ہے اور جب کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو اس پر اپنی دنیا کو کشادہ کر دیتا ہے۔ابن المبارکؒ فرماتے ہیں جب فضیل مر گئے تو حزن وغم اُٹھ گیا۔فضیلؒ فرماتے ہیں اگر ساری دنیا مجھے اس شرط پر دی جائے کہ مجھ سے اس کا حساب نہ لیا جائے گا تب بھی میں اس سے اس طرح بچوں گا جس طرح تم مردار سے بچتے ہو کہ کہیں کپڑے کو نہ لگ جائے۔فضیلؒ فرماتے ہیں :۔اگر میں اس بات کی قسم کھاؤں کہ میں ریاکار ہوں۔تو یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ قسم کھاؤں کہ میں ایسا نہیں ہوں۔فضیلؒ فرماتے ہیں :۔لوگوں کی خاطر کسی کام کو ترک کردینا ریا ہے اور لوگوں کی خاطر کوئی کام کرنا شرک ہے“۔(۳)

(۱) ہجویری ، مخدوم علی ، کشف المحجوب فارسی ، ص ۷۷

(۲) ہجویری ، شیخ علی بن عثمان ، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۱۷۲۔

(۳) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۱۲۶۔

اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا اہل حق کے لئے ہمیشہ پہلی ترجیح رہی ہے۔ امام قشیری بحوالہ ابوعلی رازیؒ حضرت فضیل بن عیاضؒ کی توکل الی اللہ کی کیفیات اس طرح بیان کرتے ہیں۔

''ابوعلی رازیؒ فرماتے ہیں :۔ میں تیس سال تک فضیلؒ کی صحبت میں رہا۔ اس مدت میں میں نے انہیں کبھی ہنستے یا مسکراتے نہیں دیکھا۔ البتہ جس دن ان کا بیٹا علی فوت ہوا تو مسکرائے، میں نے مسکرانے کا سبب دریافت کیا تو فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک بات کو پسند کیا تو میں نے بھی اسے پسند کیا''۔(۱)

اولیاء اللہ شریعت پر سختی سے عمل پیرا ہوتے ہوئے اپنے مرشد یا استاد سے معرفت کا درس لیکر حقیقت تک پہنچتے ہیں۔ معرفت کے موضوع پر حضرت فضیلؒ کا قول سیدنا علی ہجویریؒ تحریر کرتے ہیں۔

''گفت من عرف الله حق معرفته عبد بكل طاقة ہر كه خدا يرابحق معرفت دے بشناسد بكل طاقت بپرستدش ازانچه آنكه بشناس بانعام و احسان بشناسد و برافت و رحمت چوں شناخت و دستش گیروچوں دوست گرفت طاعت زیادت بودو زیادتی دوستی ازحقیقت معرفت بود.(۱)

''چنانچہ آپ کا قول ہے کہ'' من عرف الله حق معرفته ، عبده بكل طاقة'' جسے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ معرفت حاصل ہوگئی وہ مقدور بھر اس کی عبادت میں مشغول ہوگیا اس لئے کہ اس کی معرفت، اس کے احسان وکرم کی پہچان کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے اور جب اس کے احسان وکرم کی پہچان ہوجائے تو اس نے اس کو دوست بنالیا اور جب اسے دوست بنالیا تو گویا اس نے مقدور بھر طاعت وعبادت کرلی کیونکہ دوست کا کوئی حکم مشکل و دشوار نہیں ہوتا اسی بنا پر جتنی دوستی زیادہ ہوگی اتنا ہی طاعت وعبادت کا ذوق بڑھتا جائے گا اور دوستی کی زیادتی ہی معرفت کی حقیقت ہے''۔(۲)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۱۲۶ ، ۱۲۷

(۲) ہجویری ، مخدوم علی ، کشف المحجوب فارسی ، ص ۷۷

ذوالنون مصریؒ: (م ۲۴۵ھ)

حضرت ذوالنون مصریؒ تیسری صدی ہجری کے اولیاء اللہ میں سے ہیں جلال حق کے عارف تھے، خوفِ خدا کی وجہ سے خشیتِ الٰہی کی کیفیت ان پر غالب رہتی تھی۔ سیدنا علی ہجویریؒ ان کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"ندویراطرق بسیاراست و کلماتِ خوش انر حقائیق علوم چنانکه گوید"العارف فکل یوم اخشع الانه فی کل ساعة من الرب اقرب"

"ہر روز عارف ترساں تربودوخاشع ترزیراکه ہر ساعت نزد یکتر بو و آنکه نزدیکتر بودلا محاله حیرت و خشوعش بیشتر بودازانچه ازہیبت سلطانِ حق آگاه گشته باشد و جلالِ حق بردلش مستولی شده خودرازدے دور بیند و بوصلِ دے ردے نه خشوعش برخشوع زیاده شود چنانچه موسیٰ صلوات الله علیه اندر حالِ مکالت گفت "یارب این اطلبك قال عند المنکسرة قلوبهم" بار خدا یاترا کجاطلبم گفت آنجا که دل شکسته داز اخلاص خود نومید گشته باشد گفت بار خدا یا ہیچ دل اد دلِ من نومید تروشکسته ترنیست گفت پس من آنجایم که توئی پس مدعی معرفت بے ترس و خشوع جاہل بودنه عارف و حقیقت معرفت راعلامت صدق ارادت بود و ارادت صادق برنده اسباب و قاطع انساب بنده باشدازدون خدائے عزوجل۔(۱)

"طریقت و حقیقت اور علوم معرفت میں آپ کے کلمات نہایت عمدہ ہیں آپ نے فرمایا" **المعارف کل یوم اخشع لانه فی کل ساعة من الرب اقرب** "خشیت الٰہی میں عارف کا ہر لحظہ بڑھ کر ہے اس لئے کہ ہر گھڑی رب

(۱) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۱۷۲، ۱۷۳

سے زیادہ قرب ہے۔ کیونکہ بندہ جتنا زیادہ قریب ہوگا اس کی حیرت وخشوع اور زیادہ ہوگی چونکہ وہ بارگاہ حق کے دبدبہ کا زیادہ شناسا ہوتا ہے اور اس کے دل پر جلال حق غالب ہوتا ہے جب وہ خود کو اس سے دور دیکھے گا تو اس کے وصال میں اور کوشش کرے گا اس طرح خشوع برخشوع کی حالت میں اضافہ ہوتا رہے گا جیسا کہ حضرت موسیٰؑ نے مکالمت کے وقت عرض کیا ''یارب این اطلبک قال عند المنکسرۃ قلوبھم '' خدایا تجھے کہاں تلاش کروں! حق نے فرمایا شکستہ دل اور اپنے صفائے قلب سے مایوس شدہ لوگوں کے پاس۔ حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا۔ اے میرے رب! مجھ سے زیادہ شکستہ دل اور ناامید شخص اور کون ہوگا؟ فرمایا میں وہیں ہوں جہاں تم ہو۔ معلوم ہوا کہ ایسا مدعی معرفت جو بے خوف وخشوع ہو وہ جاہل ہے عارف نہیں ہے کیونکہ معرفت کے حقیقت کی علامت صدق ارادت ہے اور صدق ارادت خدا کے سوا ہر سبب کے فنا کرنے والی اور تمام نسبتوں کو قطع کرنے والی ہوتی ہے''۔(۱)

امام قشیری حضرت ذوالنون مصریؒ کے اقوال کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

''میں نے احمد بن محمد سے سنا۔ انھوں نے کہا میں سعید بن عثمان سے سنا۔ وہ کہتے تھے کہ میں نے ذوالنون کو کہتے سنا۔ کلام کا دارومدار چار چیزوں پر ہے:۔ اللہ برتر جلیل کی محبت دنیا (قلیل) سے بغض قرآن (تنزیل) کی تابعداری اور تبدیلی (تحویل) کا ڈر (یعنی اس بات سے ڈرتے رہنا کہ کہیں اللہ تعالیٰ موجودہ حالت ایمان سے بدل کر اسے کفر کی حالت میں نہ کردیں۔ میں نے محمد بن الحسین رحمہ اللہ سے سنا وہ فرماتے تھے میں نے سعید بن عثمان سے سنا وہ فرماتے ہیں میں ذوالنون کو یہ کہتے سنا:۔ اللہ کو دوست رکھنے والے کی علامتیں یہ ہیں کہ وہ اخلاق، افعال، اوامر اور سنن میں اللہ کے حبیب حضرت محمد ﷺ کی تابعداری کرے''۔(۲)

(۱) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۱۷۶

(۲) قشیری، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن، رسالہ قشیریہ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۱۲۴، ۱۲۵۔

صدق کے بارے میں ذوالنون مصریؒ کا قول بیان کرتے ہوئے سیدنا علی ہجویریؒ تحریر کرتے ہیں۔

''چنانکہ ذوالنونؒ گوید '' الصدق سیف اللہ فی ارضہ ماوضع علی شئی الاقطعہ '' راستی شمشیر خدایست عزوجل اندر زمین و بر ہیچ چیز نیا ید الاکہ آں چیز راببرد و صدق رویت مسبب باشدنہ اثبات سبب چوں سبب ثابت شد حکم صدق ساقط شودویاختم ۔(۱)

''حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا '' الصدق سیف اللہ فی ارضہ ماوضع علی شئی الاقطعہ '' خدا کی سرزمین میں سچائی اس کی تلوار ہے جس چیز پر پڑتی ہے اسے کاٹ دیتی ہے اور صدق یہ ہے کہ مسبب الاسباب کی طرف نظر ہو نہ کہ عالم اسباب کی طرف کیونکہ جب تک سبب قائم و برقرار ہے اس وقت تک صدق ساقط وبعید ہے۔(۲)

تمام اہل حق، اولیاء اللہ اور اہل علم کی طرح ذوالنون مصریؒ قرآن وسنت کے پابند تھے۔ اور اولیاء اللہ کی علامت بھی شریعت کی پابندی کے حامل افراد کو قرار دیتے تھے۔ امام قشیری حضرت ذوالنون مصریؒ کے مزید اقوال یوں تحریر کرتے ہیں۔

''میں نے محمد بن الحسینؒ سے سنا ،فرماتے ہیں، میں نے علی بن عمر سے سنا ۔ کہا میں نے ابن رشیق سے سنا، کہا میں نے ابا دجانہ سے سنا۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں نے ذوالنون کو سنا کہ فرماتے تھے۔ جس معدہ میں کھانا بھرا ہوا اس میں حکمت جاگزیں نہیں ہوسکتی''۔

''ذوالنون سے کسی نے توبہ کے متعلق پوچھا تو فرمایا :۔ عوام کی توبہ گناہوں سے توبہ ہوتی ہے اور خواص کی توبہ غفلت ہے''۔

''ذوالنون سے پوچھا گیا کہ کمینہ کون ہے فرمایا۔ جسے اللہ تک پہنچنے کا طریقہ نہ آتا ہو۔ اور نہ کسی سے دریافت کرتا ہو''۔(۳)

(۱) ہجویری ، مخدوم علی ، کشف المحجوب فارسی ، ص ۸۱۔

(۲) ہجویری ، شیخ علی بن عثمان ، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۱۷۶

(۳) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۱۲۵

ابو یزید بُسطامیؒ: (م ۲۶۱ھ)

حضرت ابو یزید بسطامیؒ کا پورا نام ابو یزید طیفور بن عیسیٰ بسطامیؒ ہے۔ آپ تیسری صدی ہجری میں حضرت ذوالنون مصریؒ (م ۲۴۵ھ)، حضرت سری سقطیؒ (م ۲۵۷ھ) علامہ حارث المحاسبی (م ۲۴۳ھ)، علامہ سہل تستری (م ۲۸۳ھ) جیسے جید اہل حق، اولیاء اللہ کے ہم عصر ہو گزرے ہیں۔ آپؒ توحید و رسالت کے علمبردار، قرآن و سنت کے عالم باعمل تھے۔ سیدنا علی ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں یوں رقمطراز ہیں۔

> ''حقائق و معرفت میں آپ سے بڑھ کر کسی کو دسترس اور قوتِ انبساط نہیں ہے طریقت و شریعت کے تمام علوم اور ان کے احوال کے آپ بہت بڑے عالم اور ان سے محبت کرنے والے تھے ملحدین کا وہ مردود گروہ جو خود کو آپ کی وضع و طریق کا پابند بتاتا ہے آپ کا حال ان کے بالکل خلاف تھا آپ کا ابتدائی زمانہ مجاہدے اور تحصیلِ علم میں گزرا تھا۔ آپ خود ہی فرماتے ہیں کہ ''علمت فی المجاهدة ثلثین سنته فما و جدت شیا اشد علی من العلم و متابعته ولو لا اختلاف العلمآء لبقیت و اختلاف العلماء رحمة الافی تجرید التوحید'' میں نے تیس سال مجاہدے میں گزارے لیکن علم اور اس کی متابعت سے زیادہ سخت و دشوار کوئی چیز مجھ پر نہیں گزری اگر ہر مسئلہ میں علماء کا اختلاف نہ ہوتا تو میں رہ جاتا اور دین حق کی معرفت نہ ہو سکتی حقیقت یہ ہے کہ علماء کا اختلاف رحمت ہے مگر توحید خالص میں اختلاف مضر ہے چونکہ انسانی طبیعت جہل کی طرف زیادہ مائل ہے کیونکہ بے علم آدمی بوجہ جہالت بہت سے کام بے رنج و تعب کر گزرتا ہے لیکن علم کے ساتھ ایک قدم بھی بغیر دشواری کے نہیں چل سکتا۔ شریعت کی راہ جہان کی تمام راہوں سے زیادہ باریک و پرخطر ہے''۔(۱)

امام قشیری حضرت ابو یزید بسطامیؒ کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

''ابو حاتم السجستانی نے ہم سے بیان، کیا ابو نصر السراج نے بیان کیا۔ کہا میں نے طیفور البسطامیؒ سے سنا۔ کہتے تھے۔ میں نے المعروف بعمی البسطامیؒ سے سنا کہتے تھے میں

(۱) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۱۸۲۔

امام قشیری حضرت ابو یزید بسطامیؒ کے بارے میں مزید یوں تحریر کرتے ہیں۔

نے اپنے والد سے سنا۔وہ فرماتے تھے کہ مجھے بایزید نے کہا:۔آ چل کر اس شخص کو دیکھیں جس نے اپنے آپ کو ولی مشہور کر رکھا ہے۔اور یہ شخص لوگوں میں اپنے زہد کی وجہ سے مشہور تھا اور دور دراز سے لوگ اس کے پاس آتے تھے۔جب ہم اس کے پاس گئے تو وہ گھر سے نکلا اور مسجد میں داخل ہوا اور قبلہ کی جانب تھوک پھینکا۔(یہ دیکھ کر) ابو یزید واپس چلے آئے اور اسے سلام بھی نہ کیا اور فرمایا:۔یہ شخص تو آداب نبویؐ میں سے ایک ادب کا بھی امین نہیں۔ولایت کا جس کا یہ مدعی۔کیسے امین ہو سکتا ہے

''میں نے محمد بن الحسینؒ سے سنا کہتے تھے میں نے عبداللہ بن علی سے سنا۔کہتے تھے میں نے موسیٰ بن عیسیٰ سے سنا کہتے تھے۔میرے والد نے فرمایا۔کہ ابو یزید فرماتے ہیں۔اگر تم کسی آدمی کو دیکھو کہ اسے کرامات دی گئی ہیں۔یہاں تک کہ وہ ہوا میں اُڑتا ہو پھر بھی تم اس سے دھوکا نہ کھانا، یہاں تک کہ تم یہ نہ دیکھ لو کہ وہ اوامر و نواہی حدود اللہ کی محافظت اور شریعت کی ادائیگی میں کیسا ہے؟''۔(۱)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۱۴۱ ، ۱۴۲

حضرت سری سقطیؒ :(م ۲۵۷ھ)

حضرت سری سقطیؒ کا نام سری اور کنیت ابوالحسن تھی آپ حضرت معروف کرخیؒ کے شاگرد تھے۔شریعت کے سخت پابند تھے۔امام قشیری انکے اقوال یوں تحریر کرتے ہیں۔

''سری سے حکایت کی جاتی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔تصوف تین باتوں میں پایا جاتا ہے۔(۱)صوفی کا نورِ معرفت اس کی پرہیزگاری کے نور کو نہ بجھا دے۔(۲)اپنے باطن سے کوئی ایسی بات نہ کہے جو نص قرآنی یا نص سنت کے خلاف ہو۔(۳)کرامات دکھانے کی خاطر کوئی حرام بات نہ کر جائے''۔(۱)

سیدنا علی ہجویریؒ حضرت سری سقطیؒ کی شخصیت کو یوں بیان کرتے ہیں۔

''آپ یہ دعا بکثرت مانگا کرتے تھے '' **الھم مھما عذبتنی به من شی فلا تعذبنی بذل الحجاب** '' خدایا جب کبھی تو مجھے کسی چیز کا عذاب دینا چاہے تو مجھے حجاب کی ذلت کا عذاب نہ دینا اس لیے کہ جب حجاب میں نہ ہوں گا تو تیرا عذاب وبلا میرے لئے تیرے ذکر و مشاہدے کا ذریعہ آسان ہو جائے گا اور جب میں حجاب میں ہوں گا تو اس حجاب کی لذت میں تیری یہ نعمتیں ہی مجھے ہلاک کر دیں گی۔معلوم ہوا کہ جو بلا مشاہدے کی حالت میں واقع ہوتی ہے وہ بلا نہیں ہوتی لیکن وہ نعمت جو حجاب کی حالت میں ہو وہ ابتلا ہے۔دوزخ میں حجاب سے بڑھ کر کوئی عذابِ شدید و سخت تر نہ ہوگا۔کیونکہ اگر دوزخ میں دوزخی ،اللہ تعالیٰ کے مشاہدے اور مکاشفہ میں ہوں تو گناہ گار مسلمان جنت کو ہرگز یاد نہ کرتے۔(۲)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۱۲۹ ، ۱۳۰۔

(۲) ہجویری ، شیخ علی بن عثمان ، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۱۸۶ ، ۱۸۷۔

ابراھیم بن ادھمؒ: (م ۱۶۳ھ)

حضرت ابراھیم بن ادھمؒ دوسری صدی ہجری کے اہل حق میں سے ہو گزرے ہیں۔ آپؒ نے بادشاہت ٹھکرا کر راہ حق کو اپنایا اور حلال رزق کمانے کے لئے جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے اور بیچتے۔ یاد رہے کہ وہی حضرت ابراھیم بن ادھمؒ ہیں جن کے بارے میں تعلیمی اداروں کی ابتدائی کلاسز میں ابو بن ادھمؒ کے عنوان سے انگریزی میں نظم ہوا کرتی تھی۔ کہ خواب میں ایک فرشتہ کو دیکھا جو کچھ لکھ رہا تھا۔ یہ نظم انگریزی میں ہے اور جیمز ہنری لی ہنٹ کی لکھی ہوئی ہے جس کو من وعن دیا جا رہا ہے۔

Ibrahim ibn Adham. c. 718 - c. 782 / AH c. 100- c. 165[1]) is one of the most prominent of the early ascetic Sufi saints.

Abou Bin Adhem poem class 9th CHAPTER - 18

Abou Ben Adhem

Abou Ben Adhem (may his tribe increase!)

Awoke one night from a deep dream of peace,
And saw, within the moonlight in his room,
Making it rich, and like a lily in bloom,
An angel writing in a book of gold.
Exceeding peace had made Ben Adhem bold,
And to the Presence in the room he said
"What writest thou?"-The vision raised its head,
And with a look made of all sweet accord
Answered "The names of those who love the Lord."
"And is mine one?" said Abou. "Nay, not so,"
Replied the angel. Abou spoke more low,

But cheerly still, and said "I pray thee, then,
Write me as one that loves his fellow men."
The angel wrote, and vanished. The next night
It came again with a great wakening light,
And showed the names whom love of God had blessed,
And lo! Ben Adhem's name led all the rest.

James Henry Leigh Hunt (1)

امام قشیری حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''پرہیز گاری میں ابراھیم بن ادھم کی بہت بڑی منزلت تھی۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے فرمایا: روزی پاک رکھو۔ تم اگر دن کو روزہ رکھو اور رات کو قیام نہ کرو تو کوئی نقصان نہیں۔ کہتے ہیں وہ بالعموم یہ دعا مانگا کرتے تھے :۔ خدایا مجھے اپنی نافرمانی کی ذلت سے نکال کر اپنی تابعداری کی عزت کی طرف منتقل کر دے''۔(۲)

امام قشیری حضرت ابراہیم بن ادھمؒ کے اقوال کے بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

''محمد بن الحسین رحمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا، فرمایا میں نے منصور بن عبداللہ سے سنا۔ انھوں نے کہا میں نے محمد بن حامد سے سنا کہا میں نے احمد بن خضرویہ سے سنا کہ فرماتے ہیں ابراہیم بن ادھمؒ نے طواف کرتے ہوئے ایک شخص سے کہا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ جب تک تو یہ چھ گھاٹیاں طے نہ کر لے تو صالحین کا رتبہ حاصل نہیں کر سکتا۔

۱۔ ناز و نعمت کا دروازہ بند کر دو اور سختی کا دروازہ کھول دو۔
۲۔ عزت کا دروازہ بند کر دو اور ذلت کا دروازہ کھول دو۔
۳۔ آرام و راحت کا دروازہ بند کر دو اور کوشش کا دروازہ کھول دو۔
۴۔ نیند کا دروازہ بند کر دو اور بیداری کا دروازہ کھول دو۔
۵۔ مال داری کا دروازہ بند کر دو اور فقر کا دروازہ کھول دو۔
۶۔ اُمید کا دروازہ بند کر دو اور موت کی تیاری کا دروازہ کھول دو۔(۳)

(۱) www.poemhunter.com/poem/abou-ben-adhem.
(۲) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۱۲۳۔
(۳) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۱۲۳ ، ۱۲۴۔

سیدنا علی ہجویریؒ: (م ۴۶۵ھ)

سیّدنا علی ہجویریؒ المعروف داتا گنج بخشؒ کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ تقریباً ایک ہزار سال پہلے کے اولیاء اللہ اور اہل حق میں ہو گزرے ہیں۔ اور شریعت کی قرآن وسنت کے مطابق پابندی کرنے والوں میں مینارۂ نور کی حیثیت رکھتے ہیں۔ طریقت میں اپنے بعد کے آنے والے کاملین کے لئے ایک راہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر عبدالمجید سندھی سیدنا علی ہجویریؒ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''اوصاف: آپ بہت بڑے روحانی بزرگ تھے۔ ہمیشہ ذکر و، فکر، مراقبہ ومحاسبہ، ریاضت ومجاہدہ میں مشغول رہتے تھے آپ کے روحانی مرتبہ کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے آپ کے مزار پر چلہ کھینچا تھا۔ جب وہاں سے رخصت ہونے لگے تو مندرجہ ذیل شعر پڑھا''۔

گنج بخش ہر دو عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل ، کاملاں را رہنما(۱)

سیدنا علی ہجویریؒ کا اپنے متوسلین اور شاگردوں کی تعلیم وتربیت طریق کار بھی منفرد تھا جو آنے والوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ اس موضوع پر حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ یوں رقمطراز ہیں۔

''شاگردوں کی تعلیم وتربیت میں حضرت داتاؒ کی جانب سے مرکزی عنصر، اللہ تعالیٰ کی سچی اور آخری کتابِ حق تھی یعنی قرآنِ حکیم۔

پاسبان عزتِ اُمّ الکتاب   ازنگاہش خانہء باطل خراب

وہ قرآن حکیم کے مطالب ومعانی وسعتِ علم کے ساتھ ساتھ ایسے دائروں اور ایسے مضامین کے ساتھ واضح فرماتے، کہ کتابِ ربانی کی ہمہ گیر تجلیات نہ صرف ان کے شاگردوں کے ذہن نشین ہوتی بلکہ ان پر مکمل عمل کی برکتوں کے آثار بھی اُجاگر ہوتے، وہ اپنی تعلیمات میں دو بنیادی باتیں پیش نظر رکھتے ہیں ایک یہ کہ رسول اللہ ﷺ کے مقدس ارشادات اور بزرگانِ دین کی توضیحات سے کلامِ حق کے بیان کو وسیع فرماتے، دوسری یہ کہ ہر ایک تعلیم وتربیت کا مرکزی معیارِ خیر، قرآنِ حکیم ہی کو واضح فرماتے۔ (۲)

(۱) سندھی، ڈاکٹر میمن عبدالمجید، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگ میل پبلیکیشن لاہور، ۱۹۹۴ء، ۵۹، ۶۰

(۲) عرفانیؒ، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، جولائی ۱۹۹۳، ص ۳۴، ۳۵۔

سیدنا علی ہجویریؒ کی تصنیفات میں سر فہرست کشف المحجوب ہے۔ جس کے کئی زبانوں میں تراجم ہو چکے ہیں۔اس کے علاوہ کشف الاسرار اور دیگر کتب ہیں۔ جو آپؒ کے علمی ذوق و مقام کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ڈاکٹر عبدالمجید سندھی اس سلسلہ میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

''آپ نے تصوف کے اسرار و رموز بیان کرنے کے لیے کتابیں بھی لکھی ہیں۔آپ کی مندرجہ ذیل کتابوں کے نام معلوم ہوئے ہیں۔ **منہاج الدین. البیان لاهل العیان ، اسرار الخرف و المنونات ، کشف الاسرار ، الرعایة لحقوق اللہ ، کشف المحجوب ، کتاب انضاو البقا ، بحر القوب ، رسالہ در** شرح کلام حلاج اور رسالہ الایمان۔کشف المحجوب فارسی زبان میں تصوف کی پہلی کتاب ہے جو پاکستان کے بزرگ حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھی ،اس کتاب کو ہر دور میں غیر معمولی مقبولیت حاصل رہی ہے۔ بزرگان دین اس کو پڑھتے رہے ہیں۔ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ،مولانا جامیؒ، داراشکوہؒ اور دیگر اہل علم اور اہل دل نے تعریف کی ہے۔ پروفیسر نکلسن نے اس کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اردو میں اس کے ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔سندھی زبان میں بھی اس کے دو ترجمے ہوئے ہیں۔آپ کی دوسری کتاب ''کشف الاسرار'' کا ذکر شاہ عبدالطیف بھٹائیؒ کے پردادا شاہ عبدالکریم بلڑیؒ والے کے ملفوظات ''بیان العارفین'' میں ملتا ہے۔اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب بھی دور دراز علاقوں میں بزرگان دین تک پہنچی تھی''۔(۱)

سیدنا علی ہجویریؒ کی ذات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔اور دین اسلام کی خدمات پر مختلف زبانوں میں علما اور صوفیاء نے آپؒ کو خراج تحسین پیش کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا منظوم خراج عقیدت یوں ہے۔

''سیدِ ہجویرؒ مخدومِ اُمم ۔۔۔ مرقدِ او پیر سنجرؒ راحرم
بند ہائے کوہسار آساں گسیخت ۔۔۔ در زمینِ ہند تخمِ سجدہ ریخت
عہد فاروقؓ از جمالش تازہ شد ۔۔۔ حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ اُمّ الکتاب ۔۔۔ از نگاہش خانہء باطل خراب''(۲)

(۱) سندھی ، ڈاکٹر میمن عبدالمجید ، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں ، ص ۶۰۔

(۲) اقبال ، ڈاکٹر محمد ، اسرار و رموز ،شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ پبلشرز ، لاہور فروری ۱۹۹۰ ، ص ۵۱ ، ۵۲

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ: (م۵۶۱ھ)

سید عبدالقادر نام اور ابو محمد کنیت تھی۔ تاریخ میں غوث الثقلین، غوث الاعظم، محبوب سبحانی، کے القابات سے مشہور ہیں۔ سلسلہ نسب حضرت امام حسن مجتبیٰؑ سے جا ملتا ہے۔ آپؒ طریقت کے سلسلہ قادریہ کے سربراہ ہیں۔

آپ کے حصولِ علم کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالمجید سندھی یوں تحریر کرتے ہیں:

''ابتدائی تعلیم جیلان میں حاصل کی اور قرآن مجید حفظ کیا۔ ۱۸ سال کی عمر میں تحصیل علم کے لئے بغداد آئے۔ ذوالحج سنہ ۴۹۶ھ (۱۱۰۳ء) میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کو مختلف علوم: علم تفسیر، علم قرائت، علم حدیث، علم فقہ، علم کلام، علم تاریخ، علم انسان علم لغت، علم صرف ونحو، علم ادب، علم عروض، علم مناظرہ وغیرہ میں کامل دسترس حاصل تھی۔ آپ نے ۵ سال تک صحرائے عراق کی سیاحت کی۔'' (۱)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے جب بھی اُن کی خانقاہ میں کوئی ملنے آتا۔ خواہ چھوٹا یا بڑا بوڑھا ہوتا تو اٹھ کر ملتے اور اس کی عزت وتکریم فرماتے۔ مگر نہ تو کبھی اہل اقتدار کے لئے کھڑے ہوتے اور نہ ہی تعظیم کرتے اور وعظ ونصیحت میں اہل اقتدار کے لئے سخت لہجہ اختیار فرماتے۔ حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی حق گوئی اور تلقین کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''حضرت غوث پاک کلمۂ حق کو کبھی نہ چھپاتے، بلکہ اس سلسلے میں حضور کی دلیری اور جرات مثالی حیثیت رکھتی تھی، لوگوں کو بے کار رہنے سے منع فرماتے، دوسروں کو خوش رکھنے، اور ہر ایک کے ساتھ نیکی کی تلقین ہوتی، رزق حلال کی طلب، اپنے عیب اور خرابیوں کا جائزہ لینے، اچھے لوگوں کی ہم نشینی اختیار کرنے، کسی کو تکلیف نہ دیتے، غفلت سے گریز کرنے اور ہر حال میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھنے کا فرمان ہر ایک کے لیے ہوتا۔ سرکار غوث الاعظم نے اپنے مواعظ میں سِرّ الاسرار میں، غُنیۃ الطالبین میں، الفتح الربّانی میں، فتوح الغیب میں اور دوسری تصنیفات میں اِسی راہِ حق کی تعلیم وتلقین کی ہے، اور یہی حضور کا مسلک ہے''۔ (۲)

(۱) سندھی، ڈاکٹر میمن عبدالمجید، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص ۷۳۔

(۲) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، اکتوبر ۱۹۹۲، ص ۲۵، ۲۶۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ صاحب تصنیف اہل حق میں سے ۔ جو نہ صرف خود شریعت پر سختی سے کاربند تھے بلکہ اپنے متعلقین اور متوسلین اور زیر تربیت افراد سے بھی قرآن و حدیث پر سختی سے عمل کرواتے تھے ۔ آپؒ کی تصنیف الفتح الربانی میں وہ تمام احادیث پاک درج ہیں جو آپؒ کے دروس میں شامل تھیں ۔ آپؒ ایک متبحر عالم ، سخی اور خلق خدا کو محبت الٰہی اور محبت رسول اللہ ﷺ سے روشناس کرانے والے چند اولیاء اللہ میں سے تھے ۔ حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مقامِ خاص کے بارے میں یوں تحریر کیا ہے ۔

''حضور غوثِ پاک کو یہ مقام خاص ، یہ مرتبہ بلند ، یہ ولایت کی شہنشاہی اور یہ ابدی مقام عظمت اس لیے حاصل ہوا کہ وہ حضور سرورِ کونین سید العالمین خاتم النبیین رحمتہ للعالمین ﷺ کی اتباعِ کامل میں ہیں ۔ ان کی تعلیمات قرآنِ حکیم کی تعلیمات ہیں ۔ ان کا اسلوب حیات فرمان رسول اللہ ﷺ کے مطابق ہے ۔ ان کا طریقہ مقبولانِ حق کی وراثت کا امین ہے وہ علوم کے جامع ، انوار کے پیکر ، شریعت کے سختی کے ساتھ کاربند ، اور احکامِ ربانی کے عظیم تر مبلغ ہیں ۔ اُن کا راستہ روشن ہے ۔ ان کا طریقہ واضح ہے ۔ ان کی تعلیمات جامع ہیں ۔ اور وہ اس صراطِ مستقیم کے رہنما ہیں جس کا آغاز محبتِ حق ہے جس کی منزلیں توفیقِ حق ہیں ، اور جس کا منتہا قربِ حق ہے'' ۔ (۱)

حضرت غوث الاعظمؒ کی تصانیف کے بارے میں اہل حق کے بارے میں لکھی گئی کتب میں معلومات ملتی ہیں ۔ ڈاکٹر عبدالمجید سندھی نے اپنی کتاب میں ان کی درج ذیل تصانیف کے بارے میں لکھا ہے ۔

''۱ ۔ غنیۃ الطالبین (عربی) ۲ ۔ فتوح الغیب (تصوف کی تعلیم) ۳ ۔ الہامات غوثیہ ۴ ۔ الفتح الربانی والفیض الرحمانی (مجموعہ مواعظ و ارشادات) ۵ ۔ مکتوبات غوثیہ (فارسی) ۶ ۔ دیوان محی الدین (فارسی شاعری) ۷ ۔ قصیدہ خمریہ محبوبیہ ۸ ۔ قصیدہ قطبیہ ۹ ۔ قصیدہ رومیہ ۱۰ ۔ قصیدہ طالبیہ ۱۱ ۔ جلاء الخواطر فی الباطن و الظاہر ۱۲ ۔ یواقیت الحکم ۱۳ ۔ درود کبریت احمر ۱۴ ۔ درود اکسیر اعظم ۱۵ ۔ دعائے بدر قنہ الایمان ۱۶ ۔ دعائے فتح البصائر ۱۷ ۔ چہل کاف ۱۸ ۔ اسبوع شریف ۱۹ ۔ اسمائے سبعہ معہ توجہات'' (۲)

(۱) عرفانیؒ ، سید محمد وجیہ السیما ، ماہنامہ سیما ، اکتوبر ۱۹۹۲ ، ص ۱۹ ۔

(۲) سندھی ، ڈاکٹر میمن عبدالمجید ، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں ، ص ۷۴ ، ۷۵ ۔

حضرت شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردیؒ: (م ۵۶۴ھ)

طریقت کے سلسلہ سہروردیہ کے بانی حضرت شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی ہیں۔ان کا سلسلہ نسب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے جبکہ سلسلہ طریقت حضرت جنید بغدادیؒ سے جا ملتا ہے۔پیدائش ۴۹۰ھ کتابوں میں درج ہے۔اس دور کے بغداد کے سیاسی حالات کی وجہ سے آپ کو طریقت کا زیادہ کام کرنے کا موقع نہ ملا۔ڈاکٹر عبدالمجید سندھی اس بارے میں تحریر کرتے ہیں۔

''دینی اور روحانی تعلیم حاصل کرنے کے بعد دو سال بغداد کی مشہور درسگاہ نظامیہ میں مدرس اعلیٰ رہے۔سنہ ۵۵۷ھ (۱۱۶۱ء) میں بغداد سے یروشلم کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے۔ لیکن سیاسی حالات نے ان کی خواہش کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچنے دیا اور دمشق میں ہی اسلام و روحانیت کے درس میں مشغول ہو گئے۔ان کے مواعظ و ہدایت کا ان کے شاگردوں اور متعقدین پر بڑا گہرا اثر ہوا۔''(۱)

شیخ شہاب الدین سہروردیؒ:

آپ شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ کے بھتیجے اور خلیفہ تھے اور انہیؒ کے زیر سایہ آپؒ نے تعلیم حاصل کی۔دوران تعلیم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بھی فیض حاصل کیا۔ڈاکٹر عبدالمجید سندھی آپؒ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''بغداد میں آپ نے اپنے چچا کی زیرنگرانی دینی تعلیم حاصل کی اور تفسیر،حدیث،فقہ اور دوسرے علوم میں تبحر حاصل کیا۔دینی علوم میں آپ کے کمال کا ذکر امام سبکی نے ''طبقات الکبریٰ'' میں کیا ہے۔شیخ سعدی نے ''بوستان'' میں آپ کی بڑی تعریف کی ہے۔ابن خلکان نے ،وفیات الاعیان میں لکھا ہے کہ آپ کی آخری عمر میں آپ کا ثانی کوئی نہیں تھا۔''(۲)

ڈاکٹر عبدالمجید سندھی مزید تحریر کرتے ہیں:

''سنہ ۶۰۹ھ (۱۲۱۱ء) میں وحدت الوجود کے شارح محی الدین ابن عربی سیر و سیاحت کرتے ہوئے بغداد آئے اور حضرت شیخ شہاب الدین سے ملاقات کی اور صوفیانہ مسائل اور تعلیمات پر تبادلہ خیال کیا۔سنہ ۶۳۲ھ (۱۲۳۴ء) میں آپ نے وفات پائی۔آپ کا روحانی فیض صرف عراق تک محدود نہیں تھا، بلکہ آپ سے مصر،شام،حجاز اور برصغیر پاک و ہند کے بے شمار لوگ مستفیض ہوئے۔''(۳)

(۱) سندھی ، ڈاکٹر میمن عبدالمجید ، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں ، ص ۳۳۵
(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۳۴۴
(۳) ایضاً ایضاً ایضاً

حضرت خواجہ معین الدین حسن اجمیریؒ:

خانقاہی نظام میں طریقت کے آسمان پر ایک آفتاب کی طرح چمکنے والی ذات، حضرت خوجہؒ خواجگان کی ہے۔ جن کا اسم گرامی حسن اور معین الدین، معین الحق، خواجہ خواجگان القابات ہیں۔ آپؒ خواجہ غریب نواز اجمیری چشتی سنجریؒ کے نام سے پوری دنیا میں جانے اور پہچانے جاتے ہیں۔ قرآن مجید ناظرہ اور ابتدائی تعلیم اولیاء اللہ کے علمی گھرانوں کے معمول کے مطابق گھر پر ہی حاصل کی۔ اس کے بعد اعلیٰ درجہ کی تعلیم باقاعدہ اس وقت کے جید علماء و اساتذہ سے حاصل کی۔

حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ آپ کے علمی ذوق اور ذہانت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"انہوں نے اپنی ذہانت، توجہ، محنت اور عالی ذوق کی بدولت قرآن مجید کے ترجمے کے علاوہ عربی، فارسی اور دوسری زبانوں کی تعلیم حاصل کی، ساتھ ہی صرف ونحو، لُغت، فقہ اور دوسرے علوم کی بتدائی کتابیں تھوڑے ہی عرصے میں پڑھ لیں، خصوصیت سے جو عملی تربیت والدین کی طرف سے میسر آئی اس نے مزاج عالی کو اُن کیفیتوں میں ڈھال دیا، جو آئندہ چل کر حضرت خواجہ کا معمول بن گئیں''۔(۱)

حضرت عرفانیؒ مزید یوں تحریر کرتے ہیں:

''ابتدائی تعلیم کے مرحلے مکمل ہوئے، تو ان کے بزرگوں نے انھیں اعلیٰ تعلیم کے لیے دوسرے علاقوں میں مقیم اہلِ کمال کے ہاں بھیج دیا، اُس زمانے میں بخارا، سمرقند، بلخ، اصفہان، رے اور دوسرے علاقوں میں بڑے بڑے کاملین، اساتذہ اور اہل عرفان موجود تھے، خواجہ حضورؒ سب سے بڑے مرکز سمرقند تشریف لے گئے، اور سب سے پہلے قرآن مجید کے الحان، قرأت اور تجوید کا اعلیٰ علم حاصل کیا، اور ساتھ ہی قرآن مجید کو زبانی یاد کرنے کا کام شروع کیا، جسے تھوڑے ہی عرصے میں توجہ اور محنت کے ساتھ مکمل کر لیا"۔(۲)

اہل حق اور اہل اللہ کی علم کی پیاس کبھی نہیں بجھتی بلکہ خواہش مزید بڑھتی ہے۔ خواجہ غریب نوازؒ نے بھی قرآن مجید کے حفظ کے بعد دیگر علوم کی طرف توجہ کی اور مختلف علمی مراکز کی معلومات حاصل کرنے کے بعد مزید علم حاصل کرنے کا ارادہ فرمایا۔

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، دسمبر ۱۹۹۲، ص ۳۳۔

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

حضرت عرفانیؒ اس بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں۔

"حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اپنی قلبی لگن اور محنت و توجہ سے قرآن مجید پر عبور حاصل کرلیا، تو وہاں سے نیشا پور تشریف لے گئے، جہاں فقہ، حدیث اور تفسیر کے مزید اعلیٰ علوم حاصل کرنے کے علاوہ طب، فلسفہ، ہیت، منطق، جغرافیہ اور سائینسی مضامین پڑھے، ساتھ ہی شہ سواری اور تیراندازی کی مشقیں کی۔ ان ساری باتوں میں اعلیٰ دسترس حاصل کرنے کے بعد آگے بڑھے اور مزید علمی مرکزوں میں زیادہ بڑے اہل کمال سے اُن تمام علوم و فنون میں منتہی دستگاہ حاصل کی۔"(۱)

چھٹی ساتویں ہجری میں بغداد ایک بہت بڑا علمی مرکز تھا۔ اس دور کے جید علماء اعلیٰ تعلیم کے لیے بغداد ضرور جاتے تھے۔ بغداد اس دور میں علم، ادب، فن اور دیگر اعلی روایات کا امین اور اہم مرکز تھا۔ خواجہ غریب نوازؒ کے بغداد کے سفر کا حال حضرت عرفانیؒ یوں لکھتے ہیں۔

"بغداد شریف میں قیام کے اثنا میں حضرت خواجہؒ نے اس دور کے سارے علوم کو آخری کمال کے درجے تک حاصل کیا اور اسی دور میں حضرت سید عثمان ہرونی قدس سرہ العزیز سے طریقت کے چشتی سلسلے میں بیعت کی مرشد گرامی انھیں ساتھ لے کے حرمین شریفین گئے اور وہاں سے واپسی پر حضرت خواجہ کے لاہور کی جانب سفر کا آغاز ہوا۔"(۲)

خواجہ اجمیریؒ کے لاہور میں سیدنا علی ہجویریؒ کے دربار پر حاضری اور قیام کو مختلف مورخین اور مصنفین نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے۔ اور خواجہ غریب نوازؒ کے اس شعر کا بھی بیان کیا ہے۔ جو آج بھی 800 سال سے داتا گنج بخشؒ کے مزار پر لکھا ہوا ہے۔ میں یہاں خواجہ غریب نوازؒ کے سفر کے واقعات اس لیے بیان کر رہا ہوں کہ اھل حق، اولیا اللہ نے یہ سفر کیوں اختیار کیئے۔ ایک علم کا حصول، اپنے سے پہلے اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری اور اُس خانقاہ کے نظام کے بارے میں معلومات کے دوران اس علاقہ کا تاریخی پس منظر، سماجی و سیاسی حالات اور مسلمانوں کے خلاف دشمنوں کے عزائم کو سمجھنا ہوتا تھا۔ جن کے پیش نظر دین اسلام کی ترویج کے لیے لائحہ عمل تیار کرنا ہوتا تھا۔ حضرت عرفانیؒ اس سلسلہ میں یوں بیان فرماتے ہیں۔

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، دسمبر ۱۹۹۲، ص ۳۳۔
(۲) ایضاً ایضاً ص ۳۵

''حضرت خواجہؒ لاہور سے چلے، تو پہلے ملتان پہنچے جہاں کئی سال مقیم رہ کر اس برصغیر کے کفار و مشرکین کی مذہبی زبانیں سیکھیں اور سنسکرت، پراکرت اور دوسری زبانوں پر مکمل دسترس کے علاوہ ان زبانوں میں اعلیٰ کتابوں پر پورا عبور حاصل کیا، پھر دلی سے ہوتے ہوئے اس شہر پہنچے، جو آنے والے تمام زبانوں کے لیے خواجہ کا شہر کہلایا، یعنی شہر اجمیر، یہ شہر، جو خواجہ کے قدوم سے انوار حق کی تابانیوں کا امین بنا، اُس وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف علمی، مذہبی اور سیاسی تیاریوں کا مرکز تھا، تاریخ اور واقعات کا گہرا اور ہمہ گیر مطالعہ اسی نتیجے پر پہنچاتا ہے"۔(۱)

حضرت عرفانیؒ اُس دور کے تاریخی پس منظر کی وضاحت کرتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں۔

"یہ بات پیش نظر رہنی چاہیے، کہ یہ چھٹی صدی ہجری کا زمانہ تھا، جب بغداد، اصفہان، سمرقند اور رے میں مسلم اقتدار کے احوال پلٹا کھا رہے تھے، کچھ ہی عرصے بعد تاتاری یورش کا سیلاب بڑھنے والا تھا، اور برصغیر میں غیر مسلم دانشمند عناصر اصفہان و بغداد کے حالات پر نظر رکھے ہوئے تھے، اس کے لیے اُن کا دانشی اور سیاسی مرکز اجمیر بنا ہوا تھا''۔(۲)

اجمیر کی اس وقت کی تاریخی حوالے سے سیاسی صورت حال حضرت عرفانیؒ نے اس طرح تحریر کی ہے۔

"سرحد کے اُدھر غوریوں کے تدابیر بھی اُن کی نظر میں تھیں، رائے پتھورا، پرتھوی راج، اس تیاری اور منصوبہ سازی میں تنہا نہیں تھے، بلکہ ان کے ممتاز مذہبی پروہت اور دوسرے رہنما پورے انہماک میں تھے۔ ان غیر مسلم سیاسی اور اقتداری تیاریوں کے لیے ایک ہی بات ان کے تمام تر معاون تھی۔ کہ یہ سرزمین حَرفِ الا اللہ اور نعرہ محمد رسول اللہ ﷺ سے آشنا نہ تھی، پھر سبحان اللہ، اور العظمتہ للہ، وہ کیا ذات تھی ایک حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتیؒ کی، کہ اللہ کی تائید و نُصرت کے ان دیکھے لشکر ان کے جلو میں تھے اور عزم و برکت کا ایک یم بے کراں ان کے رکاب میں تھا"۔(۳)

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، دسمبر ۱۹۹۲، ص ۳۸، ۳۹

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

(۳) ایضاً ایضاً ص ۳۹، ۴۰

جیسا کہ میں نے گزشتہ سطور میں عرض کیا کہ خانقاہی نظام میں اولیاء اللہ کے سفر کا خاص مقصد ہوتا ہے۔ کہاں سجستان جہاں ولادت ہوئی، کہاں نیشا پور کہاں بغداد اور کہاں لاہور، ملتان سے ہوتے ہوئے اجمیر شریف کو مقام تبلیغ دین چنا جو اس وقت کفرستان کا گڑھ تھا۔ یہاں پہنچ کر خواجہ غریب نوازؒ کی زندگی کا مقصد عیاں ہوتا ہے۔ کہ جس پر نگاہ فرمائی اس کا سینہ کفر سے پاک کر کے دین اسلام سے منور کر دیا۔ اور اس طرح لاکھوں غیر مسلموں کو اسلام کے دائرے میں لے آئے۔ یہ حقائق اُس دور کے انگریز حکمرانوں کے تیار کردہ اجمیر شریف کے ڈسٹرکٹ گزٹیر سے تصدیق کیے جا سکتے ہیں۔ آج پوری دنیا میں چشتیہ سلسلہ کے کروڑوں اربوں لوگ ان لاکھوں افراد کی نسل سے ہیں جنہوں نے خواجہ خواجگان، خواجہ بزرگ، خواجہ غریب نواز، خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری سنجریؒ کے دست حق پرست پر ایمان قبول کیا اور بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا۔ عالم اسلام پر خواجہ غریب نوازؒ کا یہ احسان تا ابد رہے گا۔ سیر الاولیا میں سید محمد مبارک علوی کرمانی خواجہ غریب نوازؒ کے اقوال کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

"خواجہ معین الدین والحق فرمایا کرتے تھے کہ حق تعالیٰ کے پہچاننے کی علامت خلق سے بھاگنا اور معرفت میں خاموش رہنا ہے۔ نیز فرمایا کہ اہل محبت کی علامت یہ ہے کہ سوائے خدا کے کسی کا مطیع نہ ہو اور کسی سے ڈر کر اس کے حکم پر نہ چلے۔ فرمایا شقاوت کی علامت یہ ہے کہ تو گناہ کرے اور اُمید رکھے کہ تو مقبولان خدا میں سے ہوگا۔ نیز فرمایا کہ جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ اس حقیقت کو جان لے کہ خدائے تعالیٰ اس کو دوست رکھتا ہے۔ اول سخاوت دریا کی طرح، دوسرے شفقت آفتاب کی طرح، تیسرے تواضع زمیں کی طرح"۔ (۱)

حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی تصانیف، راہ سلوک کے مقامات اور اہل حقیقت کے لیے لازمی امور کے بارے میں ڈاکٹر عبدالمجید سندھی نے یوں لکھا ہے۔

''تعلیمات: حضرت خواجہ صاحب کی جانب مندرجہ ذیل کتابیں منسوب ہیں:
(۱) انیس الارواح (۲) کشف الاسرار (۳) کنز الاسرار یا گنج الاسرار (۴) رسالہ تصوف منظوم (۵) رسالہ آفاق و انفس (۶) حدیث المعارف (۶) رسالہ موجودیہ (۷) دیوان معین (۸) دلیل العارفین۔ (۲)

(۱) کرمانی، سید محمد بن مبارک علوی، سیر الاولیا، فارسی، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد، ۱۹۷۸ء میلادی، ص ۵۵، ۵۶

مقاماتِ سلوک: حضرت خواجہ صاحب کے ارشادات کے مطابق راہ سلوک کے مندرجہ ذیل چودہ (۱۴) مقامات ہیں۔

"(۱) توبہ (۲) عبادت (۳) زہد (۴) رضا (۵) قناعت (۶) مجاہدہ (۷) صدق (۸) تفکر (۹) استرشاد (۱۰) اصلاح (۱۱) اخلاص (۱۲) معرفت (۱۳) شکر (۱۴) محبت"۔ (۱)

سلوک کے مراتب میں اہل طریقت کے لئے مندرجہ ذیل شرائط ضروری ہیں:

"(۱) طلب حق (۲) طلب مرشد (۳) ادب (۴) رضا (۵) محبت و ترک فضول (۶) تقویٰ (۷) استقامت شریعت (۸) کم کھانا اور کم سونا (۹) لوگوں سے کنارہ کش ہونا (۱۰) صوم وصلوٰۃ کا پابند رہنا"۔ (۲)

اہل حقیقت کے لئے مندرجہ ذیل دس چیزیں لازمی ہیں:

"(۱) معرفت کا ہونا (۲) کسی کو رنج نہ پہنچانا اور کسی کی برائی نہ کرنا (۳) لوگوں سے ایسی گفتگو کرنا جن سے ان کی دنیا اور آخرت بنے (۴) متواضع ہونا (۵) عزت نشین ہونا (۶) ہر شخص کو عزیز رکھنا اور خود کو سب سے کمتر سمجھنا (۷) رضا و تسلیم (۸) صبر و تحمل (۹) عجز و نیاز (۱۰) قناعت و توکل"۔ (۳)

(۱) کرمانی ، سید محمد بن مبارک علوی ، سیرلاولیا اردو ، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی ، ص ۱۲۷ ، ۱۲۸

(۲) سندھی ، ڈاکٹر میمن عبدالجمید ، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں ، ص ۲۲۷

(۳) ایضاً ایضاً ، ص ۲۲۹ ، ۲۳۰

حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ:

شیخ شیوخ العالم، شیخ الاسلام والمسلمین حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکرؒ چشتیہ سلسلہ کے ان اکابرین میں سے ہیں جس سے برصغیر پاک و ہند کے علاوہ دیگر ممالک میں بھی چشتیہ سلسلہ پھیلا۔ آپ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ آپ سے آگے چشتیہ نظامیہ اور چشتیہ صابریہ سلسلہ کے خلفاء نے خانقاہی نظام کے تحت تعلیم تعلم، تربیت اور بلا امتیاز مذہب و ملّت خلقِ خدا کی خدمت کی۔ حضرت بابا گنج شکرؒ نے ابتدائی تعلیم اپنی آبائی قصبہ کھیتوال ضلع ملتان میں حاصل کی اور پھر مزید تعلیم کے لئے ملتان تشریف لائے اور مولانا منہاج الدین کی مسجد میں مشہور کتاب نافع پڑھی۔ وہیں پر آپ کی ملاقات حضرت قطب الدین بختیار کاکیؒ سے ہوئی جن کے دستِ حق پرست پر آپ نے بیعت کی اور اپنے مرشد کے حکم کے مطابق مزید تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ ڈاکٹر عبدالمجید سندھی نے آپ کے تعلیمی دور کو یوں تحریر کیا ہے۔

> ''حضرت شیخ فرید نے اپنے مرشد کے حکم کے مطابق ملتان میں رہ کر کچھ عرصہ تعلیم حاصل کی۔ پھر ملتان سے نکل کر غزنی، بغداد، سیوستان، بدخشاں وغیرہ میں علوم ظاہری کی تعلیم حاصل کی اور بزرگان دین کی صحبت میں رہے۔ بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی صحبت میں رہے اور آخر عمر تک ان کے بڑے عقیدت مند رہے۔ حضرت سہروردی کی مشہور تصنیف ''عوارف المعارف'' سے آپ کی گہری دلچسپی تھی۔ بغداد کے نواح میں آپ کی ملاقات خواجہ اجل سنجری سے ہوی ءان کے علاوہ غزنی، بخارا اور دوسرے شہروں میں آپؒ اور بھی کئی بزرگوں سے ملے مثلاً سیف الدین باخرزی، سعد الدین حموی، بہاؤالدین حموی، شیخ اوحد الدین کرمانیؒ، شیخ فرید الدین نیشا پوریؒ وغیرہ''(۱)

اولیاء اللہ اور اہل حق میں حضرت بابا گنج شکرؒ کا ایک منفرد مقام ہے۔ آپ کی ذات ایسی ذات ہے کہ چشتیہ نسبت کے اوپر کے تمام بزرگوں کی نعمتیں آپ پر اکٹھی ہوتی ہیں اور پھر آپ سے آگے پوری دنیا میں چشتیہ سلسلہ کے اہل حق میں تقسیم ہوتی ہیں۔ آپ اولیاء اللہ میں ایک آفتاب کی مانند ہیں، آپ کا مسلکِ درویشی

(۱) سندھی، ڈاکٹر میمن عبدالمجید، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص ۲۳۹

توحید و رسالت کی اعلیٰ کیفیات کا حامل ہے۔ حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ، حضرت بابا گنج شکرؒ کے مسلکِ درویشی کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''حضرت بابا فرید الدین مسعودؒ کا مسلکِ درویشی، دین و شریعت، فقر و طریقت کیفیتِ قلب و روح، بصیرت و وجدان، مشاہدۂ جمال و جلال، اتباعِ سنت، تعمیلِ ارشادِ باری تعالیٰ اور تقویٰ و واردات کا بیک وقت مرقع ہے۔ اس میں ہوش بھی ہے اور جوش بھی، اس میں نیاز مندی بھی ہے اور بے نیازی بھی، اس میں کیف و حلاوت بھی ہے اور درد و سوز بھی، اس میں عجز کا آنسو بھی ہے اور شکر کا تبسم بھی، یہ وہ تمام کیفیات ہیں، جو محبت کی کرامتیں ہیں، اور یہ وہ مملکت ہے، جس کا سلطان، عشق ہے''۔(۱)

عشق کی ان کیفیات کو علامہ اقبال نے یوں بیان کیا ہے۔

''عشق دم جبرئیل، عشق دل مصطفیٰؐ　　عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک　　عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کاس الکرام
عشق فقیہِ حرم، عشق امیرِ جنوں　　عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام''(۲)

سیر الاؤلیاء میں حضرت کرمانیؒ المعروف امیر خورد نے حضرت بابا گنج شکرؒ کے ملفوظات یوں تحریر کیے ہیں۔

''لو کان هذا العلم یدرك بالمنیٰ　　ما کان یبقی فی البریه جاهل
فاجهد و لا تکسل و لا تك غافلا　　فندامة العقبیٰ لمن یتکاسل''

''(اگر یہ علم صرف خواہشوں سے پالیا جاتا، تو دنیا میں کوئی جاہل باقی نہ رہتا۔ پس کوشش کر، کاہلی نہ کر اور غافل نہ ہو، کیونکہ قیامت کے دن پشیمانی اس کو ہوگی جو حق کے پانے میں غافل ہوگا)'' فرمایا کہ تم اُپنے آپ کو ایسا ہی ظاہر کرو، جیسا کہ حقیقت میں ہو، ورنہ پھر لوگ تم کو ایسا دکھائیں گے جیسا کہ تم ہوگے''۔(۳)

''حق تعالیٰ سے اپنے بندگی کے رشتے کو مضبوط کرو کہ سب اس سے لیتے ہیں اور وہ سب کو دیتا ہے۔ جب وہ کسی کو دیتا ہے تو کوئی اس سے چھیننے والا نہیں۔ خود سے بھاگنا، حق تک پہنچنا سمجھو، جسم کی خواہشات کو پورا نہ کرو، اگر تم اس کی خواہشات کو پورا کرو گے تو وہ تم سے زیادہ مانگے گا''۔(۴)

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، نومبر ۱۹۹۳، ص ۴۳
(۲) اقبال، ڈاکٹر محمد، کلیاتِ اقبال، اردو، ص ۹۷
(۳) کرمانی، سید محمد بن مبارک علوی، سیر الاولیا، اردو، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، ص ۱۶۹
(۴) کرمانی، سید محمد بن مبارک علوی، سیر الاولیا، اردو، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، ص ۱۶۹

حضرت خواجہ نظام الدین اوٗلیاؒ (متوفی ۷۲۵ھ)

حضرت خواجہ نظام الدین اوٗلیاء ۶۳۶ھ میں بدایوں شریف میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی محمد ہے۔ نظام الدین لقب ہے۔ سلطان المشائخ عرف ہے۔ ہندوستان میں اور دیگر ممالک میں سلطان جی کے لقب سے مشہور ہیں، پانچ برس کی عمر سے ہی قرآن مجید اور دیگر علوم کے حصول کا آغاز گھر میں ہی ہوگیا۔ نوعمری میں عربی زبان، لغت اور دیگر دینی علوم حاصل کر لئے۔ والدہ ماجدہ آپؒ کے شوق کے پیشِ نظر اس وقت کے علمی مرکز دہلی لے گئیں۔ حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ نے خواجہ محبوبِ الٰہی کے بارے میں یوں تحریر کیا ہے۔

> ''یہ وہ دور تھا، جب دلی صرف دارالحکومت ہی نہیں، بلکہ ہر طرف اہل کمال کے چرچے بڑے سے بڑے جیدّ علماء، اساتذہ، محقق، فضلاء، اہل تقویٰ، مردانِ حق اور اربابِ محبت کی محفلیں تھیں، حضور خواجہ نظام الدین اولیاء دلّی پہنچے، تو اُس دور کے نہایت لائق، قابل اور شفیق استادوں کے پاس پہنچنے کا موقع ملا۔ تفسیر، فقہ، حدیث، ادب، معانی، منقول ومعقول کی تمام درسی کتابیں چند ہی برس میں ان اساتذہ سے ازبر کرلیں، اور جب حضور اس دور کے تمام مروجہ علوم میں کمالِ فضیلت کی سند لے کر نکلے تو عمر مبارک صرف سولہ برس کی تھی''۔(۱)

حضرت سید محمد وجیہ السیما عرفانیؒ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں۔

> ''بارگاہ میں شہنشاہان وقت ہیں کہ امیر خسرو جیسے بے مثال فضلاء، اہل علم ہوں یا اہل ثروت، حضور خواجہؒ کی تعلیم وتلقین ہمیشہ حق پرستی کی رہی، ہزاروں کفار دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے، لاکھوں مردوزن نامِ حق کی زندگیاں پا گئے اور کروڑوں کے سینے نگاہِ خواجہ نظام الدین اوٗلیاءؒ سے رب کریم کی تجلیاتِ رحمت ونور کا گہوارہ بنے''۔(۲)

حضرت امیر خسروؒ حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ کے مرید اور خلیفہ تھے اور فارسی کے بہت بڑے شاعر تھے۔ انہوں نے سلطان المشائخ کی مدح میں یوں اشعار کہے ہیں۔

''در حجرہ فقر باد شاہی　　　در عالم دل جہاں پناہی
شاہنشہ بے سریر و بے تاج　　　شاہانش بخاک پائے محتاج''(۳)

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، اکتوبر ۱۹۹۳، ص ۴۱
(۲) ایضاً　ایضاً　ص ۴۶
(۳) کرمانی، سید محمد بن مبارک علوی، سیر الاولیا اردو، ترجمہ اعجاز الحق قدوسی، ص ۲۴۶

حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ کے ملفوظات کے بارے میں ڈاکٹر عبدالمجید سندھی نے یوں تحریر کیا ہے۔ تعلیمات: آپ کے ملفوظات کے یہ مجموعے ملتے ہیں۔

"(۱) فوائد الفواد: جو خواجہ حسن دہلوی نے سنہ ۷۱۷ھ (۱۳۰۷ء) میں مرتب کیا۔

(۲) افضل الفوائد: امیر خسروؒ (المتوفی ۱۳۲۴ء) نے سنہ ۷۱۳ھ (۱۳۱۳ء) میں قلمبند کیا۔

(۳) راحت المحبین: خواجہ حسن دہلوی نے قلمبند کیا۔

(۴) تحفۃ الابرار و کرامت الاخیار: یہ مجموعہ ملفوظات شیخ عزیز دہلوی نے مرتب کیا۔

(۵) ملفوظات: یہ مجموعہ شیخ شمس دھاری نے مرتب کیا۔

(۶) مجموع الفوائد: یہ مجموعہ شیخ عبدالعزیز بن ابو بکر دہلوی نے مرتب کیا۔

(۷) انوار المجالس: یہ مجموعہ سید محمد اسحاق بن علی حسینی دہلوی نے مرتب کیا"۔(۱)

علامہ اقبال جب اعلیٰ تعلیم کے لئے بیرونِ ملک گئے تو جانے سے پہلے دہلی میں حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ کی درگاہ پر حاضری کے دوران یوں منظوم التجا پیش کی۔

"التجائے مسافر (بہ درگاہِ حضرت محبوب الٰہیؒ)"

"فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری، فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظامِ مہر کی صورت نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگِ محبوبی
بڑی ہے شان، بڑا احترام ہے تیرا
اگر سیاہ دلم ، داغِ لالہ زارِ توام
و گر کشادہ جبینم ، گلِ بہارِ توام
چلی ہے لے کے وطن کے نگار خانے سے
شرابِ علم کی لذت کشاں کشاں مجھ کو
مقام ہم سفروں سے ہو اس قدر آگے
کہ سمجھے منزلِ مقصود کارواں مجھ کو
شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے!
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے!"(۲)

(۱) سندھی، ڈاکٹر میمن عبدالمجید، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، ص ۲۵۲

(۲) اقبال، ڈاکٹر محمد، کلیاتِ اقبال اردو، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۹۴، ص ۱۲۲

حضرت امیر خسروؒ:

تاریخ میں جہاں بھی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کا تذکرہ آئے گا۔ تو آپ کے چہیتے مرید اور خلیفہ حضرت امیر خسروؒ کا تذکرہ ساتھ آئیگا۔ پیدائش ۶۵۰ ھ کی ہے۔ آپ کا نام والدہ نے ابوالحسن رکھا۔ آپؒ نے بیس سال کی عمر میں تمام دینی علوم حاصل کر لئے تھے۔ حضرت امیر خسروؒ ایک ہمہ جہت شخصیت کے حامل تھے۔ علم وادب کی کوئی بھی صنف ہو یا اس دور کی دیگر رسوم ورواج میں ایک باعظمت شخص کی خوبیاں ہوں، حضرت امیر خسروؒ ہر فن میں یکتا تھے۔ میرے والد گرامی انہیں خسرو باکمال کہتے تھے۔ حضرت امیر خسروؒ کے بارے میں حضرت بابا عرفانیؒ نے یوں تحریر کیا ہے۔

> ''وہ امیر خسروؒ جو بہت سی مختلف زبانوں کے ماہر ہیں، وہ جو شاعر ہیں، وہ جو موسیقار ہیں، وہ جو عالمِ دینیات ہیں، وہ جو فوجی جرنیل ہیں، وہ جو اعلیٰ مدبر ہیں، وہ جو فلکیات اور ریاضی کے ماہر ہیں، وہ جو سخن کی کئی اصناف کے موجد ہیں، وہ جو مغنی ہیں، وہ جو صاحب عشق ہیں، صاحبِ طریقت ہیں اور مرشد کی محبت کا پیکر ہیں، وہ ان کے علاوہ بھی بہت کچھ ہیں، جن کی راتیں عبادات اور تلاوتِ کلام پاک میں گزرتی ہیں، قرآن مجید، حدیث اور فقہ کے علوم میں بھی باکمال ہیں۔''(۱)

حضرت امیر خسروؒ واقعی اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ ایک ذات میں اتنی ساری خوبیوں کا جمع ہونا خالصتاً اللہ تعالیٰ کی عطا ہی ہے۔ حضرت بابا عرفانیؒ حضرت امیر خسروؒ کے بارے میں مزید یوں گویا ہیں:

> '' فضا شعر وسخن کی ہو یا طرزِ ادا کی، اسلوبِ کلام ہو، پیش کش کا آہنگ، شعور ووجدان کے آفاق ہوں یا عشق وجمال کے افلاک، ہر نوع کے اہل کمال نے خسروؒ کو پادشاہِ سخن، اقلیم موسیقی کا فرماں رواز، شیریں سخن، شیریں مقال، طوطیٔ شیریں، خسرو زیبا اور کتنے ہی دوسرے اعلیٰ القاب سے تحسین کا مورد بنایا، آفرین وتحسین کے ایسے سارے دفتروں کا عنوان تو ان کے بارے میں ان کے مرشدِ حضرت خواجہ محبوب الٰہی کی بھرپور محبت اور ان کا یہ ارشادِ گرامی ہی بنتا ہے کہ''
>
> مِثلش   گم   خاست ''(۲)

(۱) عرفانی ، سید محمد وجیہ السیما ، ماہنامہ سیما ، اگست ۱۹۹۳ ، ص ۴۱

(۱) ایضاً   ایضاً   ص ۴۴ ، ۴۵

ماضی بعید کے دیگر اہل اللہ یا اہل حق:

گزشتہ صفحات میں خانقاہی نظام کے تحت ماضی بعید کے چندان اولیاء کرام اور اہل علم بزرگوں کی تعلیمات اور اقوال امام قشیریؒ اور سیدنا علی ہجویریؒ کے حوالوں سے درج کئے ہیں۔ جن کے زیر انتظام بڑی خانقاہیں رہیں اور جن میں خانقاہ سے متعلقہ تمام ضروری سہولتیں، مدرسہ، لنگر خانہ، مہمان خانہ اور مجلس خانہ وغیرہ موجود تھے۔ ان اہل حق نے شریعت کی سخت پابندی خود بھی رکھی اور اپنے متوسلین سے بھی کروائی۔ اور تعلیم و تربیت کے ایسے معیار قائم کئے جن پر آئندہ اہل حق نے چل کر خدمت خلق کا کام کیا۔ ان خانقاہوں سے تربیت یافتہ ایسے لوگ نکلے جو جابر حکمرانوں کے سامنے کلمہ حق ببانگِ دہل فرمایا کرتے تھے۔ دیگر تربیت یافتہ لوگ جن کے پاس خانقاہیں نہیں تھیں ان میں سے بھی ہزاروں لوگوں نے اپنے اپنے وسائل کے مطابق مدرسہ، مسجد، گھروں میں تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا اور مخلوق خدا کو جہالت کے اندھیروں سے نکال کر دین اسلام کی روشنی سے بہرہ ور کیا۔ کشف المحجوب میں سید علی ہجویریؒ نے اس وقت کے دنیا میں اعلیٰ درجہ کے اہلحق کا تذکرہ کیا ہے۔ صرف ان کو من و عن نقل کیا جا رہا ہے۔ تاکہ اس دور میں دنیا کے مختلف علاقوں میں اہل حق اور اہل علم کا ایک خاکہ سامنے آ جائے۔ مختلف شہروں میں مشائخ متاخرین کا تذکرہ کرتے ہوئے سیدنا علی ہجویریؒ عراق و شام میں اس وقت موجود درج ذیل اہل حق کا تحریر کرتے ہیں۔

> ''عراق و شام میں مشائخ متاخرین میں سے (۱) شیخ ذکی بن العلاء ہیں جو برگزیدہ اور سادات زمانہ میں سے ہیں۔ میں نے ان کو سراپا شعلہ محبت پایا ان کی نشانیاں اور براہین ظاہر ہیں، (۲) شیخ بزرگوار ابوجعفر محمد بن المصباح صیدلانی ہیں جو رؤساء متصوفین میں سے ہیں اور تحقیق میں زبان و بیان کے ماہر ہیں''۔(۱)

سیدنا علی ہجویریؒ نے ملک فارس کے درج ذیل اہل اللہ کا تذکرہ کیا ہے:

> ''ملک فارس میں (۱) شیخ الشیوخ ابوالحسن بن سالبہ ہیں جو تصوف میں افصح اللسان اور توحید میں اوضح البیان ہیں ان کے کلمات مشہور ہیں، (۲) شیخ مرشد ابواسحٰق ابن شہریار ہیں جو برگزیدہ قوم اور صاحب سیاست ہیں، (۳) شیخ طریقت ابوالحسن بن بکران ہیں جو اکابر صوفیا میں سے ہیں، (۴) شیخ ابومسلم ہروی ہیں جو عزیز وقت اور صاحب

(۱) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۲۵۲۔

حال ہیں ،(۵) شیخ ابوالفتح سالبہ ہیں جو اپنے والد کے فرزند رشید اور امید وار ہیں ،(۶) شیخ ابو طالب ہیں جو ایک بزرگ پابند کلمات حق ہیں ،(۷) شیخ الشیوخ شیخ ابو اسحٰق راندیدہ جوان سب میں بزرگ ہیں۔''(۱)

سیدنا علی ہجویریؒ مزید تذکرہ کرتے ہیں:

''قہستان ،آذربائیجان ،بحرستان اور فک میں (۱) شیخ شفیق فرح المعروف بہ اخی زنجانی ہیں جو مرد نیک سیرت اور ستودہ طریقت ہیں اور اپنے زمانہ کے شیخ اور بزرگ صوفی ہیں ان کی نیکیاں بہت ہیں ۔بادشاہ جو عیار شخص تھا انکی وجہ سے تائب ہو کر راہ حق پر آ گیا ،(۲) شیخ ابو عبداللہ جنیدی ہیں جو مہربان وشفیق بزرگ ہیں ،(۳) اجل مشائخ میں سے شیخ ابو طالب مکشوف ہیں ، (۴) خواجہ حسن سمنانی جو ایک مرد گرفتار بلا اور امیدوار ہیں ،(۵) شیخ سہلکی ہیں جو جماعت صوفیا میں دانشور ہیں ،(۶) احمد بن شیخ خرمانی ہیں جو اپنے والد کے فرزند رشید ہیں ،(۷) حضرت ادیب کمندی جو ساداتِ زمانہ میں سے ہیں۔''(۲)

''کرمان میں (۱) حضرت خواجہ علی بن حسین کیرکانی ہیں جو سیاحِ وقت اور نیک خصلت ہیں ،ان کے فرزند رشید حکیم ،ایک مرد عزیز ہیں ،(۲) حضرت شیخ محمد بن سلمہ ہیں جو اس عہد کے بزرگوں میں سے ہیں ان کے سامنے بکثرت اولیاءاللہ جوانمرد اور طالب و امید گزرے ہیں۔''(۳)

خراسان کے درج ذیل اہل حق کا تذکرہ کشف المحجوب میں ملتا ہے:

''خراسان میں جہاں آج سایہ اقبال حق ہے (۱) شیخ مجتہد حضرت ابوالعباس وامغانی ہیں جن کا حال اور زمانہ بہت عمدہ ہے ،(۲) حضرت خواجہ ابوجعفر محمد بن علی الجوینی ہیں جو طریقت کے محققوں میں سے ہیں ،(۳) حضرت خواجہ ابوجعفر ترشیزی ہیں جو عزیزانِ وقت میں سے ہیں ،(۴) حضرت خواجہ محمود نیشاپوری جو مقتدا اور

(۱) ہجویری ، شیخ علی بن عثمان ، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۲۵۲۔
(۲) ایضاً ایضاً ص ۲۵۲۔
(۳) ایضاً ایضاً ص ۲۵۳۔

فصیح ہیں،(۵) حضرت شیخ محمد معشوق ہیں جن کا حال عمدہ و نیک ہے اور نہایت خوش خلق ہیں،(۶) حضرت جمرۃ الحب جو نیک باطن اور خوش وخرم بزرگ ہیں،(۷) حضرت خواجہ رشید مظفر فرزند شیخ ابوسعید امیدوار ہیں جو مقتدائے قوم اور دلوں کے قبلہ ہیں ،(۸) حضرت خواجہ شیخ احمد نجار سمرقندی مقیم مرد ہیں جو سلطان زمانہ ہیں ،(۹) حضرت خواجہ شیخ احمد جماری سرخسی ہیں جو وقت کے سپاہی اور میرے ساتھی ہیں ان کے کاموں میں بڑی قدرت دیکھی ہے جوانمردان متصوفہ میں سے ہیں،(۱۰) حضرت شیخ ابوالحسن علی بن علی الاسود ہیں جو اپنے والد کے فرزند رشید اور اپنے زمانہ میں علو ہمت اور صدق وفراست میں بہترین و بے مثل ہیں۔''(۱)

ماوراء النہر کے درج ذیل اولیاء اللہ کا تذکرہ کشف المحجوب میں موجود ہے:

''ماوراء النہر میں (۱) خواجہ و امام ،مقبول خاص وعام حضرت ابو جعفر محمد بن حسین حرمی ہیں جو صاحب سماع اور پابند طریقت ان کی ہمت بلند اور حال پاکیزہ ہے۔سالکان راہ حق کے ساتھ شفقت فرماتے ہیں اور اپنے ساتھیوں میں سردار وفقیہ ہیں ،(۳) حضرت ابو محمد پالغری ہیں جو عمدہ حال اور محکم معاملات رکھتے ہیں ،(۳) شیخ وقت حضرت احمد ایلاقی ہیں جو ہر برگزیدہ وقت اور تارکِ رسوم و عادات ہیں ،(۴) فرید العصر اور یکتائے زمانہ حضرت خواجہ عارف ہیں ،(۵) حضرت خواجہ زمن علی بن ابی اسحق ہیں جو مردِ مختشم اور نیک زبان ہیں ۔یہ وہ مشائخ ہیں کہ جن سے میں نے ملاقات کی ہے اور ہر ایک کا مقام معلوم کیا ہے یہ سب محقق ہیں۔''(۲)

غزنی کے درج ذیل بڑے اہل اللہ کا تذکرہ بھی کشف المحجوب میں تحریر کیا گیا ہے:

''غزنی میں (۱) شیخ عارف ،ممدوحِ زمانہ حضرت ابوالفضل بن اسدی ہیں جو شیخ ریقت ہیں اور ان کی کرامت و براہین ظاہر ہیں۔جب سوز محبت کا غلبہ ہوا تو ظاہری حالت

(۱) ہجویری ، شیخ علی بن عثمان ، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۲۵۳۔

(۲) ایضاً ایضاً ص ۲۵۳ ، ۲۵۴۔

سے لوگوں نے دھوکہ کھایا، (۲) شیخ مجرد، علائق دنیوی کے تارک حضرت اسمٰعیل شاشی ہیں جو شیخ محتشم اور ملامتی طریق پر ہیں، (۳) منجملہ علماء طریقت حضرت شیخ سالار ہیں جن کا حال عمدہ ہے، (۴) شیخ دانا، معدنِ اسرار حضرت ابو عبداللہ محمد بن حکیم معروف نہ ''مرید از مستانِ حق'' ہیں جو اپنے زمانہ میں اپنے فن میں ثانی نہیں رکھتے ان کا حال لوگوں پر پوشیدہ ہے۔ براہین ونشانات ظاہر وروشن ہیں ان کا حال صحت میں بہتر ہے اس لئے کہ وہ صاحب مشاہدہ ہیں، (۵) شیخ محترم تمام میں مقدم حضرت سعید بن ابی سعید عِیار ہیں جو حدیث مصطفیٰ ﷺ کے حافظ ہیں عمدہ زندگی پائی، حال میں قوی و باخبر مگر پوشیدہ رہتے ہیں کسی پر ظاہر نہیں ہوتے بکثرت مشائخ کی صحبت پائی، (۶) خواجہ بزرگوار، جانشینِ ہمت و وقار، حضرت ابوالعلیٰ عبدالرحیم بن احمد سعدی ہیں جو عزیز قوم اور سردار قوت ہیں مجھے وہ دل سے پیارے لگتے ہیں ان کی زندگی مہذب، حال عمدہ اور فنون کے عالم ہیں، شیخ اوحد حضرت قصورہ بن محمد جرویزی ہیں۔''(۱)

(۱) ہجویری، شیخ علی بن عثمان، کشف المحجوب اردو، مترجم مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۲۵۴۔

ماضی قریب

- شاہ فخر الدین دہلویؒ

- خواجہ نور محمد مہارویؒ

- پیر مہر علی شاہؒ،

حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ (م ۱۱۹۹ھ)

’’حضرت شاہ فخر جہاں کا زمانہ مسلمانوں کے انحطاط کا زمانہ تھا۔اس زمانہ میں شاہ صاحب نے اصلاح معاشرہ کے سلسلہ میں بڑی جدوجہد کی اور مسلمانوں کو صحیح اسلامی تعلیم ذہن نشین کرانے کے لئے بڑی کوشش کی۔تبلیغ کے سلسلہ میں آپ کا وہ ہی مسلک تھا، جو بزرگان چشت کا رہا ہے۔یعنی ہندوؤں کو بھی ذکر بتاتے تھے۔بزرگان چشت کے یہاں ہندو بھی آتے رہتے تھے اور ان کے مرید اور معتقد ہوا کرتے تھے۔ان کا کہنا تھا کہ اس انتظار میں نہ رہو کہ وہ پہلے مسلمان ہو جائیں پھر ذکر بتایا جائے۔آپ کی اس روش کی وجہ سے بہت سے ہندو خاموش طریقہ سے مسلمان ہو گئے۔‘‘(۱)

’’ شاہ فخر صاحبؒ نے فصوص الحکم ،صدرا،شمس بازغہ وغیرہ کتابیں میاں محمد جان سے پڑھی تھیں۔میاں محمد جان جید عالم تھے۔شیخ محی الدین ابن عربیؒ کی تصانیف پر بڑا عبور تھا اور فلسفہ ٔوحدت وجود کے ماہر استادوں میں شمار کیے جاتے تھے۔‘‘(۲)

’’شاہ فخر الدین صاحبؒ نے ہدایہ اپنے عہد کے ایک مشہور فقیہہ مولانا عبدالحکیم سے پڑھی تھی۔‘‘(۳)

’’ شاہ فخر صاحبؒ نے اپنے والد ماجد سے بھی کچھ کتابیں مثلاً شرح وقایہ،مشارق الانوار اور نفحات الانس پڑھی تھیں۔درسیات کے علاوہ انھوں نے بعض اور علوم اور فنون سے بھی واقفیت حاصل کی تھی۔طب کی کتابیں پڑھی تھیں اور تیر اندازی اور فنون سپاہ گری میں مہارت حاصل کی تھی۔مناقب فخریہ میں ان کو’’ جامع جمیع علوم وفنون‘‘ لکھا ہے۔‘‘(۴)

(۱) سندھی ، ڈاکٹر میمن عبدالمجید ، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں ، ص ۱۷۸

(۲) نظامی ، خلیق احمد ، تاریخ مشائخ چشت ، جلد ۵ ، اوکسفرڈ یونیورسٹی ، پریس کراچی ، ۲۰۰۷ ، ص ۱۵۲

(۳) ایضاً ایضاً ایضاً

(۴) ایضاً ایضاً ایضاً ، ص ۱۵۳

شاہ فخر الدین صاحبؒ کی تصنیف کی ہوئی مندرجہ ذیل کتابیں دستیاب ہوئی ہیں:

''۱۔نظام العقائد ،۲۔رسالہ مرجیہ ،۳۔فخر الحسن ،۴۔رسالہ عین الیقین ۔یہ کتابیں اُن کے علمی تبحر اور محققانہ صلاحیتوں کی آئینہ دار ہیں ۔سر سید نے لکھا ہے: ''اُن کا دیکھنا آپ کی ممارست علمی کی دلیل قاطع اور برہان ساطع ہے۔''(۱)

''رسالہ مرجیہ ۔حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ کی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین کے ایک بیان کی تشریح میں لکھا گیا ہے'''' تیسری کتاب 'فخر الحسن' ہے جو شاہ صاحبؒ نے حضرت شاہ ولی اللہؒ کے ایک بیان کی تردید میں لکھی تھی ۔شاہ ولی اللہؒ نے 'انتباہ' میں یہ اعتراض کیا تھا کہ چشتیہ سلسلہ حضرت علیؓ تک متصل نہیں ہوتا کیوں کہ خواجہ حسن بصریؒ ،حضرت علیؓ کے زمانے میں بہت کم عمر تھے اور کم عمری میں ان کو روحانی خلافت کس طرح مل سکتی تھی۔''(۲)

''ان تصانیف کے علاوہ ایک زمانے میں حضرت شاہ فخر صاحبؒ کے کچھ خطوط بھی ملتے تھے ۔اب صرف ایک خط مناقب المحبوبین میں محفوظ ہے ۔جس میں اتباعِ شریعت کی تلقین کی گئی ہے اور وحدت وجود کے بعض نکات کو واضح کیا گیا ہے۔''(۳)

بہادر شاہ ظفر اور شاہ صاحبؒ:

''بہادر شاہ نے اپنے دیوان میں جگہ جگہ حضرت شاہ فخر الدین صاحبؒ سے عقیدت کا اظہار کیا ہے۔ایک شعر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان سے بیعت بھی تھا۔

ے ''کیوں نہ تو سر بفلک کھینچے کہ فخر الدینؒ نے
دی ہے دستار ترے سر پہ ظفر کھینچ کے باندھ ''(۴)

(۱) نظامی ، خلیق احمد ، تاریخ مشائخ چشت ، ص ۱۶۲ ، ۱۶۳
(۲) ایضاً ، ص ۱۶۳ ، ۱۶۴
(۳) ایضاً ، ص ۱۶۵
(۴) ایضاً ، ص ۱۸۷

"اے ظفر کیا بتاؤں تجھ سے کہ جو کچھ ہوں سو ہوں — لیکن اپنے فخر دیں کے کفش برداروں میں ہوں
جو ہاتھ آئے ظفر خاک پائے فخر الدین — تو میں رکھوں اُسے آنکھوں کی توتیا کے لئے

کوچۂ فخر جہاں کی اے ظفر — خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے
سچ تو ظفر یوں ہے کہ جزو فخر دیں — اور نہیں کوئی سہارا مجھے"(۱)

حضرت بابا عرفانیؒ نے حضرت شاہ فخر الدین دہلویؒ کی خدمات کو ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

> "انھوں نے اپنے دور میں اہل حق کے لئے نور ازل کی لافانی شمعیں روشن کیں اُن کی زندگی میں پاکیزگی، حق پرستی، اخلاص، للّٰہیت، علم، عمل، بصیرت، فراست، محبت اور نیک نفسی کا مرقع تھی۔ ہر ایک سے بے مثال شفقت، غریبوں کی دستگیری، اہل علم کی سرپرستی، مخالفوں سے ان کے دلوں کو موہ لینے والا حسن سلوک، حدیث، تفسیر اور سلوک کی کتابوں کی بے مثال تدریس، اُمراء اور حکام سے بے نیاز رہ کر انہیں مسلک حق کی تعلیم و تربیت، حاجت مندوں کی ہر طرح کی امداد، یہ اُن کی زندگی کے چند پہلو ہیں۔"(۲)

(۱) نظامی، خلیق احمد، تاریخ مشائخ چشت، ص ۱۸۸
(۲) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، جون ۱۹۹۳، ص ۷۳

حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ (م ۱۲۰۵ھ)

ماضی قریب میں حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کی ذات ایسی ہے ۔ کہ موجودہ پاکستان بشمول کشمیر میں طریقت کے سلسلہ چشتیہ کے مورث اعلیٰ ہیں ۔ اور پاکستان اور کشمیر کے علاقوں میں اس سلسلہ طریقت کے جتنے متوسلین ہیں ان تمام کا منتہا حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کی ذات تک ہی پہنچتی ہے ۔ آپؒ نے پانچ برس ہی کی عمر سے تعلیم کے حصول کا سلسلہ اپنے قصبے کے ایک عالم اور متقی استاد حافظ محمد مسعودؒ سے ہی شروع کیا ۔ آپ تقریباً اڑھائی صدی پہلے ہو گزرے ہیں ۔ آپ کا مزار ضلع بہاولنگر کی تحصیل چشتیاں میں ہے ۔ اور اس خانقاہ کے تربیت یافتہ عالم ملک کے مختلف کونوں میں تعلم و تعلیم کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہیں ۔ حضرت بابا عرفانیؒ آپؒ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں ۔

'' حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ نے تمام زندگی خواجگان چشت کے مسلک کی سختی سے پابندی کی ، شریعت کی اتباع ہر اعتبار سے لازم رکھی اور اسی کی تعلیم و تلقین پر سختی سے اصرار تھا ، دنیا پرستوں سے نفرت تھی ، حق طلبی اپنا جادہ راست تھا اور اسی کا شعار بنانے کی تعلیم ہر ایک کو فرماتے ، ہزار ہا افراد نے اسی طرح اُن سے سلوک و عرفان کی نعمتوں کے خزانے حاصل کیے ، بابا حضورؒ سے ایک خاص تعلقِ قلب تھا ، اور ہر جمعے کو اپنے قصبے سے پیدل چل کر پاک پتن شریف حاضری دیا کرتے ۔ انہوں نے تمیں سے زائد مریدین کو خلافت عطا فرمائیں ، جن سے ہر جانب سلسلہ خواجگانِ چشت کے فیوض و انوار کے چراغ روشن ہوئے ۔ انہوں نے حق پناہی ، حق نگاہی اور حق آگاہی کی فضاؤں کو ۶۳ برس کی عمر مبارک تک نعمتِ ربانی سے مالا مال کیا ۔ ۱۲۰۵ ہجری میں وصال ہوا'' ۔ (۱)

'' شاہ نور محمدؒ اپنے مریدین کو درستی اخلاق اور اتباع شریعت کا درس دیتے تھے ۔ اُن کے ملفوظات میں ان ہی دو چیزوں پر جگہ جگہ زور دیا گیا ہے ۔ اخلاقی تعلیم میں خاص طور سے ان باتوں پر زور دیتے تھے ۔ اول یہ کہ کسی پر غصہ نہ کریں ، غصہ باطن میں جو ہر ہے اس کے اظہار سے نور معرفت ختم ہو جاتا ہے ، دوسرے یہ کہ اگر کوئی کسی کی شکایت کرے تو اس کو خیر کی طرف مائل کرنا چاہیے ۔ امور میں محاسبہ نہیں کرنا چاہیے'' (۲)

(۱) عرفانی ، سید محمد وجیہ السیما ، ماہنامہ سیما ، اگست ۱۹۹۳ ، ص ۵۴ ، ۵۵

(۲) نظامی ، خلیق احمد ، تاریخ مشائخ چشت ، جلد پنجم ، اوکسفرڈ یونیورسٹی ، پریس کراچی ، 2007 ، ص ۲۲۲ ، ۲۲۳ ۔

حضرت پیر مہر علی شاہؒ: (م۔۱۹۳۸ء)

آپؒ ماضی قریب میں یعنی ۱۲۷۵ھ بمطابق ۱۸۵۹ء میں پیدا ہوئے۔خانقاہی نظام کی روایات کے مطابق بچپن سے ہی تعلیم کا حصول شروع ہو گیا۔قرآن مجید ناظرہ کے علاوہ حفظ بھی کیا اور دیگر علوم حاصل کئے۔ادبی ذوق کے حامل تھے۔خانقاہ گولڑہ شریف میں تمام عمر درس وتدریس، متوسلین کی تربیت، قرآن وسنت کی نہ صرف خود سختی سے پیروی کی بلکہ متوسلین کو بھی سخت پابندی کا درس دیتے رہے، ملفوظات میں آپ کی سوانح حیات مہر منیر کے مطابق مختلف دینی مسائل پر لوگ راہنمائی لیتے تھے۔فارسی، پنجابی، پوٹھوہاری زبان میں شاعری کرتے تھے۔آپؒ کے کلام میں پنجابی کی مشہور نعت سے چند اشعار درج کئے جا رہے ہیں۔

''اج سِک متراں دی ودھیری اے — کیوں دلڑی اُداس گھنیری اے؟
لُوں لُوں وچ شوق چنگیری اے — اج نیناں لائیاں کیوں جھڑیاں
الطیف سُری من طلعته — والشذ و بُدی مِن و فرته
فسکرت ھُنا مِن نظرته — نیناں دیاں فوجاں سرچڑھیاں
مُکھ چند بدر شاہ شانی اے — متھے چمکے لاٹ نورانی اے
کالی زلف تے اکھ مستانی اے — مخمور اکھیں ہن مد بھریاں
سبحان اللہ ما اجملک — ما احسنک ما اکملک
کتھے مہر علی کتھے تیری ثنا — گستاخ اکھیں کتھے جا اڑیاں''(۱)

مشتاق

مثنوی المعروف گومگو

''مرحبا اے بُلبل بُستان چشت — بازگو از گومگو آں سرنوشت
ہر دم از اسلام واہلش ایں صداست — ایں بیاں نیک چشتی راسزاست
فیضیاب از بارگاہِ احمدیؐ — جُرعہ بر دھریہ ہم فلسفی
کے مقابل با تو تاند ھمسری — مستمد از شیخ عبدالقادریؒ''(۲)

(۱) منیر، مہر منیر شاہؒ، ص، ۵۰۰
(۲) ایضاً ایضاً، ص ۵۰۳

حال / دورحاضر

- سید قلندر علی سہروردیؒ
- سید یعقوب علی شاہؒ
- واصف علی واصفؒ
- خواجہ سیّد محمد وجیہ السّیما عرفانیؒ

حال/دورحاضر

تاریخی طور پر یہ بات عیاں ہے کہ اہل حق نے خطہ عرب، افریقہ، یورپ، ایشیاء اور خاص طور پر برصغیر میں اشاعت اسلام میں کارہائے نمایاں انجام دیئے۔ پہلی آٹھ صدیوں میں تبلیغ اسلام اور اسلام کو اپنی صحیح صورت میں زندہ رکھنے پر بہت کام ہوا، اس کے بعد آج کے دور تک مسلمانوں کی اخلاقی تربیت اور اخلاص للہ، کردار و عمل پر بہت زور دیا گیا۔ اس میں اولیاء کرام نے اپنے کردار و اخلاق، پیار و محبت کے ساتھ ساتھ علوم دین اور اخلاقی شاعری سے لوگوں کے اندر محبت حق اور محبت رسول ؐ، محبت اہل بیت، احترام صحابہؓ، مرشد کی اہمیت و محبت اور انسانیت کے جذبوں کو اجاگر کیا۔

ان میں حضرت غوث الاعظم ؒ (شاعری، عربی، فارسی)، خواجہ غریب نوازؒ، حضرت بابا فریدؒ (شاعری، فارسی، اردو)، حضرت شیخ سعدی سہروردی ؒ (شاعری اور نثر، گلستان بوستان، فارسی)، حضور محبوب الٰہی ؒ (شاعری، فارسی)، حضرت صابر پاک ؒ (شاعری ، فارسی)، حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ (عربی، فارسی)، امام احمد خان رضا بریلوی قادریؒ (عربی، فارسی، اردو، ہندی)، حضرت شاہ نیاز بے نیاز چشتیؒ (شاعری، اردو، عربی، فارسی)، حضرت سید محمد تقی المعروف عزیز میاںؒ (راز بریلوی) (شاعری، اردو)
موجودہ پاکستان میں ماضی قریب کے اہل علم وفن اولیاء اللہ میں مندرجہ ذیل چند نام درج کیے جارہے ہیں ان کے علاوہ بھی بے شمار اہل حق پاکستان کے مختلف علاقوں میں خلق خدا کی تعلیم و تربیت میں مصروف ہیں ان سب کا تذکرہ ممکن نہیں ہوگا۔

حضرت بابا بلھے شاہ قادری ؒ (شاعری، پنجابی)، حضرت سلطان باہو قادری ؒ (شاعری، پنجابی)، حضرت میاں محمد بخش قادریؒ (شاعری، پنجابی)، حضرت خواجہ غلام فرید کوٹ مٹھن شریف (شاعری، سرائیکی، اردو)، حضرت پیر مہر علی شاہؒ (ملفوظات، پنجابی و پوٹھوہاری شاعری، فارسی)، حضرت بابا سید محمد وجیہ السیما عرفانی چشتی ؒ (شاعری، عربی، اردو، انگریزی، فارسی، پنجابی، پوربی)۔
ان میں سے ماضی قریب کے چند اہل حق و اہل علم کا تذکرہ آنے والے صفحات میں کیا جارہا ہے۔

سیّد قلندر علی سہروردیؒ:۔(۱۹۵۸ء)

دنیا میں اہل حق ، اہل علم ، ہر دور میں ہر جگہ رہے ہیں۔ اہل علم اگر باعمل ہوں تو اہل حق کہلاتے ہیں۔ موجودہ دور میں ماضی قریب میں یہ قلندر علی شاہ بھی اہل حق میں ہو گزرے ہیں۔ جو اہل حق اور اہل علم خانوادہ سے تعلق رکھتے تھے۔ اور باقاعدہ شریعت کی تعلیم حاصل کر کے طریقت کی مسند سنبھالی ۔ خاور سہروردیؒ کی تصنیف جو سید قلندر علی سہروردیؒ کے تذکرے وملفوظات پر مشتمل ہے ، سے جو معلومات ملی ہیں سید قلندر علی سہروردیؒ کی پیدائش ۱۸۵۹ء کی ہے۔ اور وصال 1985 میں ہے۔ والدہ کا وصال چار سال کی عمر میں ہوا۔ آپ کے والد مولانا حافظ رسول بخشؒ کا وصال ہوا تو آپؒ کی عمر ۸ سال کی تھی۔ آپ کے دادا سید جمال الدین قادریؒ سلسلہ قادریہ سے سالک تھے۔ تحصیل علم چار سال کی عمر سے ہی شروع کی دیگر علوم وقت کے ساتھ ساتھ مختلف اساتذہ سے حاصل کیئے ۔ ۱۹۱۷ تا ۱۹۱۹ بریلی شریف علم کے حصول کیلئے رہے۔ آپ کی بیعت سہروردیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت میاں غلام محمد سروردیؒ جلال پور جٹاں تحصیل وضلع گجرات سے تھی۔ آپ کچھ عرصہ حضرت شاہ ابو المعالیؒ کی مسجد میں امامت و خطابت اور اسی دوران رسالہ الفیقر کی ادارات واشاعت کا کام بھی کرتے رہے۔(۱)

سید قلندر علی سہردوری اپنی تبلیغ وتلقین میں متوسلین کو اپنی اصلاح کی ضرورت پر زور دیتے تھے۔ ملفوظات میں ان کا بیان یوں تحریر کیا گیا ہے۔

اپنی اصلاح:۔

”ایک مجلس میں فرمایا: تبلیغ کا سب سے بلند و احسن پہلو یہ ہے کہ اپنا کرتہ صاف رکھو۔ کسی کے کرتے کے میل پر نکتہ چینی نہ کرو، تمہارے کرتہ کو دیکھ کر میلے کرتہ والا خود بخود اثر قبول کرلے گا ۔ جو وقت غیر کی نکتہ چینی میں صرف کرنا ہے وہ اپنی اصلاح پر لگاؤ۔ اپنی سیدھ ٹھیک رکھو اور منزل کھوٹی نہ کرو۔ جہاں سورج چھپنے سے پہلے پہنچنا ہے وہاں اگر راستے میں رک گئے خواہ کسی خیر کی وجہ سے ہی ہو بہر رسائی میں تاخیر ضرور واقع وگی۔ جو نقصان کا باعث نبے گی ۔ اللہ والے دنیا داروں کی پرواہ نہیں کرتے۔(۲)

(۱) سہروردی ، خاور ، ابوالفیض سید قلندر علی سہروردیؒ ، ناشر حبیب خاور سہروردی ، کینال ویو ، لاہور ، طبع ثانی ۲۰۰۸ ، ص ۳۱ ، ۳۲ ، ۳۴ ، ۴۰ ، ۴۱ ، ۵۰

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۵۶ ، ۵۷۔

اسی طرح صداقت کے موضوع پر آپؒ کا بیان ملفوظات میں یوں تحریر ہے۔

صداقت:۔

''ایک مجلس میں فرمایا: علم، بزرگی، فضل، فقیری یا امیری کسی قوم کی میراث نہیں۔

حسنؓ ز بصره بلالؓ از حبش ، صهیبؓ از روم!

زخاک مکه ابوجهل ، ایں چه بوالعجبیست ؟

یہ سب فہم کا قصور ہے ابوجہل نے سطحی نظر سے دیکھا۔ اس سے اوپر نہ جاسکا ورنہ ایمان لے آتا۔ کسی نے کہا عبداللہ جایا ہے۔ کسی نے کہا آمنہؓ کا لعل ہے۔ کسی نے کہا قریشی ہے۔ کسی نے کہا محمد عربی ہے۔ کسی نے محمد رسول اللہ ﷺ کہا اور کسی نے کہا نور 'من نور اللہ' ہے۔ ابوجہل کے سے ہزار قریشی حضرت بلالؓ کے خون کے قطروں اور جوتوں کی خاک سے کم حیثیت رکھتے ہیں۔ پہلا سبق درویشوں نے یہ دیا ہے کہ تمام دنیا سے اپنے آپ کو حقیر سمجھے جس مقام کا کوئی پتہ دیتا ہے اگر وہ سچا ہے تو بڑے بڑوں کا لا جواب کر دے گا ورنہ ذلیل ہو گا۔ خبر دینے کے لئے صداقت لازمی ہے''۔(۱)

اہل حق کا طریقِ کار یہ رہا ہے۔ کہ قران وسنت سے ہی فرمودات کو متوسلین کی اصلاح وتربیت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ سید قلندر علی سہروردی کا طریقت اور شریعت کے موضوع پر ایک بیان خاور سہروردی یوں تحریر کرتے ہیں۔

''اگر وہ شریعت میں کامیاب ہے تو طریقت کی راہ اس کے سامنے ہے۔ جس نے وضو سے ڈر کر شریعت چھوڑی دی خدا چھوڑ دیا، رسول چھوڑ دیا اور جو پانچ وقت اپنا منہ نہیں دھوسکتا۔ اس نے مجاہدہ کیا کرنا ہے۔ مجاہدہ یہ ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ کے نقش قدم پر بے کم وکاست چلنا اور بال برابر بھی انحراف نہ کرنا۔ ذرا غور فرمایئے کہ سرکار علیہ السلام مکے سے چار میل کے فاصلے پر غار حرا میں کیا کیا کرتے تھے؟ یہی نا کہ اس خالق حقیقی سے لو لگائی ۔ مجاہدہ کیا۔

(۱) سہروردی ، خاور ، ابوالفیض سید قلندر علی سہروردیؒ، ص ۹۰ ، ۹۱۔

> اس کی تلاش کی تب کہیں اس کی حریم ناز کا دروازہ کھلا اور پہلی آواز یہ آئی کہ، 'اقرا باسم ربک الذی خلق' پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے مخلوق کو پیدا فرمایا۔ تو اس لئے جب تک درویش شریعت میں کامل نہ ہو، طریقت اور، معرفت کی راہ نہیں کھلتی۔شریعت کا دوسرا نام رسول ہے۔(۱)

غرض اہل طریقت کا مسلک ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ پہلے خود شریعت کی پابندی کریں اور پھر متوسلین کو شریعت کی پابندی سکھائیں اور یہ سب کچھ کرنے کے باوجود اپنے عجز میں رہیں اور توحید و رسالت کے سامنے تسلیم و رضا اور شکر کی کیفیت میں رہیں کہ اللہ تعالٰی نے شریعت دوسروں تک پہنچانے کا کام ان سے لے رہا ہے۔

---

(۱) سہروردی، خاور، ابوالفیض سید قلندر علی سہروردیؒ، ص ۹۴، ۹۵۔

سید یعقوب علی شاہؒ:

سید یعقوب علی شاہؒ حال ہی میں اہل حق اور اہل علم میں ہو گزرے ہیں۔ اللہ کے دوستوں کے معمول کے مطابق اپنے بارے میں تشہیر کرنے کی بجائے مخلوق خدا کو راہ حق پر چلانے کا کام خاموشی سے کرتے رہے۔ سرفراز اے شاہ اپنے مرشد حضرت سید یعقوب علی شاہؒ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

'' مرشد بہت صاحب ظرف ہوتا ہے۔ وہ آپ کو یہ بات کبھی نہیں بتائے گا ''لو! میں نے تمہیں علم عطا کر دیا'' کیونکہ یہ اس کی اعلیٰ ظرفی کے خلاف ہے۔ دوسری طرف لینے والا اگر علمی لحاظ سے چھوٹا ہے، چھوٹا اس لحاظ سے کہ جس کے پاس علم نہیں اُس کے پاس عقل نہیں کیونکہ عقل علم سے آتی ہے اور عقل کی معراج (Essence of Wisdom) خود رب ہے۔ علم ملے گا تو عقل آئے گی اور عقل آئے گی تو رب ملے گا۔ چونکہ کم علم انسان کے پاس عقل نہیں ہوتی اس لئے وہ بھانپ ہی نہیں پائے گا کہ مجھے کیا عطا کیا گیا ہے۔ لیکن اگر اُس کی بنیاد مضبوط ہے اور تب مرشد اُسے کچھ عطا کرتا ہے تو وہ نہ صرف اُس کو سنبھال لے گا بلکہ اُسے بہتر (Develop) بھی کرے گا۔ مثال کے طور پر اگر آپ کو کاروبار کرنا آتا ہے اور آپ کو اس کے بنیادی اصول معلوم ہیں اور کوئی عزیز آپ کو سرمایہ یا چلتا ہوا کاروبار دے دیتا ہے تو آپ آسانی سے اُسے چلا لیں گے جب کہ کوئی کاروبار سے انجان شخص اس کو تباہ کر دے گا۔ یہی مثال تصوف میں مرشد کی طرف سے مرید کو عطا کردہ علم پر منطبق ہوتی ہے۔'' (۱)

حضرت سید یعقوب علی شاہؒ لوگوں کو بات سمجھانے کے لئے اُن کی علمی سطح اور نفسیات کے پیش نظر عمومی طریقہ سے اختیار کرتے۔ سرفراز اے شاہ اس موضوع پر یوں تحریر کرتے ہیں:

''حضرت علیؓ کا قول ہے کہ مصیبت کا مقابلہ صدقہ و خیرات سے کرو۔ اللہ کی راہ میں خرچ کر کے ہم اللہ کو قرض دے رہے ہوتے ہیں۔ تجربہ و مشاہدہ تو یہی ہے کہ جس نے اس پر عمل کیا اللہ نے اُس کا رزق بڑھا دیا اور اس کی عزت میں بھی اضافہ ہو گیا۔ لیکن نیت رزق میں اضافہ نہ رکھیے گا بلکہ نیت اللہ کو راضی کرنا ہو ورنہ وہ مقصد جس کے لئے

(۱) شاہ، سرفراز اے، کہے فقیر، ناشر فواز نیاز، 257، ریواز گارڈن، لاہور، ص ۲۱، ۲۲

میں آپ کو یہ کرنے کو کہہ رہا ہوں، فوت ہو جائے گا۔ہم کسی کام کی تکمیل کے لئے وظائف پڑھتے ہیں یا پھر نوافل کی نیت کرتے ہیں تو یہ مزدوری ہے۔ہم نے گویا اللہ کے ساتھ سودا طے کیا کہ یا اللہ! تو میرا فلاں کام کر دے میں 100 نوافل پڑھوں گا ۔یہ تو بالکل ایسے ہی ہے جیسے کسی مزدور نے آپ کا کام کر دیا اور آپ نے اُسے اجرت دے دی۔نہ اُس کا آپ پر کوئی احسان اور نہ ہی آپ کا اُس پر کوئی احسان۔رب کے ساتھ ایسے سودے ہم نہ کریں تو بہتر ہے تاکہ رب ہمیں اس کا بہترین اجر عطا فرمائے اور بہترین اجر، میرے خیال میں، رب کا قرب اور دوستی ہے۔''(۱)

حضرت سید یعقوب علی شاہؒ نے وسیلہ کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار جس طرح کیا۔سرفراز اے شاہ اس کو یوں بیان کرتے ہیں:

'وسیلہ' کے معنی ہم عموماً غلط مراد لیتے ہیں۔قرآن پاک میں اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھنے کی جو بات ہے اس میں رسی سے مراد اللہ کے احکامات ہیں اور جو شخص سختی سے ان کے احکامات کی پابندی کرتا ہے، سختی سے اللہ پر'' بھروسے'' کرتا ہے وہ کبھی بھٹکتا نہیں۔میرے خیال کے مطابق تو'' رسی '' اللہ کے احکامات اور اُس پر'' بھروسے'' کا استعارہ ہے۔''(۲)

علم کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی عطا اور عقل و علم کا باہم موجود ہونا کے فوائد کے بارے میں سرفراز اے شاہ اپنے پیرو مرشد کی تعلیمات کو یوں بیان کرتے ہیں:

'' اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ جس پر مہربان ہوتا ہے اُس کو علم کیوں عطا کرتا ہے؟ عرض یہ ہے کہ انسان جس کی سوچ، علم، عقل اور محبت کی حد محدود ہے وہ بھی کسی کو جب قریب اور عزیز رکھتا ہے، محبت کرتا ہے تو اُسے تحفہ دیتے وقت چاہتا ہے کہ سب سے اچھی چیز اُس کو دے۔اللہ چونکہ علم کو بہت عزیز رکھتا ہے، اُسے علم بہت پسند ہے اس لئے جس سے وہ راضی ہوگا اُسے علم ہی عطا کرے گا کیونکہ علم سے عقل پیدا ہوتی ہے

(۱) شاہ، سرفراز اے ، کہے فقیر ، ناشر فواز نیاز ، 257 ، ریوارز گارڈن ، لاہور ، ص ۲۵
(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۳۶

اور عقل ودانائی کا حاصل (Essence of Wisdom) خود رب ہے۔رب تعالیٰ اس علم کے ذریعے بندے کو خود شناسی کی طرف لے جائے گا اور یہ خود شناسی بندے کو حق شناسی کی طرف لے جائے گی۔۔لہٰذا جس سے بھی رب راضی ہوگا اُسے علم عطا کرے گا۔''(۱)

اہل حق اور اہل علم کا موضوع ہمیشہ سے قرآن مجید اور اس کی تفسیر ہی رہی۔قرآن مجید کی اصل روح کو کیسے سمجھا جا سکتا ہے۔اس موضوع پر سرفراز اے شاہ اپنے مرشد کی تعلیمات یوں تحریر میں لائے ہیں:

''قرآن پاک کی دو ترتیبیں ہیں۔(۱) ترتیب نزولی (۲) ترتیب کتابی 1۔ترتیب نزولی: یہ ترتیب سے بالکل مختلف ہے۔مختلف آیات مختلف حالات کے پس منظر میں نازل ہوئیں۔کسی آیات کی تشریح کے وقت قرآن پاک میں سے کسی دوسری آیات کو بطور حوالہ استعمال کیا جاتا ہے۔مثلاً ایک مستند عالم ہوسکتا ہے کہ سورہ بقرہ کی ایک آیت کی تفسیر وتشریح کے وقت پہلے اٹھائیسویں پارے، پھر پانچویں پارے کی کسی آیت کا ریفرنس دے۔کیونکہ بہت ساری آیات اپنے پس منظر کے باعث ایک دوسرے کے ساتھ ربط اور تعلق رکھتی ہیں۔لہٰذا آیات کی تشریح کے وقت دیگر آیات سے حوالہ جات (Links) کے ذریعے مفہوم کی وضاحت کی جاتی ہے۔اور ان Links کے بغیر ترجمہ تو ٹھیک ہو جائے گا لیکن تشریح تشنہ رہ جائے گی۔''(۲)

سید سرفراز اے شاہ دعا اور قرآن مجید کے سمجھنے کے انداز کو اپنی بات جاری رکھتے ہوئے اپنے مرشد حضرت سید یعقوب علی شاہؒ کے اقوال کا یوں ذکر کرتے ہیں:

''ایک بار ذکر ہوا تھا کہ دعا کے بارے میں رب نے جگہ جگہ فرمایا ''اللہ دعا کو سننے والا ہے''۔'''' اللہ دعا کو قبول کرنے والا ہے۔'' ''سمیع'' اور ''مجیب'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔مزے کی بات یہ ہے کہ دعا کے بارے میں جہاں بھی یہ آیات نازل ہوئیں وہاں ہر بار Situation مختلف ہے۔کہیں صحابہؓ سے سوال کیا تو آیت

(۱) شاہ، سرفراز اے، کہے فقیر، ص ۴۲، ۴۳
(۲) ایضاً ایضاً ، ص۱۰۶

نازل ہوئی۔ کہیں یہودیوں نے سوال پوچھا تو آیت نازل ہوئی۔ کہیں کفار نے سوال کیا تو آیات نازل ہوئی الفاظ اور بیک گراؤنڈ مختلف ہے۔ آپ جب بھی قرآن پڑھیں تو اس کی روح کو سمجھنے کے لئے تفسیر کو پڑھنے کی کوشش کریں۔ وہ علماء کرام اور مفسرین جنھوں نے ایک آیت کی تشریح کے وقت تمام Situation کے حوالہ جات نقل کیے ہوں، ان کی بیان کردہ تفسیر پڑھنے کے بعد قرآن کے معنی مختلف اور بہت وسیع نظر آئیں گے۔ یہاں عرض کردوں کہ قرآن پاک کے ایک معنی تو وہ ہیں جو عموماً ترجمہ کے وقت سب کو سمجھ آتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کے دس مخفی معنی ہیں۔ اسی لئے بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآن پاک کو جتنی بار پڑھا جائے نئے معنی سمجھ آتے ہیں۔'' (۱)

غرض اہل حق نے ہر دور اور ہر فضا میں عوام الناس کو دین اسلام پر اسکی حقیقی روح کے مطابق عمل پیرا ہونے کے طریقے بھی بتائے اور اس پر تلقین بھی تمام عمر کرتے رہے

(۱) شاہ، سرفراز اے، کہے فقیر، ص ۱۰۷۔

واصف علی واصفؒ

دور حاضر کے اہل اللہ ۔اہل حق میں واصف علی واصفؒ کی شخصیت ہمہ پہلو خوبیوں کی مالک تھی ۔علمی ۔ادبی اور سماجی شخصیت اس کے ساتھ ساتھ شیخ طریقت بھی تھے ۔توحید و رسالت بلکہ یوں کہیے توحید بوسیلہ رسالت اہل حق کا پہلا اور آخری سمندر ہوتا ہے ۔جس میں سے مؤدّت کے موتی چنتے چنتے عمر بیت جاتی ہے ۔واصف علی واصفؒ کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا ۔ اللہ تعالیٰ کی حمد پر قلم اٹھایا تو رسالت تک بات پہنچی اور رسالت کی ثناء بیان کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ تک پہنچے ،یہ اہل اللہ کا ہی خاصہ ہے۔اپنے ایک مضمون میں اسلام ،توحید اور رسالت کے ضمن میں یوں رقمطراز ہیں۔

''اللہ اور صرف اللہ کو ماننے اور اس سے تعلق کا نام اسلام نہیں ۔حضور اکرم ﷺ کے وسیلے کے بغیر تقرّبِ الٰہی کا تصور خارج از اسلام ہے ۔ہم پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت فرض ہے ،اللہ کی عبادت ضروری ہے،لیکن تقرّب حق کا کوئی ایسا دعویٰ جو حضور انور ﷺ کے فرمائے ہوئے میزان کے علاوہ ہو ،بہتان ہے اور اسے غلط ثابت کرنے کا تکلّف بھی غیر ضروری ہے۔'' اسی طرح ایک اور جگہ یوں کہتے ہیں'' اسی طرح اللہ کریم کے بارے میں جو علم ،تعلیم ،اطلاع ،خبر اور ارشاد حضور انور ﷺ کی زبان سے عطا ہوا ،وہی اللہ کے بارے میں حرفِ آخر ہے ۔کسی اور مذہب کا کوئی اور بیان ،جو ماسوائے بیان پیغمبر ہوگا ،ہمارے لئے نہیں ہے ۔مثلاً اللہ کو کسی ایسے اسم سے پکارنا جس کی سند حضورِ انور ﷺ سے نہ ملی ہو مناسب نہیں ۔پیر کو اللہ اور اللہ کو پیر کہنا نامناسب ہے ۔اللہ کریم کی جو صفاتِ عالیہ حضورؐ نے بیان فرمائی ہیں ،بس وہی صفات ہیں ۔جیسے اُس زمانے میں ویسے ہی آج کے دور میں اور ویسے ہی ہمیشہ ہمیشہ ،''الآن کما کان '' اللہ کریم کو ہم نے دریافت نہیں کیا ،معلوم نہیں کیا ،ہمیں حضور اقدسؐ کی ذات نے فرما دیا ۔ہم نے تسلیم کیا۔ہم نے سنا اور مان لیا۔''(۱)

(۱) واصف ، واصف علی ، واصفیات ، کاشف پبلیکیشنز ، 301/A ، جوہر ٹاؤن ، لاہور ، 2006 ، ص ۴۸ ، ۴۹۔

یہ تو ہے اسلام توحید و رسالت کو چند الفاظ میں سمجھانے کا انداز ،اب اللہ تعالیٰ کی رسول اکرم ﷺ پر نازل کردہ کتاب یعنی قرآن مجید کے بارے میں واصف علی واصفؒ کیا کہتے ہیں ،ملاحظہ فرمائیں ۔

> ''اگر کلام الٰہی یا قرآن کریم میں کسی لفظ کا اضافہ کر دیا جائے یا کسی لفظ کی تخفیف کر دی جائے تو وہ قرآن نہیں رہے گا اور تحریف کرنے ولا واجب القتل ہو گا ۔ قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور اتنا مکمل ہے کہ اس میں اللہ کے لفظ کا اضافہ بھی ممکن نہیں ۔قرآن سے لفظِ شیطان نکالنا ممکن نہیں ، بلکہ قرآن کی زبر زیر پیش کو بدلنا ممکن نہیں ۔اس کی حفاظت اللہ کریم نے ایسے انداز میں فرمائی ہوئی ہے کہ یہ مقدس قرآن جیسا تھا ویسا ہی ہے اور ویسا ہی رہے گا ۔ نہ بدلنا قرآن کا اعجاز ہے ۔ اگر خدانخواستہ یہ بدل جائے تو یہ قرآن نہیں ہو گا ۔قرآن کی ترتیب کو بدلنا بھی ممکن نہیں ۔قرآن اسی کتاب کا نام ہے ۔کسی اور کتاب کو کسی اور زبان کا قرآن کہنا ،قرآن مقدس کی شان میں گستاخی ہے، گناہ ہے'' (۱)

اہل حق کے ہاں ڈگریوں کے علم اور اصل علم میں فرق ایسے ہی ہوتا ہے ۔جو معلومات (Information) اور علم (Knowledge) میں ہوتا ہے ۔علم کے موضوع پر واصف علی واصفؒ یوں رقمطراز ہیں:۔

> ''ہم معلوم کو علم کہتے ہیں ،حالانکہ نامعلوم اور لامعلوم بھی علم ہے ،اتنا ہی اہم جتنا معلوم ۔اگر ہم یہ کہہ دیں کہ معلوم کی نفی کا نام علم ہے ،تو علم کی تعریف صرف یہ ہو سکتی ہے کہ اپنی لاعلمی کے احساس کا نام علم ہے ۔ جتنا معلوم زیادہ ہو گا ،اتنا ہی احساسِ لاعلمی زیادہ ہو گا ۔اس لئے جاننے والے اکثر یہی کہتے رہے کہ وہ کچھ نہیں جانتے ۔کائنات میں اتنے علوم ہیں کہ ان کی اقسام گنوانا دشوار اور ناممکن ہے ۔ کچھ چیزوں کے بارے میں بہت کچھ جاننا ممکن ہے ، بہت سی چیزوں کے بارے میں کچھ کچھ جاننا ممکن ہے، سب چیزوں کے بارے میں سب کچھ جاننا ناممکن ہے ۔'' (۲)

(۱) واصف ، واصف علی، واصفیات ، ص ۴۸

(۲) ایضاً ص ۸۰

واصف علی واصف علم کے موضوع پر ہی ایک اور جگہ لکھتے ہیں۔

''سورج کے پاس علم نہیں، روشن نصیب ہے۔علم بادِ صبحگاہی اور آہِ سحر گاہی سے ملتا ہے۔تحیّر سے ملتا ہے۔تعلق سے ملتا ہے اور تقرب سے ملتا ہے۔کتاب کا علم فیضِ نظر تک نہیں پہنچا سکتا۔ایک معمولی سا کھلنے والا پھول علم دے سکتا ہے۔''(۱)

واصف علی واصف علم کی بات کہتے ہوئے خودی یا خود آگہی کا ذکر بھی ایک لطیف پیرائے میں یوں کرتے ہیں۔

''علم اگر خود آگہی کے قریب کرے تو نور، ورنہ حجاب۔زیادہ جاننے کا غرور اگر نہ جاننے کی عاجزی میں بدل جائے تو حجاب اُٹھ جاتا ہے۔فنا کا علم حجاب ہے۔ بقا کا علم نور۔اگر علم کا مدعا خوشنودی خلق ہے تو حجاب اور اگر علم کا منشا رضائے حق ہے تو نور بلکہ نور علیٰ نور۔''(۲)

دور حاضر میں (بصد ادب معذرت کے ساتھ) مسلمانوں نے اسلام کی جو حالت کی ہے وہ کون نہیں جانتا۔ ہر ذی حس، ایک ان پڑھ سے لیکر اہل علم حضرات تک اس پر بہت دکھی ہے۔مگر اس کی ذمہ داری عام آدمی پر نہیں مذہبی لوگوں پر زیادہ آتی ہے۔واصف علی واصف بھی اپنے اس دکھ کا اظہار یوں کرتے ہیں:

''مذہبی فرقے اور ان کے سربراہ، دوسرے مذہبی فرقوں اور ان کے سربراہوں پر تنقید کر رہے ہیں۔مقام توحید اور مقام رسالت کے تحفظ کے نام پر ایک گروہ دوسرے گروہ کا مخالف ہے۔یا رسول اللہ ؐ کہنے یا نہ کہنے پر ابھی تک دلائل دیئے جا رہے ہیں۔تبلیغی جماعتوں کے اندازِ فکر پر بہت کچھ کہا جا رہا ہے۔تقریباً ہر فرقے کے پاس ہر دوسرے فرقے کے لئے فتویٰ کفر موجود ہے۔مسلمانوں کو اسلام کا ماضی سُنا سُنا کر ملت اسلامیہ کو قصہ ماضی بنایا جا رہا ہے۔اسلام میں اتنا اسلام ملا دیا گیا ہے کہ اب نتیجہ صفر ہے۔ہر فرقہ اسلام کے نام پر علیحدہ ہوتا جا رہا ہے، حالانکہ اسلام وحدتِ ملت کا نام ہے۔سیاسی اور سماجی تحریکیں اسلام کے نام پر قائم ہیں اور ان میں اتنا فرق ہے کہ اصل اسلام کا پتہ نہیں چلتا۔ایک مسلمان ملک کا معاشرہ دوسرے مسلمان ملک کے معاشرے سے مختلف ہے۔صحیح اسلامی معاشرہ کہیں قائم نہیں ہوسکا۔''(۳)

(۱) واصف، واصف علی، واصفیات، ص ۸۱
(۲) ایضاً ایضاً، ص ۸۳
(۳) ایضاً ایضاً، ص ۵۱

اہل حق میں ادبی ذوق ہمیشہ سے ہے۔اسی لئے اکثریت صاحب تصنیف رہے۔جن بزرگوں نے خود سے کچھ نہ لکھا اور اہل علم نے ان سے فیض حاصل کیا تو ان کے ملفوظات جن میں قرآن وحدیث کی تشریحات، اقوال اور سماجی موضوعات پر نصائح تھے،ان کے وصال کے بعد کتابی شکل میں آئے۔ادبی ذوق حسن لطیف کا ہی خاصہ ہے۔واصف علی واصفؒ بھی یہ حسن لطیف رکھتے تھے۔ان کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

"تارا ٹوٹا دیکھ کے دل نے کی پکار — کوئی مجھے بھی دیکھتا میں ٹوٹا سو بار
ہری ہری میں ہر گئی میں ہاری ہر بار — ہار ہی موری جیت ہے موہ سنگ کھیلے یار
بابل گھر کی راگنی ہوئی بدیش سوار — شہنائی کی گونج میں سکھیاں کریں پکار"(۱)

"میرے سر پر جو ٹوٹا تھا — میری قسمت کا تارا تھا
کتنی صدیاں سمٹ رہی تھیں — اک لمحہ جب پھیل رہا تھا
آج میں صحرا میں ہوں پیاسا — کل میں دریا میں ڈوبا تھا
وقت گزر جاتا ہے لیکن — وقت بہت مشکل گزرا تھا"(۲)

"جو سکھیاں رنگ راتڑی کریں سوچ بچار — ایک ہی بوند میں رنگ نے اڑنا ہے سو بار
ندی کنارے میں کھڑی جانا ہے اُس پار — رام بھروسے چل پڑوں تن نیّا من کھیون ہار
واصف کہے کبیر سے،سنو ہمارے یار — ہم تو جیسے جگت میں آئیں نہ دوجی بار"(۳)

اقوال

"خاموش انسان خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔خاموشی خود ایک راز ہے اور ہر صاحبِ اسرار خاموش رہنا پسند کرتا ہے۔
خاموشی دانا کا زیور ہے اور احمق کا بھرم۔"(۴)

(۱) واصف ، واصف علی ، واصفیات ، ص ۵۸
(۲) ایضاً ، ص ۱۹۲
(۳) ایضاً ، ص ۱۷۵
(۴) ایضاً ، ص ۷۴

’’دریا عبور کرنے کے لئے کشتی ضرور سبب ہے لیکن گرداب سے نکلنے کے لئے دعا کا سفینہ چاہیے ‘‘(۱)

’’عاجزی اور کمینگی میں بڑا فرق ہے۔کسرِ نفسی کو تحقیرِ ذات تک نہ پہنچاؤ !‘‘۔ ’’کبھی کبھی مظلوم کا آنسو ظالم کی تلوار سے زیادہ طاقتور ہوتا ہے !‘‘ ’’طوفانوں کی طاقت سب کشتیوں کو نہیں ڈبو سکتی!‘‘ ’’انسانی عقل و خرد کی تمام طاقتیں مکڑی کے کمزور جالے کے سامنے بے بس ہیں۔‘‘(۲)

’’کشتی ہچکولے کھا رہی ہو تو اللہ کی رحمت کو پکارا جاتا ہے۔جب کشتی کنارے لگ جائے تو اپنی قوتِ بازو کے قصیدے کہے جاتے ہیں۔بہت کم انسان ایسے ہیں جو اپنے حاصل کو رحمتِ پروردگار کی عطا سمجھتے ہیں۔‘‘(۳)

(۱) واصف ، واصف علی ، واصفیات ، ص ۱۴۸

(۲) ایضاً ، ص ۱۳۹

(۳) ایضاً ، ص ۵۳

حضرت سیّد محمد وجیہ السیما عرفانیؒ (م ۱۹۹۱ء)

حضرت بابا عرفانیؒ اولیاء اللہ میں قریب تر ماضی میں ہو گزرے ہیں۔ چونکہ آپؒ میرے والد گرامی اور مرشد گرامی ہیں اس لئے میں آپؒ کے بارے میں کچھ لکھنے کی بجائے روایات کے مطابق دور حاضر کے لکھنے والے اہل علم حضرات کے تاثرات ہی زیادہ دونگا تا کہ مبالغہ آرائی تصور نہ کی جائے۔ تاہم آپؒ کی گھریلو زندگی کے واقعات میں چند سطور لکھنا چاہوں گا۔

میرے والد گرامی ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جس میں قرآن مجید کے علاوہ دینی تعلیمات عربی ، فارسی ، ریاضی ، سائنس ، منطق ، فلسفہ اپنے ددھیال اور ننھیال کے بزرگوں سے حاصل کی۔ جس میں سات سال کی عمر میں قرآن مجید کا حفظ شامل ہے پھر لاہور میں جامعہ نظامیہ اور جامعہ۔۔۔ ۱۴ سال کی عمر میں ہی میٹرک کے ساتھ درس نظامی کا مکمل کورس ختم کرلیا۔ ایم اے فلاسفی کے بعد جز وقتی طور پر گورنمنٹ کالج میں پڑھاتے رہے ۔ پھر صحافت سے منسلک ہو گئے۔ میرے والد محترم ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔ آپؒ ایک مدبر، مفسر ، محدث ، مترجم ، شاعر ، ریڈیو اور ٹی وی سے منسلک سکالر تھے۔

آغاز میں میں اپنے والد گرامیؒ کے ایک مقالہ بعنوان ''خیر البشر بحثیت عبدہ'' سے ایک اقتباس پیش کر رہا ہوں۔ جسے اہل محبت اور اہل ادب نے علم اور وجدان سے مزیّن ایک منفرد شاہکار قرار دیا ہے۔ مرشد گرامی یوں تحریر کرتے ہیں:

> ''بات اُن کی ہے ، جو انبیاؑ کے قافلہ سالار رہیں ، ذکر اُن کا ہے ، جو اوّلین و آخرین کے مقتدا ہیں ، یاد اُن کی ہے ، جو خاتم ﷺ النبیین بھی ہیں۔ رحمتہ للعالمین ﷺ بھی ، بیان ان کے بارے میں ہے۔ جو اللہ کے حبیب ﷺ مطلق ہیں اور کائنات کے ہادی اعظم ، گفتگو اُنکی شانِ یکتائی کی ہے جو ہمارے آقا ہیں اور مولائے کُل ، اُن کی ذات بالا و والا اُن کی صفات بے مثال ، اُن کی تعلیم یکتا ، اُن کا مقام سدرۃ المنتہیٰ سے ماورا ، اُن کا انداز حرفِ محبوبی کا پیکر جمیل ، اُن کی زبان وحیِ حق ، اُن کا قیام نِگاہِ معبود کا مرکز ، اُم کا نام رُوحِ حیات کا نعرۂ ازل ، ان کا عمل قانونِ ابد ، اُن کا شہر خُدائے قدوس کا انتخاب ، اُن کا قرآن ربّ کائنات کی آخری وحی ، ان کی ہدایت آفاق و جہاں کے خیر و برکت کی دستاویز ، اُن کی چشم رحمت عطاو احسان کی ضمانت ، وہ اللہ کے رسول ﷺ ، وہ کائنات کے مقتدا ، وہ انوار کا مرجع ، وہ

خوبیوں کا مرقع، وہ زیبائی کا پیکر، وہ جمالِ ایمان کا مبتدا، وہ پروازِ جبریل کی تسلیمات کا منتہا، وہ قُربِ حق کی فضاؤں کے دستگیر، وہ جن کا نام ہے محمّد ﷺ۔ ان پہ لاکھوں دُرود، ان پہ کروڑوں سلام۔ شعور و ہوش ہے یا علم و خبر عشق باریاب ہے یا طلب بے نہایت، دانش بصیرت ہے یا حضور و مشاہدہ، کسی بھی کیفیت سے دیکھیں، خوبی و زیبائی، بلندی و کمال، ہر فضا میں انہی کا پرچم جمالِ ہمیشہ کے لیے پُرکشا ہے اور اس فضائے رحمت و تقدیس میں نہ کوئی اُن کا مقابل، نہ مماثل نہ عدیل۔''(۱)

اب میں حضرت پیر مہر علی شاہؒ کے پڑپوتے پیر نصیر الدین نصیرؒ گولڑہ شریف ایک صاحب علم اور صاحب حال بزرگ تھے جن کا حال ہی میں وصال ہوا ہے۔ انہوں نے والد گرامی کے بارے میں ایک قطعہ لکھ کر مجھے بھیجا اور خواہش کی کہ یہ قطعہ حضرت عرفانیؒ کے مزار پر لگایا جائے۔ وہ قطعہ یوں ہے:

''تا بدو بتافت آں نبیہ السیّما — درِ وادیٔ اجسام شبیہ السیّما

خورشیدِ فیوض سر بر آوردہ نصیر — از مطلع عرفان وجیہ السیّما''(۲)

پروفیسر غلام سرور قریشی انگریزی ادب کے ریٹائرڈ استاد ہیں۔ اپنی کتاب میں میرے والد گرامی کے قرآن مجید کی تفسیر بیان کرنے کے اسلوب کو یوں بیان کرتے ہیں۔

''عرفانی صاحب ترجمہ کرتے وقت اکثر روز مرہ زندگی سے مثالیں دے کر عربی الفاظ سمجھاتے۔ مثال کے طور پر آدمی کی تخلیق کے لئے قرآن مجید میں من صلصال کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ کھنکتی ہوئی مٹی یا گارا ہے۔ پڑھنے والا ترجمہ تو پڑھ لیتا ہے لیکن کھنکتی ہوئی مٹی سے کیا مراد ہے؟ اس کو سمجھانے کے لئے آپ دیہاتی زندگی کا پورا نقشہ کھینچ دیتے کہ کس طرح گاؤں کے لوگ مٹی کا ایک جگہ ذخیرہ کرتے ہیں جو کافی عرصہ پڑا رہتا ہے۔ پھر جب مٹی کا رنگ سیاہ ہو جاتا ہے، اس میں خمیر اٹھتا ہے اس مٹی سے دیہات میں مکانوں پر اکثر پوچا دیا جاتا ہے۔ یہ

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، شمارہ اوّل نومبر ۱۹۹۱، ص ۱۱، ۱۲

(۲) حسن خیال، مجموعہ مناقب بہ بارگاہ عالی خواجہ سید محمد وجیہ السیما عرفانی چشتیؒ، سندر پرنٹرز، پریس مارکیٹ فیصل آباد، ۲۰۰۶، ص ۵۔

مٹی بہت چکنی، مضبوط اور لیس دار ہوتی ہے۔ کچھ اس قسم کے process سے انسان تخلیق ہوا۔ غرضیکہ مرشد گرامی کے قرآن کریم کے ترجمہ کا انداز اتنا منفرد، جامع صحیح اور دلنواز تھا کہ ان کا ترجمہ سن کر مجھے زبان و ادب کا طالب علم ہونے کے ناطہ سے احساس ہوتا کہ feel for the language کسے کہتے ہیں۔"(۱)

پروفیسر قریشی صاحب مزید یوں تحریر کرتے ہیں:

"مرشد گرامی کو عربی زبان و ادب کے ساتھ ساتھ جملہ اصناف علوم پر بھی عجب دسترس حاصل تھی۔ عربی کی صرف ونحو میں تو وہ یکتا تھے ہی، اُردو، فارسی، پنجابی اور انگریزی کے علاوہ برصغیر کی کئی بولیوں پر بھی حاوی تھے جن سے قرآن پاک کا ترجمہ کرتے وقت یوں استفادہ کرتے کہ یہ انہی کی تکنیک تھی۔ میں نے دوسرے علماء میں یہ بات کم دیکھی ہے۔"(۲)

پروفیسر قریشی صاحب مزید یوں تحریر کرتے ہیں:

"ایک موقع پر ایک دوست نے سوال کیا اور قرآن پاک کے اکیسویں پارہ کی ابتدائی آیت مبارکہ ان اَلصَّلٰوۃَ تَنھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ پڑھی اور ترجمہ کیا کہ بے شک نماز بے حیائی اور برائی سے روکتی ہے اور استفسار کیا کہ سرکار! دیکھا گیا ہے کہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں اور برائی اور بے حیائی سے بھی باز نہیں آتے تو پھر ایسا کیوں ہے۔ انہیں نماز برے کاموں سے کیوں نہیں روکتی؟ فرمانے لگے کہ آیت مبارکہ میں صلوٰۃ کے ساتھ الف ل جو لگا ہے اس لئے نماز نہیں بلکہ ترجمہ یوں ہوگا نماز وہ نماز ہے جو بے حیائی اور برائی سے روکے۔ اسم نکرہ کے ساتھ الف ل لگانے سے نماز خالص نماز ہوگئی۔ گرامر کا اتنا اصول بتانے سے بات واضح ہوگئی ہے"۔(۳)

(۱) قریشی، پروفیسر غلام سرور، ایسا کہاں سے لاؤں، سندر پرنٹرز، فیصل آباد، ۲۰۰۶، ص ۱۶، ۱۷۔

(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۱۴۔

(۳) ایضاً ایضاً ایضاً

پروفیسر قریشی چونکہ خود انگریزی ادب کے استاد ہیں۔ تو حضرت عرفانیؒ کے انگریزی زبان کا استعمال قرآن مجید کی تفسیر میں کیسے کرتے تھے۔ لکھتے ہیں:

''بعض اوقات انگریزی کے الفاظ استعمال کر کے ترجمہ ذہن میں بٹھا دیتے مثلاً قل الروح من امر ربی کا ترجمہ یوں کرتے۔ ''اے میرے حبیب ﷺ فرما دیجئے روح تو میری ایک موج ہے''۔ اور تشریح یوں کرتے کہ امر کا بہتر ترجمہ انگریزی کا لفظ Order ہوگا جس کا متضاد Disorder ہے۔ یعنی روح عناصر میں ظہور ترتیب ہے یعنی یہ ترتیب جب اُلٹ ہو جاتی ہے یعنی آرڈر، ڈس آرڈر میں بدل جاتا ہے یعنی روح جسم سے نکل جاتی ہے تو روح اس طرح اس کا امر ہے۔ اس کی موج ہے۔ اس نے اسے جب چاہا جسم میں داخل کر دیا جب چاہا نکال لیا۔''(۱)

اسی طرح فارسی زبان کا استعمال کیسے کرتے تھے پروفیسر قریشی اہل علم ہونے کے ناطے علمی گفتگو کا مزہ لیتے ہوئے اپنے تاثرات یوں بیان کرتے ہیں:

''بسا اوقات ترجمہ کرتے وقت فارسی الفاظ کا سہارا لیتے۔ ترجمہ کی صحت کا اتنا خیال رکھتے کہ ترجمہ کرتے، پھر مفہوم بیان کرتے مثلاً بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا ترجمہ عموماً یوں کیا جاتا ہے کہ شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ آپ کا ترجمہ ملاحظہ کیجئے۔ ''بہ نام اللہ، مہر کار، رحم افزاء''۔ دیکھئے کس طرح ہر لفظ اپنے مقام پر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ لفظی ترجمہ Exact بھی اور Accurate بھی۔ مفہوم بیان فرماتے اور کہتے یہ جملہ فعلیہ نہیں۔ یہ جملہ اسمیہ ہے اور یہ صرف عربی زبان کا کمال ہے کہ جملہ اسمیہ سے مفہوم دوسرا لیا جاتا ہے''۔(۲)

واقعہ معراج پر کئی مواقع پر تفسیری گفتگو فرمائی۔ پروفیسر قریشی کے تاثرات اس بارے میں کچھ یوں ہیں۔

''معراج پاک، سیرت طیبہ و طاہرہ کا نہایت اہم اور دلچسپ باب ہے لیکن نازک بھی ہے۔ اس کا بیان نازک تر ہے مرشد گرامی اس موضوع کو ایسے دلکش انداز میں بیان کرتے کہ اس کے سارے پہلو اُجاگر ہو جاتے۔ اس ساعت سعید کا یوں ذکر کرتے۔ آج حضور ﷺ کو مکان و زمان کے تعینات سے ماورا جانا ہے۔ کیونکہ اس کا

(۱) قریشی، پروفیسر غلام سرور، ایسا کہاں سے لاؤں، ص ۱۴۔
(۲) ایضاً ، ص ۱۵۔

مقام تمام رفعتوں کی انتہاؤں سے بھی بالاتر ہے۔آپ ﷺ کا مقام بلندیوں کی حد سے ماورا ہے۔آپ کو اول سے آخر تک کے سفر کو ''سبحان الذی اسریٰ بعبدہ'' کے حوالے سے بیان کرتے اور منتہا اور آخر سے بھی آگے، نہیں آگے تک کے سفر کو سورہ نجم کی آیات کے ترجمہ اور تفسیر سے واضح کرتے ، کہتے وہ فضا و خلاء سے گزرے جہاں نہ لفظ ہیں نہ حرف، نہ جہت نہ مکان، نہ تعبیر ہے نہ تفسیر، یہ وہ عالم ہے کہ وہاں نہ گردشِ افلاک ہے نہ وقت کے تغیرات، نہ مکان ہے نہ زمان، ''والنجم اذا ھویٰ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے جب ستاروں کی گردشیں تھم گئیں، وقت کے رہوار گزر گئے، سبھی تعینات ختم ہو گئے جہان افلاک و اوقات تھم گئے اس عالم معراج میں حضور اکرم ﷺ نہ گمگشتگی میں تھے کہ یہ خواب یا خیال ہو اور نہ منزل و راہ کو بھولے۔ وہ کیف بیدار سے گئے ، وہ چشم نگران سے بڑھے، وہ ہوش و دانش کے تمام تر بانور احساسات سے سفر فرماتے گئے۔ سرکارِ دوعالم ﷺ اس سفر میں اپنی پوری تابناکیوں ، توانائیوں اور جمال انوار کے ساتھ آگے بڑھے اور ایسے افق تک پہنچے کہ اس سے بالاتر آفاق موجود ہی نہیں۔''(۱)

دور حاضر ہی کے مشہور ادیب اے حمید میرے والد گرامی کے ریڈیو پاکستان کے ساتھیوں میں سے تھے ۔ انگریزی اور فلسفہ کے ایم۔اے کے طلباء سے گفتگو کا حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ایک دفعہ ایسا ہوا کہ عرفانی صاحب کی خدمت میں اسی لاڈز ریستوران میں بیٹھا ان کی روح پرور باتیں سن رہا تھا کہ میرے دو تین دوست وہاں آگئے ۔ یہ خالصتاً مغرب زدہ نوجوان تھے۔ ان میں سے ایک انگریزی کا اور دوسرا فلسفے کا ایم اے کر رہا تھا۔ اتنا مجھے معلوم تھا کہ ان کا فلسفے اور انگریزی ادب کا علم صرف نصاب کی کتابوں تک محدود ہے''(۲)

(۱) قریشی ، پروفیسر غلام سرور ، ایسا کہاں سے لاؤں ، ص ۲۱ ، ۲۲۔

(۲) گلستانِ ادب ، ص ۲۱

اے حمید کہتے ہیں کہ میرے فلسفی دوست نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''مائی ڈیئر اس بار کالج میگزین میں ڈچ فلسفی سپینوزا کی دہریت پرستی پر انگریزی میں میرا ایک مضمون آرہا ہے۔ ضرور پڑھنا تا کہ تمہاری بھی کچھ آنکھیں کھلیں۔ میں جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ جناب عرفانی صاحب نے متبسم چہرے کے ساتھ نوجوان کی طرف دیکھا اور بڑے محبت بھرے لہجے میں سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ''میرے عزیز! پہلی بات تو یہ ہے کہ جس فلسفی کا آپ نے نام لیا وہ ڈچ نہیں تھا وہ ہالینڈ میں ضرور رہا اور فوت ہوا مگر اس کے ماں باپ اندلس سے نقل وطن کر کے ہالینڈ آکر آباد ہو گئے تھے اور اس فلسفے پر عرب مفکروں کا گہرا اثر تھا۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ فلسفی سپینوزا دہریت پرست نہیں تھا اپنے ہم عصروں میں سب سے زیادہ مذہب کا قائل اور خدا پرست تھا۔ اس نے عرب علماء کی تقلید میں تصوف اور جبر وقدر کے حق میں قلم اُٹھایا''۔(۱)

اے حمید مزید قمطراز ہیں۔

''میرے دوست کچھ حیران سے ہوکر عرفانی صاحب کو تکنے لگے'' میرے جو دوست فلسفے کا طالب علم تھا اس نے اپنا روائتی حربہ استعمال کرتے ہوئے انگریزی بولنی شروع کر دی۔ عرفانی صاحب کے چہرے پر وہی نورانی معصوم مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ انہوں نے بڑے سکون کے ساتھ جواب میں فرمایا۔ (اب وہ بڑی فصاحت اور روانی کے ساتھ انگریزی بول رہے تھے)۔

''سپینوزا کی توحید پرستی اور اس کی مسئلہ جبر وقدر اور تصوف سے وابستگی کو علامہ اقبالؒ نے ایک شعر میں یوں بیان کیا ہے۔ علامہ صاحب نے اس نظم کا عنوان بھی سپینوزا (Spinoza) ہی رکھا ہے، شعر یہ ہے'':

نظر حیات پہ رکھتا ہے مرد دانشمند
حیات کیا ہے؟ حضور و سرور و نور و وُجود(۲)

(۱) گلستانِ ادب ، ص ۲۲

(۲) ایضاً ایضاً

حضرت علامہ نے اس شعر میں سپینوزا کے فلسفے کو پیش کرنے کے بعد خالص فلسفہ اسلام کی روشنی میں اپنے دوسرے شعر میں یوں اظہار خیال فرمایا ہے:

''حیات و موت نہیں التفات کے لائق

فقط خودی ہے خودی کی نگاہ کا مقصود(۱)

نوجوان طالب علم عرفانی صاحب کو فصیح انگریزی زبان میں فلسفے پر روانی کے ساتھ بولتے دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔ اب حضرت عرفانیؒ صاحب نے سپینوزا کے مضامین کے ترجمے کا ایک اقتباس سنایا جو سارے کا سارا انہیں زبانی یاد تھا''۔

"To hate is to acknowledge our inferiority and our fear. We do not hate a foe whom we are confident we can overcome. Minds are conquered not by arms but by greatness of soul. We must remember that all things follow by the eternal decrees of God. Where by we shall accept the laws of nature gladly and find our fulfillment within our limitations.

We must distinguish carefully the various forms of knowledge and trust only the knowledge that leads us to God"(2)

(۱) گلستانِ ادب ، ص ۲۳۔

(۲) (گلستانِ ادب ، ص ۲۳ ۲۴۔

اے حمید ایک طرف تو حضرت عرفانیؒ کی علم وعرفان پر مبنی فرمودات سن رہے تھے اور دوسری طرف اپنے فلسفی دوست کی حیرت سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔اب دونوں طلباء بھی مؤدب اور پوری طرح متوجہ ہو گئے تھے ۔اس کیفیت کو اے حمید صاحب یوں تحریر کرتے ہیں:

''عرفانی صاحب علم وعرفان کے موتی لٹا رہے تھے۔اس وقت ان کے سامنے کیمبرج اور آکسفوڈ یونیورسٹی کے پروفیسرز بھی ماند پڑ گئے تھے۔چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی۔کسی کو اتنا ہوش ہی نہیں تھا کہ چائے پیتا۔آنکھیں عرفانی صاحب کے روشن چہرے پر لگی تھی۔ کان ان کی آواز کے سوا دوسری کوئی آواز نہیں سن رہے تھے۔فلسفے کے سٹوڈنٹ نے انتہائی ادب سے سوال کیا۔سر! ہمیں Sophists کے بارے میں کچھ بتائیے۔

فلسفے کے سٹوڈنٹ نے یہ سوال انگریزی زبان میں پوچھا تھا۔عرفانی صاحب نے بڑی شفقت سے انگریزی زبان میں ہی اپنی خاص مسکراہٹ کے ساتھ فرمایا۔

"They were the wandering philosophers of GREECE. They engaged lecture halls, gave there their courses of instructions and then passed on to other cities to repeat them. Some of these men, like Protagoras called themselves SOPHISTAI teachers of wisdom."(1)

گورنمنٹ کالج لاہور یونیورسٹی کے پروفیسر ایمریٹس ڈاکٹر وحید قریشی مرحوم جب میرے والد گرامی سے بیعت ہوئے تو کسی نے پوچھا۔کہ آپ خود اتنے بڑے عالم ہیں تو آپ نے کیا دیکھا اور آپ کیوں بیعت ہوئے ؟۔کہنے لگے کہ اقبال کے ایک شعر میں الجھا ہوا تھا۔تو اپنے ایک دوست کے ساتھ حضرت عرفانیؒ کی محفل میں گیا۔تو میرے بولنے سے پہلے ہی آپؒ نے اقبال کے اس شعر کی شرح بیان کرنی شروع کر دی۔ میں شرح سن کر حیرت زدہ رہ گیا۔سوچا کہ میری ساری عمر اقبال پڑھتے اور پڑھاتے گزری مگر حضرت عرفانیؒ کی اقبال کے شعر کی شرح مجھے وجدان کی ایک ایسی کیفیت میں لے گئی ۔جس کی چاشنی میں تمام عمر محسوس

(۱) گلستانِ ادب ، ص ۲۴۔

کرتا رہونگا۔ یہ کیفیت ڈاکٹر وحید قریشی صاحب نے اپنی ایک منقبت میں بیان کی، ملاحظہ فرمائیں۔

''نئی بشارت دے گیا پیر کا حُسنِ مقال — کھوٹا ہو گیا آپ ہی، علم کا پچھلا مال
دل پروارد ہو گئے نئے نئے احوال — اک اک کر کے حل ہوئے، الجھے ہوئے سوال
تجھ پہ خود ہی کھل گیا، میرے دل کا حال — کتنے راز بتا گیا، تیرا حسنِ خیال
بیت رہے تھے اس طرح، میرے ماہ و سال — جیسے پوری زندگی، جادۂ گردِ ملال
میرا قلب مضطرب بھولا پچھلا حال — صبر سکون و آشتی، قاطع حُزن و ملال
آپ کو کیا بتلاؤں میں، اپنے کشف کا حال — جیسے چمکے شعر میں، کوئی نیا خیال
پیر کا چشتی سلسلہ، آپ ہے اپنی مثال — ایک جمالی کیفیت، ایک نشان۔ کمال
اسکی شب بیداریاں، زینۂ اوج کمال — اس پر کیف سجود سے، کھل گیا بابِ وصال
لبِ تبسم آشنا، کہے حقیقت حال — اور نرالی آگہی زبدۂ حسن۔ خیال
اسکے علم کی روشنی کر گئی مجھے نہال — اس، شعاع نور سے، روشن ذہن وخیال''(۱)

ڈاکٹر وحید قریشی مرحوم حضرت عرفانیؒ کے وصال کے بعد بیماری سے پہلے تک والد گرامی کے سالانہ ختم شریف میں شرکت کرتے رہے۔ اور ایک دوسرے سالانہ ختم شریف پر انہوں نے دوسری منقبت لکھی۔ وہ بھی پیش خدمت ہے:

''میرا مرشد وجیہ عرفانیؒ — تھا وہ علم وہنر میں لاثانی
علم ودانش کا اک چراغ تھا وہ — سب پہ حاوی تھی اس کی تابانی
معرفت کا تھا ایک سیلِ رواں — اس کو حاصل تھا، فیضِ روحانی
زندگی کی عمیق راہوں میں — تھا وہ تازہ شعور کا بانی
اس پر سارے ہی راز افشا تھے — ما ورائے حیات انسانی
وہ کہ اک خیر تھا، مجسم تھا — وہ کہ اک نور تھا، سورحمانی
اسکی ہر بات میں نئے پہلو — یعنی لعل و گہر کی رخشانی
دل سے توحید کا علمبردار — اور شریعت کا محرم جانی
اس کے فیضِ بسیط سے اب بھی — چشتیہ سلسلہ ہے نورانی''(۲)

(۱) حسن خیال، مجموعہ مناقب بہ بارگاہ عالی خواجہ سید محمد وجیہ السیما عرفانی چشتیؒ، ص ۶، ۷، ۸۔
(۲) ایضاً ایضاً، ص ۸، ۹۔

والد گرامی ؒ قیام پاکستان سے پہلے ہی صحافت سے منسلک رہے۔تحریک پاکستان میں بھر پور حصہ لیا۔والد گرامی کی زبان دانی اور صحافتی خدمات کے بارے میں اظہر الیاس چشتی جو پاکستان ایمبیسی سکول جدہ میں ایک سنئیر استاد ہیں یوں تحریر کیا ہے:

''زبانیں سیکھنی شروع کیں تو دنیا کی کئی زبانوں میں مہارت حاصل کی۔عربی، فارسی، انگریزی، اُردو، سرائیکی اہل زبان کی طرح بولتے اور لکھتے۔ دینی علوم کے حصول کا شوق پیدا ہوا تو درسِ نظامی کا چودہ سالہ کورس صرف سات سال میں ختم کر ڈالا۔اس سے پہلے صرف نو سال کی عمر مبارک میں قرآن مجید حفظ کر چکے تھے۔آپ کو اسلامی قوانین پر مکمل دسترس حاصل تھی اور ساتھ ہی موجودہ قوانین کا بھی گہرا مطالعہ رکھتے تھے۔حافظے کا عالم یہ تھا کہ جو کتاب ایک دفعہ پڑھی اس طرح یاد ہوئی کہ دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہ پڑی۔جب صحافت کے میدان میں قدم رکھا تو وہ کارہائے نمایاں سر انجام دیے کہ صحافت کی تاریخ کا زریں باب ہیں۔روزنامہ ''احسان''، ''زمیندار''، ''نوائے وقت''، ''کوہستان''، ''مشرق'' اور ''آفاق'' میں بڑے عہدوں پر کام کیا۔کچھ عرصہ کراچی سے تحریک پاکستان کی حمایت میں ''انصاف'' نامی اخبار خود بھی نکالتے رہے''۔(۱)

والد گرامی حضرت بابا عرفانی ؒ کے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کی زندگی کے بارے میں سہیل ظفر مرحوم، یونس ادیب اور دیگر احباب نے مختلف مضامین میں تفصیل سے لکھا ہے۔جو کئی صفحات پر محیط ہے۔اس موضوع پر اظہر الیاس چشتی یوں رقمطراز ہیں:

''ریڈیو پاکستان اور ٹی وی میں ایک زمانہ مختلف پروگرام کیے۔سیرت سید کائنات ﷺ، اہل بیت اطہارؓ، صحابہ کرامؓ، اولیائے کرامؒ، اقبالیات اور دیگر دینی و ادبی موضوعات پر آپ کے فیچر، تقاریر، مباحث اور مقالہ جات اپنی مثال آپ ہیں۔کسی بھی موضوع پر فی البدیہ گفتگو فرمانے میں آپ کا ثانی نہ تھا''۔(۲)

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما ستمبر، ص ۶۳

(۲) ایضاً ماہنامہ سیما ستمبر ۱۹۹۲، ص ۶۳۔

والد گرامی سائنسی علوم پر تازہ ترین تحقیقات کے بارے میں مطالعہ کے ذریعے آگاہی حاصل کرتے رہتے ۔ایسے مریض جن کو ڈاکٹروں نے لاعلاج قرار دیا۔ان کے لئے علاج تجویز کئے ۔اور انہوں نے صحت پائی ۔اظہر الیاس چشتی اس بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں:

''یونانی طب آپ نے درساً پڑھی اور ساتھ ہی میڈیکل سائنس اور دیگر سائنسی علوم خصوصاً فزکس اور بیالوجی کا گہرا مطالعہ کیا۔ پودوں، انسان کی جسمانی بیماریوں اور پتھروں پر آپ کی خصوصی تحقیق اور Findings ہیں جن پر موجود سائنس شائد صدیوں بعد پہنچے''۔(۱)

والد گرامی حضرت بابا عرفانیؒ چونکہ مختلف زبانوں خاص طور پر Oriental Languages پر مکمل عبور رکھتے تھے۔تو مشکل ترین تراجم کا کام آپؒ ہی کے حصے میں آیا۔ریڈیو پاکستان کے سلیم گیلانی مرحوم نے دعاءِ عرفہ کا بغیر اعراب والا نسخہ دیا اور ترجمہ کے لئے گذارش کی ۔جو ریڈیو پاکستان سے 1978ء میں محرم میں پانچ چھ دن براڈ کاسٹ ہوتا رہا اور بعد میں دعاء امام الشہداؑ کے نام سے خود بھی چھپوایا۔قرآن مجید کا ترجمہ عرفان القرآن کے نام سے 1978ء میں ہی شالیمار ریکارڈنگ کمپنی اسلام آباد نے ریکارڈ کیا۔اور 1981ء سے کتابی شکل میں چھپنا شروع ہوا۔عرفان القرآن کے بارے میں اس دور کے عربی کے سنیئر اساتذہ تحریری طور پر تعریف کر چکے ہیں ۔جن میں پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب، پروفیسر مظہر معین صاحب ۔دونوں اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی کے سابق پرنسپل ہیں اور موجودہ شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی کے چیئرمین پروفیسر خالق داد ملک صاحب شامل ہیں۔ان کے تاثرات میرے ایم۔اے عربی کے تحقیقی مقالہ''**المکانة الادبية لترجمة معانی القرآن الکريم الشيخ السيّد محمد وجيه السيّما العرفانیؒ**''(2007) میں شامل ہیں ۔ان سب کو شامل کرنے سے بات لمبی ہو جائے گی۔اس موضوع پر اظہر الیاس چشتی کی تحریر سے چند سطور ملاحظہ فرمائیں۔

''آپ ایک بلند پایہ مترجم بھی تھے۔ترجمہ کیا کرتے ایک زبان کے جادو کو دوسری زبان کے طلسم میں منتقل کر دیتے۔الحسنؑ والحسینؑ دعائے امام الشداءؑ اور قرآن مجید کا ترجمہ اس فن کا منہ بولتا ثبوت ہے۔اس کے علاوہ بے شمار مضامین عربی، انگریزی سے اردو میں ترجمہ کیے۔ طریقت کی عظیم کتابیں کشف المحجوب اور فواد الفواد کا ترجمہ بھی کیا جو زیر طبع ہے''۔(۲)

(۱) عرفانی ، سید محمد وجیہ السیما ، ماہنامہ سیما ستمبر ۱۹۹۲ ، ص ۶۳

(۲) ایضاً ، ص ۶۳ ، ۶۴۔

شاعری میں والد گرامی کا ایک پورا دیوان ملاقات کی غرض سے آنے والے نے دیکھنے کے بہانے چرا لیا۔ اس وقت تین کتب جو اپنی حیات میں ہی شائع کروائیں وہ میرے حضور ﷺ (مجموعہ نعت)، خواجہ ہی خواجہ (مجموعہ مناقب)، اور حرفِ جمال (مجموعہ غزل) شامل ہیں۔ میں یہاں فارسی زبان میں کہی گئی ایک نعت، انگریزی اور عربی زبان میں کہی گئی ایک ایک منقبت سے چند اشعار شامل تحریر کرتا ہوں۔

بہ بزمِ دلبراں یکتاست دِلدارے کہ مَن دارم
بہ ہر عالم ھمہ مہراست آں یارے کہ مَن دارم
بہ شہرِ حیلہ ہاں سازاں کرا پرسی ، چہ می جوئی
متاعِ دل ۔ بیاب از مصر بازارے کہ من دارم
بحرفِ کم نِگاھاں معنئ شوقم نمی گنجد
بہ محبوب اَزل پیوستم اِقرارے کہ مَن دارم
بمیدانِ کرم ایمان و ایقانم تماشا کُن
اِمام المرسلیں یکتاست سالارے کہ مَن دارم
محمدٌ ﷺ رَسول اللہ ہست ایمانِ عرفانؔی
وصلّی اللہ بسا تصدیقِ اقرارے کہ مَن دارم (۱)

انگریزی میں ایک منقبت بحضور خواجہ غریب نوازؒ سے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

Khwaja is the mercy and the light
The reverence and the height
The whole of love and its might
Even the vision and the sight
He is khwaja - my khwaja,
The great khwaja

(۱) میرے حضور ﷺ ، ص ۵۲ ، ۵۳۔

Khwaja moeenuddin khawaja the chief.

The heart of devotion, the top of belief

Flow of blessings, abundance of relief

My chisiti soul has written on every heavenly leaf

He is khwaja - my khwaja,

The great khwaja

I am irfani, his poor at his door

Sitting where he installed me in Lahore

Khwaja has abundant mercies in store

Certainly he will bestow my more and more

He is khwaja - my khwaja,

The great khwaja

The grand khwaja

The chief khwaja(۱)

عربی کی ایک منقبت بحضور خواجہ غریب نواز اجمیریؒ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

لنا اللہ ھوالرب ، کبیراشان رحمان

وحید واحد احد ، کثیر العفو ھنان

فکل الحمدللہ ، لہ الشکر ، الہ النعمہ

الہ واحد معط ، علی عونہ تکلان

ملاذ الخلق ، قیوّم ، مجید ، مالکٌ صَمَدٌ

لا الایات و الافاق ، کلا عنہ تبیان

فامنا بانّ اللہ ، حَیّ ، لاشریک لہ

وبالرسل الکرام و النبیین متیٰ کانوا

(۱) خواجہ ہی خواجہ ، ص ۸۹ ، ۹۰۔

مَحَمَّدٌ رَسُول اللہِ ، خُتِم لابنیاء بہ

بانفسنا ھوالاولی ، ھوالرحمہ واحسان

انا الچشتی عرفانی ، فقیر ، راجیٌ داع

من الخواجہ مُعین الدین حسن لی عرفان (۱)

حضرت بابا عرفانیؒ کی شاعری پر پروفیسر ڈاکٹر ریاض مجید کے تبصرے اخبارات میں چھاپے گئے اور احمد ندیم قاسمی جیسے شعرا کے ٹی وی ٹاک شو میں ٹیلی کاسٹ ہو چکے ہیں۔ اظہر الیاس چشتی اپنے مضمون میں حضرت بابا عرفانیؒ کی شاعری کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''شاعری کا شوق بچپن سے تھا جو آخر وقت تک جاری رہا۔ آپ نے چھ زبانوں میں شعر کہے، آپ کی شاعری کی پہلی کتاب ''خواجہ ہی خواجہ'' ہے۔ جس میں آپ نے عربی ، فارسی ، پوربی ، اردو اور انگریزی زبان میں حضور خواجہ غریب نوازؒ کے مناقب لکھے ہیں۔ ان میں سے ایک غزل۔

غنچہ شوق لگا ہے کھلنے

پھر تجھے یاد کیا ہے دل نے (۲)

شہرتِ دوام حاصل کر چکی ہے۔ (یہ غزل مہدی حسن نے EMI کے لئے ریکارڈ کروائی بعد میں ٹیلی ویژن کی اپنے دور کی مقبول غزلوں میں شمار ہوئی)۔ آپ کی دوسری کتاب ''میرے حضور ﷺ'' ہے جو نعتوں کا مجموعہ ہے۔ آپؒ نے شاعری کی ہر صنف سرکار دو عالم ﷺ کی ثناء بیان کی ہے۔ پرانے مضامین کو بھی اس طرح ادا کیا ہے کہ وہ نئے ہو گئے ہیں۔ مثلاً

مقام سید لولاک کون کیا جانے

خدا کے دوست ہیں وہ ان کو بس خدا جانے (۳)

آپ نے نعت کے تمام مضامین قرآن مجید اور حدیث پاک سے لیے ہیں اور کمال یہ کیا ہے کہ آیت پاک کی تفسیر مفہوم، معنی اور روح اس شعر میں سمو دی ہے۔ مثلاً سورۃ اخلاص سے:

آپ شاہ دوسرا ہیں کہ کمالات کا کل

آپ جان ہمہ جا ہیں کہ ھواللہ کا قل (۴)

(۱) خواجہ ہی خواجہ ، ص ۹ ، ۱۰ ، ۱۲۔

(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۷۸۔

(۳) میرے حضور ﷺ ، ص ۱۱۴

(۴)

کلمہ طیبہ سے

ہزار الہ کی لا ہے اس ایک اللہ تک
اسی نے نام انہی کا لیا رسول اللہ
ان کا نام آیا تو توحید کی تکمیل ہوئی
لا الہ میں اسی تعلیم کی تکمیل ہوئی (۱)

سارے قرآن مجید میں لفظ ''قل'' کے استعمال کا راز کھولا ہے۔

خدائے کون و مکاں کا پیام ان کی زبان
مراد جملہ قل ہے رسول پاک ﷺ کی ذات (۲)

اس حوالے سے آپ نے قرآن مجید کا سرکار ﷺ کا قصیدہ ثابت کر دیا ہے۔ تیسری کتاب ''حرف جمال'' ہے جو اردو فارسی غزلوں کا مجموعہ ہے اور بہت سی کتابیں زیر طبع ہیں۔''

---

(۱) میرے حضور ﷺ ، ص ۴۷

(۲) ایضاً ایضاً ص ۴۹۔

فصل دوم

- تنقید

- تبصرہ ، تجزیہ

- فقدان ، اہداف

تنقید

"تنقید"

خانقاہی نظام کے ماضی اور حال کے بیان کے بعد اب یہاں اس موضوع پر تنقید کے حوالے سے مختلف آراء اور ان کی حقیقت کا جائزہ لیا جائیگا۔ گزشتہ صفحات میں یہ لکھا جا چکا ہے۔ کہ خانقاہی نظام دین اسلام کی پہلی خانقاہ مسجد نبوی ﷺ کا ہی تسلسل ہے۔ جہاں سے رسول اکرم ﷺ سے براہِ راست تربیت یافتہ خلفائے راشدیؓن اھل حق اولیاء اللہ اور اہل محبت کے سرخیل ہیں۔ خانقاہی نظام میں اہل حق نے خلفائے راشدین ہی کی تقلید میں تربیت کا نظام قائم کیا۔ جو آج تک جاری ہے۔ خانقاہی نظام پر تازہ ترین تنقیدی نقطہ نظر سے لکھی جانے والی کتاب کے ناشر اسلام اور خانقاہی نظام میں عبدالمالک مجاہد۔ مینجنگ ڈائریکٹر دارلسلام ریاض، لاہور، کتاب کے پیش لفظ میں یوں رقمطراز ہیں۔

"جو حضرات تصوف کے قائل ہیں، ان کا دعویٰ ہے کہ تصوف کی داغ بیل اُسی دن پڑ گئی تھی جب معرکہ تبوک کی تیاری کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنا سارا اثاثہ بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کر دیا اور جب رسول اللہ ﷺ نے دریافت فرمایا: ابوبکرؓ! گھر میں کیا چھوڑا؟ تو اس فدائے حق نے جو جواب دیا وہ تصوف کی اساس ہے۔ اسے علامہ اقبالؒ نے اس شعر میں بیان کیا ہے"۔

پروانے کو چراغ ہے ، بلبل کو پھول بس
صدیق کے لیے ہے خُدا کا رسول بس

"بلاشبہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ قربانی ان کی بے مثل ایمانی زندگی اور انفاق فی سبیل اللہ کی نادر مثال ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مسلمانوں کے اولین خلیفۂ راشد کی زندگی کسی صوفی کی رہبانیت یا گوشہ نشینی کی زندگی تھی۔ اس کے برعکس وہ تو مجاہد اعظم تھے۔ وہ زندگی بھر فعال اور متحرک رہے"۔ (۱)

(۱) بھٹی ، پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ ، اسلام اور خانقاہی نظام ، دارسلام ، ۳۶، لوئر مال ، لاہور ۲۰۰۸ ، ص ۱۵ ، ۱۶۔

عبدالمالک مجاہد اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں۔

''انھوں نے رسول اللہ ﷺ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کی کشتی کو طرح طرح کے طوفانوں سے بچایا اور اپنے ایمان کی محکمی اور بے مثل بصیرت، شجاعت اور استقامت سے کفر، شرک، ارتداد، منکرین زکاۃ اور نبوت کے کذاب ڈاکوؤں کی قوت و ہیبت کے سفینے ڈبو دیے، اس لیے یہ دعویٰ صحیح نہیں کہ تصوف کی ابتدا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے ہوئی''۔(۱)

گو کہ میں تصوف یا صوفی کی اصلاحات سے اتفاق نہیں کرتا بلکہ اہل تصوف کی جگہ اہل حق اور اولیاء اللہ یا اہل محبت کے الفاظ کا تذکرہ اوپر کیا ہے اس پس منظر میں حضرت ابوبکر صدریقؓ کی زندگی اور عمل مبارک قابل تقلید ہے۔ تو نام اس کو کچھ بھی دیں ذات تو صدیق اکبرؓ ہی کی پیش نظر ہے اور اس ذات بابرکت کی تقلید پر کسی کو اعتراض نہیں۔ دوسرے یہ کہ لیبل دیکھنے کی بجائے (جو کہ کسی اور کا دیا ہوتا ہے) اندر جھانک کر دیکھیں تو حقیقت سے اتفاق کرتے بنا چارہ کوئی نہیں رہتا۔ اب اگر طریقت کے سلسلہ نقشبندیہ کے لوگ اپنے آپ کو حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ سے منسوب کرتے ہیں۔ اور آپؓ کی زندگی بطور نمونہ سامنے رکھتے ہیں۔ تو اچھی بات ہے۔ اس بارے میں عبدالمالک مجاہد کہتے ہیں۔

'' اس طرح بعض حضرات تصوف کے ڈانڈے حضرت علیؓ سے ملاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں رسول اللہ ﷺ نے کچھ باطنی رموز سکھائے تھے۔ حضرت علیؓ نے اس خیال کی خود تردید فرمادی تھی۔ مزید برآں ان کی مبارک زندگی سراسر جہاد اور نفاذ دین سے عبارت ہے۔''(۲)

پروفیسر بھٹی نے حضرت علی المرتضیٰؓ کی تردید کا کوئی حوالہ نہیں دیا تاہم یہاں بات پھر وہی ہے خانقاہی نظام سے وابسطہ طریقت کے تمام سلاسل (موجودہ دور میں

سلسلہ چشتیہ، سلسلہ قادریہ، سلسلہ سہروردیہ اور سلسلہ نقشبندیہ) کے اہل حق، اولیاء کرام حضرت علی المرتضیٰؓ کرم اللہ وجہہ الکریم کو اپنا سربراہ مانتے ہیں۔ آپ انہیں تصوف کے ادارہ کا سربراہ کہنے کی بجائے اولیاء اللہ اور اہل حق کا سربراہ کہہ لیں۔ پھر شاید اعتراض نہیں ہوگا۔ اور یہ کیوں ہے؟۔ اس کا جواب تنقید نگاروں سے ہی لیتے ہیں۔

(۱) بھٹی، پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ، اسلام اور خانقاہی نظام، دار سلام، ۳۶، لوئر مال، لاہور ۲۰۰۸، ص، ۱۶۔

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً ایضاً

سید ابوالاعلیٰ مودودی 'حضرت علیؓ کی بے جا وکالت کا الزام' کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

''معترض حضرات نے مجھ پر اس شبہ کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ میں حضرت علیؓ کی بیجا وکالت کر رہا ہوں۔ مگر میں صحابہ کرام، اور خصوصاً خلفائے راشدین کے معاملہ میں اپنا یہ مستقل مسلک پہلے ہی بیان کر چکا ہوں کہ ان کا کوئی قول یا فعل اگر بظاہر غلط محسوس ہوتا ہو تو ان کے اپنے کسی بیان، یا اُس وقت کے ماحول یا ان کے مجموعی طرزِ عمل میں اس کا صحیح محمل تلاش کرنے کی پوری کوشش کی جائے، اور اس کے حق میں ہر وہ معقول تاویل کی جائے جو بے جا اور بھونڈی وکالت کی حد تک نہ پہنچی ہو۔ سید نا علی رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں رسائل و مسائل حصہ اوّل کے مضمون '' حضرت علیؓ کی امیدواری خلافت '' اور موجودہ زیر بحث مضمون میں جو رویہ میں نے اختیار کیا ہے وہ دراصل اسی قاعدے پر مبنی ہے۔ کوئی بے جا وکالت نہیں جس کا مجھے طعنہ دیا جا رہا ہے''۔(۱)

سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں

''میں جب دیکھتا ہوں کہ تمام معتبر روایات کی رُو سے شیخین اور حضرت عثمانؓ کے پورے دورِ خلافت میں جس خلوص اور کامل جذبہ رفاقت کے ساتھ انہوں نے ان تینوں حضرات کے ساتھ تعاون کی، اور جیسے محبت کے تعلقات ان کے درمیان رہے، اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کی وفات کے بعد جس طرح دل کھول کر وہ ان کی تعریفیں کرتے رہے، تو مجھے وہ روایات کمزور محسوس ہوتی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ ان میں سے ہر ایک کے خلیفہ بنائے جانے پر ناراض تھے، اور وہ روایات زیادہ قوی معلوم ہوتی ہیں جو یہ بتاتی ہیں کہ انہوں نے ہر ایک کی خلافت آغاز ہی میں دل سے قبول فرمائی تھی۔ جب دونوں طرح کی روایات موجود ہیں اور سند کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔۔ تو آخر ہم اُن روایات کو کیوں نہ ترجیح دیں جو ان کے مجموعی طرزِ عمل سے مناسبت رکھتی ہیں، اور خواہ مخواہ وہی روایات کیوں قبول کریں جو اُس کی ضد نظر آتی ہیں''۔(۱)

(۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت وملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، دسمبر ۲۰۱۱، ص، ۳۴۷، ۳۴۸۔

(۲) ایضا ایضاً ایضاً

سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنی بات جاری رکھتے ہوئے مزید کہتے ہیں۔

'' اسی طرح حضرت عثمانؓ کی شہادت سے لے کر خود اُن کی شہادت تک ایک ایک مرحلے پر ان کا جو رویّہ رہا ہے اس کے ہر جز کا ایک صحیح محمل میں نے تلاش کیا اور ان کے اپنے بیانات میں، یا اس وقت کے حالات و واقعات میں وہ مجھے مل گیا''۔(۱)

مولانا مودودی کے واقعات کی تصدیق دیگر مؤرخین نے بھی کی ہے اس سلسلے میں ڈاکٹر محمد امین حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے عہد خلافت کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''حضورﷺ کی وفات کے ۲۸ برس بعد حضرت علیؓ خلیفہ ہوئے اور حضورﷺ کے مدینہ کو اپنا دارالخلافہ نہ رکھ سکے اور کوفہ جا ڈیرے لگانے پڑے۔ ان کی خلافت کا سارا عہد بدامنی، انتشار، جنگ و جدل اور عدم استحکام میں گزرا۔ ایک دن ان کی مجلس میں ایک صاحب نے کہا کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کا زمانہ کیا خوب زمانہ تھا۔ جناب اب وہ زمانہ کیوں نہیں رہا؟ حضرت علیؓ نے زہرخند ہو کر جواب دیا اس لیے کہ ابوبکرؓ و عمرؓ کا مشیر میں تھا اور میرے مشیر تم ہو۔ وہ اپنا سامنہ لے کر رہ گیا''۔(۲)

ڈاکٹر محمد امین اپنی بات کے تسلسل میں آگے لکھتے ہیں۔

''حضرت علیؓ کے بھائی ان کے پاس آئے اور کہا کہ مجھے بیت المال سے عطیہ دو تا کہ میں لوگوں کا قرض چکاؤں۔ انہوں نے کہا: بیت المال تو مسلمانوں کی امانت ہے اس میں اپنی مرضی سے تصرف کر کے میں اپنے لئے دوزخ کا گڑھا کیسے کھودوں؟ وہ اٹھ کر حضرت امیر معاویہؓ کے دربار میں گئے۔ انہوں نے نہ صرف قرض کے پیسے دیئے بلکہ اور بھی بہت کچھ نوازا۔(۳)

(۱) مودودی، سید ابوالاعلیٰ، خلافت و ملوکیت، ادارہ ترجمان القرآن، لاہور، دسمبر ۲۰۱۱، ص، ۳۴۷، ۳۴۸۔

(۲) امین، ڈاکٹر محمد، اسلام اور تزکیہ نفس، اردو سائنس بورڈ، لاہور، ۲۹۹ اپر مال لاہور، ۲۰۰۴ ص ۴۱۸، ۴۱۹۔

(۳) ایضاً ایضاً ایضاً ص ۴۱۹۔

اب اقبال کی زبانی بھی سنیئے کہ وہ حضرت علی المرتضیٰؓ کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔

مسلم اوّل شہِ مرداں علیؓ　　　　عشق را سرمایہ ء ایماں علیؓ

از ولائے دود مانش زندہ ام　　　　در جہاں مثلِ گہر تابندہ ام(۱)

پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ بھٹی نے اپنی کتاب میں تصوف کے عنوان کو تین ادوار میں تقسیم کیا ہے۔ دورِ ثانی' تشکیل و فروغ ' 'پانچویں تا آٹھویں صدی ہجری' کے عنوان سے تصوف کی صورت حال کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

''اس دور میں تصوف نے ایک ادارے اور مربیوں کے حلقوں نے خانقاہوں کی شکل اختیار کر لی۔ مسلم دنیا کے اکثر و بیشتر علاقوں میں خانقاہیں موجود تھیں۔ معاشرے کے کھاتے پیتے لوگ اور بسا اوقات حکام و امراء خانقاہوں کی خدمت کرنا دینی خدمت سمجھتے تھے۔ حکمرانوں نے خانقاہوں کے لیے جاگیریں الاٹ کیں تا کہ مستقل طور پر مالی انتظام ممکن ہو سکے ۔ اس دور میں خانقاہوں سے خاص شاگرد تیار کر کے مختلف علاقوں میں نائب بنا کر بھجوائے جانے لگے۔ اس دور میں صوفیاء نے دینی علوم میں مہارت حاصل کرنے کی روش ترک کر دی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دین کے نام پر ان کے سامنے کو کچھ پیش کیا گیا، انھوں نے اسے بغیر تحقیق کے قبول کر لیا، اس وجہ سے ان میں قرامطہ ، اسماعیلیہ اور دیگر مذاہب کے عقائد و نظریات اور فلسفیانہ افکار آسانی سے رواج پا گئے۔ بقول یوسف سلیم چشتی غیر اسلامی تصوف کا بیج قرامطہ نے بویا۔ انھوں نے اپنے مذموم مقاصد کی تبلیغ کے لیے تصوف کو آلہ کار بنایا اور صوفیوں کے لباس میں بے شمار مسلمانوں کو گمراہ کیا۔ قرامطہ اور اسماعیلیہ صوفیوں کے بھیس میں ان کے اندر گھس گئے''۔(۲)

(۱)　اقبال ، کلیات اقبال ، (فارسی) ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور ، فروری ، ۱۹۹۰،

(۲)　بھٹی ، پروفیسر ڈاکٹر امان اللہ ، اسلام اور خانقاہی نظام ، دار سلام ، ۳۶، لوئر مال ، لاہور ۲۰۰۸ ، ص ، ۴۱ ، ۴۲۔

پروفیسر بھٹی کے اس اعتراض میں ہی اس کا جواب بھی موجودا ہے۔ کہ قرامطہ نے غیر اسلامی تصوف کو اپنے مذموم مقاصد کے لئے استعمال کیا۔ اور صوفیوں کے لباس میں دیگر لوگ بھیس بدل کر ان میں گھس گئے۔ ظاہر ہے کہ یہ دو نمبر لوگ تھے اور آج بھی ہیں۔ جو اہل حق کو بدنام کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ لیکن اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ اصل کا وجود نہیں ہے۔ ہر اصل کی نقل موجود ہوتی ہے۔ اور پھر جس شے کی قدر ہوتی ہے ۔ اسی کی نقل بھی ہوتی ہے۔ ہر طبقہ میں جعلی لوگ ہوتے ہیں۔ جعلی ڈاکٹر، جعلی وکیل، جعلی پیر، جعلی صوفی، جعلی ڈگریوں والے اسمبلی ممبرز وغیرہ وغیرہ۔ اور اب دور حاضر میں ڈاکٹریٹ کی جعلی ڈگریوں والے بھی منظر عام پر آ گئے ہیں۔ جنہوں نے دوسروں کے تحقیقی مقالے چرائے ۔ اور اُستاد بن گئے بلکہ پروفیسر کے اہم عہدے پر جا پہنچے اور مختلف یونیورسٹیوں اور تعلیمی اداروں میں براجمان ہیں۔ تنگ نظر، تنگ ذہنیت، متعصب اور کینہ پرور جو تعلیم کے نام پر بھی بدنما داغ ہیں۔

پروفیسر بھٹی نے پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی کتاب سے ہی جواباً اقتباس پیش کرتا ہوں۔

> ''بدقسمتی سے تصوف کے مخالفین نے (جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر کے شریک ہیں) اسلامی تصوف پر اعتراض کرتے وقت غیر اسلامی تصوف کو مدنظر رکھا اور اس طرح حق وصداقت ہی کا خون نہیں کیا بلکہ لاکھوں مسلمانوں کو تصوف کی برکات سے محروم رکھا۔ ان نادان دوستوں نے قبائح تو مدنظر رکھے غیر اسلامی تصوف کے اور ہدف بنایا اسلامی تصوف کو۔ تصوف سے بدظن کرنے کے لیے ان حق ناشناسوں نے تصوف کی اسلامی اور غیر اسلامی قسم کو یکسر نظر انداز کر دیا''۔(۱)

پروفیسر یوسف سلیم چشتی اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے ایسے لوگوں کے اعتراضات بھی یوں بیان کئے ہیں۔

> ''مثلاً انھوں نے کمال دلسوزی کے ساتھ یہ کہنا شروع کیا کہ۔
>
> ۱۔ تصوف کا سر چشمہ غیر اسلامی تصورات و عقائد و افکار ہیں۔
>
> ۲۔ تصوف، بنی نوع آدم کے لیے بمنزلہ افیون ہے۔

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص

۳۔ تصوف، زندگی کے حقائق سے گریز کی تعلیم دیتا ہے۔
۴۔ تصوف نے مسلمانوں کے قوائے عملی کو مردہ یا کم از کم ضعیف کر دیا۔
۵۔ تصوف نے مشرکانہ عقائد کی اشاعت کی ہے۔
۶۔ تصوف نے مشرکانہ عقائد کی اشاعت کی ہے''۔ (۱)

بظاہر تو یہ اعتراضات دل ہلا دینے کیلئے کافی ہیں اگر بات یہیں چھوڑ دی جائے تو دل میں خلش اور پیاس قائم رہتی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی نے ان اعتراضات کا رد بھی خود ہی بیان کیا ہے؟ ملاحظہ کریں۔

''ان حضرات نے اس قسم کے جتنے اعتراضات کیے ہیں وہ غیر اسلامی یا عجمی تصوف پر تو وارد ہو سکتے ہیں لیکن اللہ کے فضل سے اسلامی تصوف کا دامن ان تمام اعتراضات سے پاک ہے۔ مسلمان یعنی حقیقی صوفیائے کرامؒ نے ہر زمانے میں آن خرابیوں کی ، جو غیر اسلامی تصوف کی وجہ سے رونما ہوئیں ، نشاندہی بھی کی اور ان کے ازالے کی کوشش بھی فرمائی''۔(۲)

مزید یہ کہ پروفیسر بھٹی اور ان کے نظریات کے حامل دوسرے لوگوں کی تصوف یا خانقاہی نظام کے بارے میں تحریروں میں تعصب کی عینک کارفرما نظر آتی ہے۔تصوف یا خانقاہی نظام میں انسان اور انسانیت کا درس دیا جاتا ہے،عفو ودرگزر سے کام لینے کی تربیت دی جاتی ہے۔ جو کہ نبی کریمﷺ کا تمام زندگی طریقِ کار رہا۔دوسری بات جو کہ اس طرح کی تحریروں میں ملتی ہے۔ جہاں کہیں کوئی حوالہ دیا گیا ہے۔وہ اکثر جگہ نامکمل ہے۔اس لیے بنیادی ماخذ یا حوالہ کو کی تصدیق کرنا چاہئیں تو اُس کو ڈھونڈنا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ جب سے ناشرین نے ایک ہی موضوع پر کتابیں چھاپی ہوئی ہیں۔جن میں صفحات کی ترتیب ایک جیسی نہیں ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی کتاب 'تاریخ تصوف' میں ادارے کی طرف سے بعد کے اڈیشن میں ایک باب شامل کیا گیا ہے۔جس میں تنقید ہی کی گئی ہے۔مگر یہ باب پہلے ایڈیشن میں شامل نہیں ہے۔جس کی وجہ سے اس کی صحت پر شک کی گنجائش ہے۔

(۱) چشتی ، پروفیسر یوسف سلیم ، تاریخ تصوف ، ص
(۲) ایضاً ایضاً

تبصرہ و تجزیہ

تبصرہ و تجزیہ:۔

تصوف یا طریقت اپنے آغاز سے موجودہ دور تک مختلف ادوار میں مختلف قسم کی ریشہ دوانیوں کا شکار ہوئی۔ علماء سوء سے لیکر زمانہ ساز لوگ تک اس کی مخالفت میں دشمنی کی حد تک چلے گئے ۔ اس ادارہ کے خلاف اس انداز میں پروپیگنڈہ/ تنقید کی گئی کہ عوام کے دلوں میں اس کے خلاف نفرت اور کدروت کی فضا بنے مگر عوام کو ان جگہوں سے جس طرح دینی مسائل کے حل کے ساتھ ساتھ شریعت پر کار بند رہنے کی تلقین کی گئی۔ اسی طرح سے دنیوی مسائل کے حل کے لئے بھی مفید مشورے ملتے رہے۔ میں یہاں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کا تحریر کردہ ایک واقعہ دوبارہ لکھ رہا ہوں۔ بقول پروفیسر چشتی صوفیاء کرامؒ بلا امتیاز مذہب وملت ہر شخص کی دل داری کیا کرتے تھے۔ بلکہ ہر وقت دوسروں کے غم میں گھلتے رہتے تھے چنانچہ جب حضرت بابا فریدالدین گنج شکرؒ کے ایک عزیز حضرت سلطان المشائخؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں نے کہا کہ میں ایک دعوت میں گیا تھا وہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ شیخ نظام الدینؒ پر بڑا فراغ باطنی حاصل ہے، انہیں اس جہان کا کوئی غم نہیں ہے۔ یہ سن کر حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا۔

> ''جس قدر غم و اندو مجھے دامن گیر رہتا ہے شاید کسی کو نہ ہو کیونکہ بہت سے لوگ میرے پاس آتے ہیں۔ اور اپنا درد و غم مجھ سے بیان کرتے ہیں۔ ان کے رنج وغم کا بوجھ میرے دل پر پڑتا ہے''۔

خانقاہی نظام پر مختلف ادوار میں مختلف نوعیت کی تنقید کی جاتی رہی جیسا کہ پہلے مذکور ہو چکا کہ علامہ محاسبیؒ کی دنیا دار علماء پر تنقید کی وجہ سے انہیں بے شمار تکالیف کا سامنا کرنا پڑا مگر ان کے خیالات و نظریات میں ذرّہ برابر فرق نہ آیا۔

ساتویں صدی ہجری میں طریقت کے مختلف خانوادوں کا طریق کار مختلف رہا سلسلہ چشتیہ کے مشائخ سلاطین وارکان حکومت سے دور رہے اس سلسلہ میں حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کا واقعہ کہ جب سلطان ناصرالدین محمود آپ سے ناراض ہوا اور اس ناراضگی کی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اسے ملنے سے انکار فرمادیا تھا۔ اور جب سلطان نے اس کے ہاں آنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کہ فقیر کے حجرے کے دو دروازے ہیں ایک سے بادشاہ داخل ہو گا تو فقیر دوسرے دروازے سے باہر نکل جائے گا اور یہی سلطان جب بنگالے کی مہم پر جاتے ہوئے آپ کو شہر چھوڑنے کا الٹی میٹم دے کر گیا تو

اس وقت فارسی کا مشہور مقولہ وجود میں آیا کہ " ہنوز دلی دوراست" اور انہی خواجہ نظام الدینؒ کا ارشاد مبارک کہ بدنصیب ہے وہ درویش جو کسی حاکم کے در پر جا کر پڑ جائے، ان شخصیات کے غنا کو ظاہر کرتا ہے۔ اسی سلسلے میں سلسلہ نقشبندیہ کے مایہ ناز راہنما حضرت مجدد الف ثانیؒ کا دین اکبر کا مقابلہ کرنا تاریخ میں رقم ہے کہ کس طرح آپ نے جلال الدین محمد اکبر کے غیر مسلم مشیروں کی اسلام کے خلاف سازشوں کو ناکام بنایا۔

اسی طرح سے سلسلہ سہروردیہ کے حضرت غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانیؒ کے دہلی کے سلاطین سے بہت اچھے تعلقات تھے اور یہ کہ آپ جب بھی عازم دہلی ہوتے تو ملتان اور گردنواح میں منادی کرائی جاتی اور لوگ اپنے دنیوی مسائل کیلئے آپ کے پاس درخواستیں جمع کرواتے جس کو آپ دہلی میں بادشاہ کے فرستادوں سے منظور کروا کر لوگوں کی مشکلات حل کروانے میں مددگار ہوتے۔ اسی طرح سے قادریہ سلسلے کے بزرگوں کا بھی معاملہ رہا۔

اپنے اس مقالے کے بارے میں تحقیق کے دوران مختلف مزارات پر مختلف تجربات ہوئے۔ کچھ مزارت ایسے بھی ہیں جہاں شریعت کا دور دور تک پتہ نہیں چلتا۔ اور یہ شاید وہ لوگ ہیں جن کا اپنی زندگیوں میں شریعت سے کوئی تعلق نہ رہا مگر کسی وجہ سے عوام کے کسی طبقے نے اس انداز میں ان کا نقشہ لوگوں کے سامنے کھینچا کہ سادہ لوح لوگوں نے ان کو بھی اولیاء اللہ میں شمار کیا۔

دوسری قباحت اس سلسلے میں یہ آئی کہ عوام نے کرامات کے ظہور کو تصوف یا اہل اللہ کی کسوٹی جانا اور بعد میں اہل حق کی تعلیمات، جو کہ شریعت پر ہی مبنی ہیں کی بجائے کرامات کے تذکرے اتنے دلفریب انداز میں کئے کہ کسی کی بھی بزرگی کا معیار کرامات ہی ٹھہرا جبکہ حضرت جنید بغدادیؒ کا اس بارے میں ارشاد کہ کوئی فضا میں اڑتا ہوا آئے تو پہلے یہ دیکھ کہ وہ شریعت کا پابند ہے یا نہیں۔ اگر تو وہ شریعت کا پابند ہے۔ تو یہ نعمت من جانب اللہ تعالیٰ ہے اور اگر وہ شریعت کا پابند نہیں ہے۔ تو وہ سراسر شیطنت ہے۔

کچھ لوگوں نے شریعت اور طریقت کو باہم مقابل کھڑا کر دیا اور اس کی بنیاد پر اعمال شریعت کو ترک کر دیا جبکہ کچھ جاہل اور بدصفت لوگوں نے طریقت کو شریعت پر بھی مقدم کر دیا جس کو صوفیاء اہل حق نے ہمیشہ مسترد کیا۔ سیدنا علی ہجویریؒ کی کشف المحجوب میں اہل حق کے بارے میں دیا گیا معیار بین ثبوت ہے۔ پاکستان بننے کے بعد سے بہت سی خانقاہوں کو مختلف وجوہات کی بنا پر سرکاری تحویل میں لے لیا گیا۔ جس میں سب سے بڑی وجہ ان خانقاہوں کی آمدنی ہے۔ ایسی تقریباً تمام درگاہوں میں بدانتظامی اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہے۔ ایسی

خانقاہوں کے باہر نشے کے عادی افراد کا جمگھٹا ، بھیک مانگنے والوں کا طوفان بد تمیزی اوران کے علاوہ بھی بہت سی قباحتیں ملتی ہیں۔موجودہ دور میں ضرورت اس امر کی ہے کہ جس طرح لاہور میں حضرت سید علی عثمان الہجویری داتا گنج بخشؒ کے نام پر جو ایک یونیورسٹی کئی سال پہلے منظور ہوئی ہے۔اُس کی فوری تکمیل کی جائے کیونکہ اس خانقاہ کی آمدنی اتنی ہے کہ جس سے کئی یونیورسٹیاں قائم کی جاسکتی ہیں اسی طرح پاکپتن شریف کی درگاہ کی آمدنی سے بھی کئی تعلیمی ادارے قائم ہو سکتے ہیں۔ان مزارات کی آمدنیوں سے عوامی فلاح و بہبود کے کئی کام سرانجام دیئے جاسکتے ہیں۔جن میں تعلیمی ادارے، بنیادی تعلیم سے لے کر یونیورسٹی کی سطح تک، صحت کی ادارے یعنی ہسپتال وغیرہ، یتیم بچوں، بچیوں کی سرپرستی، مستحق غریب و نادار لوگوں کی امداد، غریب بچوں کے جہیز وغیرہ۔جیسے سیدنا علی ہجویریؒ کے دربار سے باقاعدہ ایسے کام ہورہے ہیں۔لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ فلاح و بہبود کے یہ کام محکمہ اوقاف کے زیرِ انتظام ملک کے دیگر مزارات کی آمدنیوں سے بھی ہونے چاہییں۔اس میں میری تجویز یہ بھی ہے یہ محکمہ اوقاف کے تحت مزارات کے انتظامات میں متعلق درگاہ یا مزار کے متولی، سجادہ نشین یا اولاد میں سے شریعت کے پابند حضرات کو شامل کیا جائے۔درگاہوں کی آمدنی سے تعلیمی اداروں کی ایک چین (Chain) بنے کہ جس میں صحیح اور پختہ اسلامی تعلیمات کو موجودہ دور کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر کے ایسا تعلیمی نصاب اور نظام تعلیم وضع کیا جائے جو کہ مسلمانوں کے ماضی کی Revival کرے تاکہ مسلمان علم اور تقویٰ کے اعلیٰ معیار کو حاصل کر کے اندرونی اور بیرونی سازشوں کا مقابلہ کرسکیں اور مسلم ملت نفاق کی بجائے اتحاد کر کے اپنا کھویا ہوا مقام دوبارہ حاصل کر سکے۔

فقدان و اہداف

فقدان واہداف

کسی بھی ادارہ میں بہتری کے لئے جواہداف مقرر کئے جاتے ہیں ان کی بنیاد فقدان پر ہی رکھی جاتی ہے مطلوبہ معیار میں کمی ہی فقدان تصور ہوتی ہے۔اوراسی کمی کو دور کرنے کے متعلقہ شعبوں کے اہداف مقرر کئے جاتے ہیں

گزشتہ صفحات میں خانقاہی نظام کے پس منظر، تعارف، آغاز وارتقاء اور ماضی کے جید اہل حق اوران کی تعلیمات اوراقوال پر مبنی خاکہ پیش کیا گیا۔ان اہل اللہ نے قرآن وسنت کی تعمیل میں اپنے عمل سے دین اسلام کی حقانیت کو نہ صرف اپنے حلقہ احباب کے سامنے پیش کیا بلکہ خلق خدا کے لئے بھی عمل کا ایک معیار دیا۔اوراپنی خانقاہوں میں اس عمل کی عملی تربیت کا بھی اہتمام کیا۔جیسا کہ تنقید کے باب میں پہلے عرض کیا ہے۔کہ روز ازل سے ہی خیر وشر کی قوتیں کام کررہی ہیں۔اورصحیح اہل حق کی مخالفت اور حسد میں بھیس بدل کران صفوں میں گھسنے والے جعلی صوفیوں نے نہ صرف صحیح اہل حق کا Image خراب کرنے کی کوشش کی بلکہ مخلوق خدا کو بھی خراب کیا۔جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ حضرت جنید بغدادیؒ کے مطابق کسی کو پرکھنے کا معیار صرف شریعت کی پابندی ہے۔اس سے جو ہٹا وہ نہ تو مومن ہوسکتا ہے نہ ہی سچا مسلمان اور نہ ہی اچھا انسان۔

اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ قرآن وسنت کی روشنی میں خانقاہی نظام میں کہاں کہاں فقدان ہے۔جس کے لئے اہداف مقرر کئے جاسکتے ہیں۔اس فقدان کو سمجھنے کے لئے قرآن وسنت پر عمل کا اعلیٰ معیار رکھنے والے ماضی کے غیر متنازعہ اہل حق کی تعلیمات، تجربات، اقوال اوران کی خانقاہ میں تربیت کے طریق کار کو دیکھنا ہوگا۔میرے خیال میں امام قشیریؒ کے رسالہ قشیریہ، کشف المحجوب اور تاریخ تصوف میں دیئے گئے اہل حق کے اعلیٰ معیار کو سامنے رکھا جاسکتا ہے۔اس معیار کو سامنے رکھتے ہوئے مجھے پاکستان اور دیگر ممالک بشمول مشرق وسطیٰ، انڈونیشیا، شام، چین (درگاہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ) وغیرہ کی مختلف خانقاہوں میں ذاتی طور پر جانے کا اتفاق ہوا۔مجھے مندرجہ ذیل شعبوں میں فقدان محسوس ہوا۔

۱۔ سب سے اہم بات خانقاہ کے منتظم اعلیٰ اورصاحب مسند کی متوسلین سے ملاقاتوں / رابطوں میں کمی۔نتیجۃً متعلقین ومتوسلین کی تعلیم وتربیت کا خلا پیدا ہوا۔

۲۔ صاحبِ مسند کی قرآن وسنت اور علوم جدید پر حاوی نہ ہونا۔

۳۔ خانقاہوں پر راہنمائی اور تربیت کے لئے آنے والوں کے لئے لنگر اور رہائشی سہولتوں کا فقدان۔

۴۔ اہل خانقاہ کا معاشرتی یا علاقہ کی عمومی ثقافت سے ہٹ کر مخصوص لباس یا عادات سے لوگوں کو اپنی طرف

متوجہ کرتا۔ کیونکہ حکم تو یہ ہے۔ کن کاحد من الناس، Be a person among persons،
ایسے رہو جیسے لوگ رہتے ہیں۔ یعنی غیر معمولی جُبّے اور پہناوا۔ جس سے آدمی کوئی اور مخلوق لگے۔

۵۔ ارباب اقتدار کے سامنے کلمہ حق نہ کہنا۔

٦۔ ارباب اقتدار سے کوئی تعلق کسی دنیاوی فائدہ کے لئے رکھنا۔

درگاہوں اور خانقاہوں میں دو طرح کی خانقاہیں ہیں۔ ایک صاحب مسند کے ذاتی تصرف اور زیر انتظام درگاہیں۔ دوسرے جو حکومت کے محکمہ اوقاف کے زیر انتظام ہیں۔

میرے مشاہدہ اور ذاتی معلومات کے مطابق تنقید کی زد میں آنے والی درگاہیں اور خانقاہیں وہ ہیں جو محکمہ اوقاف کے زیر انتظام ہیں۔ جن میں درج ذیل قباحتیں ہیں جو تنقید اور غلط تاثر کا باعث بنتی ہیں۔

(i) درگاہوں کی کروڑوں کی آمدنی سے صرف ایک فی صد کے قریب سالانہ مجالس پر زائرین کے کھانے پینے کے انتظام پر خرچ کیا جاتا ہے۔ باقی 99 فی صد کہاں جاتا ہے؟ نظر نہیں آتا۔ کم از کم کئی سالوں سے تعمیری منصوبے نظر نہیں آئے۔ ہجویری ؒ یونیورسٹی کا منصوبہ بنے کئی سال بیت گئے۔ کاغذی کاروائی سے آگے بات نہیں گئی۔

(ii) محکمہ اوقاف کے درگاہوں پر رکھے گئے ملازمین کی نہ تو دین اسلام کے بارے میں کوئی معلومات یا قابلیت اور نہ ہی اولیاء اللہ کی زندگیوں، علم، تقویٰ، ملفوظات یا اقوال کا ایک لفظ ہی آتا ہے۔ ایسے لوگ عوام یا زائرین کی کیا راہنمائی کرتے ہونگے۔

(iii) محکمہ اوقاف کے اکثر ملازمین خانقاہی نظام یا درگاہوں سے متعلق تنگ نظری، تعصب میں مبتلا ہیں۔ اور زائرین کی راہنمائی میں مجرمانہ غفلت اور سوچ رکھتے ہیں۔ مجھے ذاتی طور پر ایک درگاہ میں متعین محکمہ اوقاف کے ملازم کے بارے میں معلوم ہے کہ وہ درگاہ سے منسلک مسجد میں نماز ادا کرنے کی بجائے اپنے مسلک کی 2 کلو میٹر دور مسجد میں نماز ادا کرتا ہے۔ عجیب بات ہے تنخواہ درگاہ سے، کھانا بھی درگاہ سے مگر مسجد سے تعصب۔

(iv) محکمہ اوقاف کے زیر انتظام مختلف درگاہوں کے باہر جرائم پیشہ افراد کے ڈیرے اور واقعات کا ذمہ دار محکمہ اوقاف اور مقامی انتظامیہ ہے۔ اسے درگاہ سے منسلک کرنا افسوسناک ہے۔

اب چند الفاظ میں دو درگاہوں، خانقاہوں سے موازنہ جو محکمہ اوقاف کی بجائے سجادہ نشین کے ذاتی طور پر زیر انتظام ہیں۔ مثلاً گولڑہ شریف، سندر شریف، تونسہ شریف وغیرہ جہاں نہ تو کوئی نشئی ہے۔ نہ ڈھول ڈھمکا

ہے، نہ جرائم پیشہ لوگ آتے ہیں نہ کوئی تعصب، تنگ نظری ہے۔ان درگاہوں اوران جیسی دیگر درگاہوں (جن کا میں نے ذاتی طور پر مشاہدہ نہیں کیا) انتظامات مثالی ہیں۔ان خانقاہوں میں درسگاہ جو جدید خطوط پر تعلیم دے رہی ہے۔لنگر خانہ جہاں روزانہ 300 تا500 افراد کا کھانا زائرین کو پیش کیا جاتا ہے۔صاحب مسند کے قرآن وسنت پر مبنی ارشادات ،انفرادی ملاقات میں دینی اور دنیاوی مسائل کی راہنمائی اور بلا مذہب وملت محبت ،شفقت، پذیرائی اورعزت نفس کا احترام روزمرہ کے معمولات میں شامل ہے۔

خانقاہ عرفانیہ سندر شریف میں پاکستان اور دیگر ممالک سے مختلف مواقع پر راہنمائی کے لئے وفود آتے رہتے ہیں۔ یہاں کسی فرقے کی بات نہیں بلکہ دین اسلام کے تحت شریعت محمدیؐ کا درس دیا جاتا ہے۔ان درگاہوں میں محبت اہل بیت ،صحابہ کرامؓ ،اولیاء اللہ، اہل حق اور اہل علم ،عقل و دانش کی زندگیوں کے طریق اجاگر کئے جاتے ہیں۔ یہاں نوجوان طلباء کواعلیٰ تعلیم کے ساتھ شریعت کی تعلیم ،جدید علوم ،سائنسز ،فلسفہ ،منطق ،اور غیر ملکی زبانیں سیکھنے کے لئے جدید تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کی راہنمائی کی جاتی ہے۔

ایک اور ضروری پہلو اپنے ملک پاکستان سے محبت کا ہے درگاہوں اور اولیاء اللہ سے منسلک افراد میں سب سے نمایاں ہوتا ہے۔ ہماری بقا شریعت کی پابندی اور پاکستان سے محبت میں ہی ہے۔

اہداف:۔

اوپر دی گئی سطور میں متذکرہ فقدان ہی خانقاہی نظام کی احیاء و تجدید کے اہداف ہیں ۔جو سجادہ نشین یا مسند نشین اور متعلقہ محکموں اور شعبوں کی ذمہ داری ہے۔اللہ تعالیٰ کے کرم سے ہم اپنی ذمہ داریاں بطریق احسن انجام دے رہے ہیں اور ہر محکمہ اور شعبہ سے تعاون بھی جاری ہے۔

باب سوم

- دور حاضر میں خانقاہی نظام کا احیاء

فصل اول

- فیضانِ نظر اور کرامتِ مکتب

- حلقہ اثر کی روحانی، دینی اور دنیاوی تربیت

- فضائل کی بجائے عملیت کا درس

- فہم دین کا باقاعدہ نصاب اور نظام کے تحت اہتمام

فیضانِ نظر اور کرامتِ مکتب

- **فیضانِ نظر**
  - فیضانِ نظر حضرت اسماعیلؑ کے واقعہ میں
  - فیضان نظر علامہ اقبال کی نظر میں،
- **کرامتِ مکتب ۔**
- کرامتِ مکتب کی تعریف،
- حضرت امام ابن اسماعیل نابلسیؒ سے، سیدنا علی ہجویریؒ سے،
- قرآن مجید میں سورۃ البقرہ، النمل، مریم، الِ عمران، الکہف
- من وسلویٰ، ملکہ بلقیس کا تخت،
- حضرت عمرِ فاروقؓ کی کرامت

فیضان نظر

علامہ اقبال کا ایک شعر ہے۔

یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی　　　　سکھائے کس نے اسمٰعیلؑ کو آداب فرزندی (۱)

مولانا غلام رسول مہر نے اقبال کے اس شعر کی تشریح کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

''حضرت اسمٰعیلؑ نے فرزندی کے جن قاعدوں اور طریقوں کا بے مثل عملی نمونہ پیش کیا۔ وہ انہیں کس نے سکھائے تھے؟ ان کی تعلیم انہیں کہاں ملی تھی؟ کیا یہ سب کچھ کسی درس گاہ میں سکھایا گیا تھا؟ حاشا وکلا یہ تو ان کے والد ماجد حضرت ابراھیمؑ کی پاک نظر کا فیض تھا۔'' (۲)

علامہ اقبال کا یہ شعر حضرت ابراھیمؑ کا اپنے لخت جگر حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کے واقعہ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جس کے بارے میں قرآن مجید میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:

رَبِّ هَبْ لِی مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ۝ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ فَلَمَّاۤ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِیْنِ ۝ وَنَادَیْنٰهُ اَنْ یّٰۤاِبْرٰهِیْمُ ۝ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْیَا اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (۳)

ترجمہ: میرے پروردگار مجھے نیکوں میں سے عطا فرما ۝ تو ہم نے انہیں ایک بردبار بیٹے کی بشارت دی ۝ جب وہ ان کے ساتھ دوڑنے لگا فرمایا میرے پیارے بیٹے میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں ذبح کر رہا ہوں تو نظر دوڑایئے آپ کو کیا معلوم ہوتا ہے انہوں نے عرض کیا اے میرے باپ آپ کو جو حکم ملا ہے اسے کر گزریئے اللہ نے چاہا تو مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے ۝ پھر جب دونوں نے سر نیاز خم کئے اور حضرت ابراھیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کو پیشانی کے بل لٹا دیا ۝ اور ہم نے انہیں آواز دی اے ابراھیمؑ ۝ آپ نے خواب کو سچ کر دکھایا ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیا کرتے ہیں ۝

(۱)　اقبال، ڈاکٹر محمد، بال جبریل، ص ۱۴۔

(۲)　مہر، مولانا غلام رسول، مطالب کلام اقبال اردو، شیخ غلام علی اینڈ سنز (پرائیوٹ) لمیٹڈ پبلشرز، سرکلر روڈ۔لاہور، ۱۹۹۷، ص ۵۴۵

(۳)　سورۃ الصّٰفّٰت، آیت ۱۰۰ تا ۱۰۵۔

تاریخ بتاتی ہے کہ انبیاء کرامؑ کی تعلیم وتربیت بھی اپنے والدین کی گود میں ہوئی۔صحابہ کرامؓ کی تعلیم وتربیت رسول اکرم ﷺ کی صحبت اقدس میں ہوئی۔اوراولیاء کرامؒ کی ابتدائی تعلیم وتربیت بھی اسی سنت کے پیش نظر بھی والدین نے ہی کی۔اول الذکر دونوں صورتوں میں کسی بیرونی مدرسے کا وجود نہیں تھا۔جبکہ آخر الذکر صورت میں بھی صرف اعلیٰ تعلیم ہی اور وہ بھی انہی اولیاء اللہ سے یا ایسی خانقاہوں سے حاصل کی گئی جو خود اپنے اولیاء،والدین یا اساتذہ سے تربیت حاصل کر چکے تھے۔اوران تمام صورتوں میں فیضان نظر ہی تھا۔مکتب کی کرامت کہیں نہیں تھی۔حضرت اسمٰعیلؑ کی تربیت کے معاملے میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ آپ کے والد بزرگوار حضرت ابراہیمؑ بھی نبی تھے اور حضرت اسمٰعیلؑ بھی نبی تھے اور یہ فیضان نظر ہی تھا۔جس کی بنا پر حضرت اسمٰعیلؑ میں تسلیم ورضا نسب میں اوراندرون میں موجود تھی۔میرے والد گرامی حضرت بابا عرفانیؒ نے اس آیت مبارک کی تشریح یوں کی ہے۔

"ابا جان! آپ کو جو حکم مل رہا ہے وہ آپ کر گزریے باپ نے کہا "فی المنام" میں خواب میں دیکھ رہا ہوں بیٹے نے کہا'تو مر'آپ کو حکم دیا جارہا ہے"یفعل ما تومر"۔"ستجد نی انشاء اللہ صابرا و لا اعصی "(الکھف،۶۹) جہاں تک میرا کردار ہے وہ یہ ہے کہ میں عصیان کا پروردہ ہوں ہی نہیں۔میں نبوت کی گود کا پالا ہوا ہوں۔میں وہ ہوں کہ نبوت نے سجدے کئے ہیں تو میں نے نبوت کے دوش پر سواری کی ہے۔میں وہ ہوں جس کے خون کے چھینٹے جب اڑیں گے تو اس کی خوشبو سے سبحان اللہ اور لا الہ الا اللہ کی آوازیں اٹھیں گی۔میں وہ ہوں اس لئے "ستجد نی انشاءاللہ صابرا" میں صبر کرنے والا بنوں گا۔" ستجد نی انشاءاللہ من الصبرین "(الصّٰفّٰت ،۲)صبر کرنے والوں کی ایک تاریخ آنے والی ہے۔صبر کرنے والوں کی ایک روایت آنے والی ہے۔صبر کرنے والوں کی Institution قائم ہونے والی ہے۔صبر کرنے والوں کا نام ہونے والا ہے۔اس لئے جب تک فضائے کائنات موجود ہے جب تک صبر کا مفہوم کائنات میں موجود ہے۔جب تک صبر کے لفظ کا کوئی ترجمہ موجود ہے۔سجدونی من الصبرین مجھے آپ انہیں میں پائیں گے۔"(۱)

(۱) عرفانیؒ ، سید محمد وجیہ السیما ، ماہنامہ سیما ، جون ۱۹۹۳ ، ص ۱۳ ، ۱۴

مولانا غلام رسول مہر نے آیات کی تشریح کچھ یوں کی ہے۔

''گویا والد ماجد کی زبان مبارک سے قربانی کا اشارہ پاتے ہی بے تامل کہا کہ بارگاہ خداوندی سے آپ کے لئے جو حکم صادر ہوا اسے پورا کیجئے۔ فرزندی کے آداب کی اس سے بہتر مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ یہ تربیت درس گاہ کی نہ تھی اور اقبال مسلمانوں کے نونہالوں کو اسی تربیت کا پیکر بنانا چاہتے ہیں۔''(۱)

اقبال نے فیضان نظر کی کیفیت کو ایک اور شعر میں بھی یوں بیان کیا ہے:

خرد کے پاس کے سوا کچھ اور نہیں تراعلاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں (۲)

مولانا غلام رسول مہر نے اس شعر کی تشریح یوں کی ہے:

''عقل یعنی فلسفے کے پاس سنی سنائی باتوں کے سوا کیا رکھا ہے؟ اور تو ضعفِ یقین کی جس بیماری میں مبتلا ہے۔ اس کا علاج صاحب دل کی نظر ہی سے ہوسکتا ہے ۔(۳)

اقبال نے ایک اور شعر میں بھی عقل وخرد کے مقابل نظر کو بصیرت اور جذبہ عشق کے معنوں میں لیا ہے۔ اور یہ جذبہ عشق ہی دل کی ابدی حیات کا باعث بنتا ہے۔ کہتا ہے:

''خبر، عقل وخرد کی ناتوانی نظر، دل کی حیات جاودانی
نہیں ہے اس زمانے کی تگ وتاز سزاوار حدیثِ ''لن ترانی''(۴)

مولانا غلام رسول مہر نے ان اشعار کی یوں تشریح کی ہے

''(تصویر کہتی ہے) کہ خبر کیا ہے؟ پھر خود ہی اس کی وضاحت کرتی ہے کہ خبر، عقل وخرد کی ناتوانی ہے یعنی عقل کے بس کی بات نہیں کہ وہ حقیقت مطلقہ کو سمجھ سکے یا اس تک رسائی حاصل کر سکے، جب کہ نظر (بصیرت وجذبہ عشق، روحانی قوت) دل کی ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی کا باعث بنتی ہے کہ دل زندہ ہی، جو جذبہ عشق سے سرشار ہوتا ہے

(۱) مہر، مولانا غلام رسول، مطالب کلام اقبال اردو، ص ۵۴۵
(۲) اقبال، ڈاکٹر محمد، بال جبریل، ص۳۳۹، ۴۷
(۳) مہر، مولانا غلام رسول، مطالب کلام اقبال اردو، ص ۶۱۳، ۹۳
(۴) اقبال، ڈاکٹر محمد، ارمغان حجاز، ص۶۶۰، ۱۸۔

حقیقت مطلقہ کو پالیتا ہے۔ آج کے اس دور میں انسان مادہ پرستی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اس کی ساری دوڑ دھوپ مادیت ہی کی ترقی کے لئے ہے۔ ایسا انسان ''لن ترانی'' کی بات سننے کے لائق نہیں ہے۔ جب وہ سچے جذبوں ہی سے عاری ہے تو اس میں یہ جرات ہی پیدا نہیں ہوسکتی کہ وہ ایسا تقاضا (یا خدا مجھے اپنے جلوہ دکھا) کر سکے۔''(۱)

اسی بصیرت، جذبے اور عشق سے ہی حضرت ابراھیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ خالق کائنات کے امتحان میں سرخرو ہوئے۔ اقبال نے اس صدق، جذبے اور عشق کو یوں بیان کیا ہے:

صدق خلیلؑ بھی ہے عشق صبر حسینؑ بھی ہے عشق! معرکۂ وجود میں بدر و حُنین بھی ہے عشق!(۲)

(۱) مہر، مولانا غلام رسول، مطالب ضرب کلیم اردو، ص ۲۸۴

(۲) اقبال، ڈاکٹر محمد، کلیات اقبال، ص ۴۰۴، ۱۱۲

کرامت مکتب

کرامت کی تعریف

کرامت سے مراد غیر معمولی اور خلاف عادت واقعہ جو اولیاء اللہ سے وقوع پذیر ہوں اور عام انسانوں کو حیرت زدہ یا عاجز کردے۔عارف باللہ، ناصحالامہ حضرت سیدنا امام عبدالغنی بن اسماعیل نابلسیؒ (متوفی ۱۱۴۳ھ) کرامت کی تعریف یوں فرماتے ہیں:

''کرامت سے مراد وہ خلافِ عادت امر ہے جس کا ظہور تحدی و مقابلہ کے لئے نہ ہو اور وہ ایسے بندے کے ہاتھ ہر ظاہر ہو جس کی نیک نامی مشہور و ظاہر ہو، وہ اپنے نبی کا متبع، درست عقیدہ رکھنے والا اور نیک عمل کا پابند ہو'' (۱)

سیدنا علی ہجویریؒ نے کرامت کی یوں تعریف کی:

''کرامت ایسا فعل ہے جو اس کی مانند لانے پر انسانی عادتوں کو عاجز کردے معرفت الٰہی کے لئے استدلالی قوتوں سے صدق کے مقابل باطل کو عاجز کر دینا بھی کرامت ہے۔اہل سنت و جماعت کے ایک طبقہ کے نزدیک کرامت حق ہے لیکن معجزہ کی حد تک نہیں مثلاً دعاؤں کا لازمی قبول ہونا یا مرادوں کا ضروری حاصل ہونا یا اس قسم کی باتیں جو انسانی عادتوں کو توڑنے والی ہوں۔'' (۲)

کرامت کے بارے میں قرآن و حدیث میں ثبوت ملتے ہیں اور آج کے دور میں ایسے اہل حق موجود ہیں جن سے کرامتیں ہو جاتی ہیں۔سیدنا علی ہجویریؒ قرآن مجید کے حوالے سے کرامت کے بارے میں یوں بیان کرتے ہیں:

'' اہل اللہ کی کرامتیں اور ان سے خرق عادات افعال کے صدور ہونے کی صحت پر کتاب و سنت اور احادیث صحیحہ مروی ہیں اس کا انکار تمام نصوصی احکام کا نکار ہو گا۔اللہ تعالیٰ نے ہمیں قرآن میں خبر دی ہے کہ:

''وَ ظَلَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی'' (۳)

(۱) (الحدیقۃ الندیۃ شرح الطریقۃ المحمدیہ، الباب الثانی فی الامور المھمۃ فی الشریعہ، ج اوّل، ص ۲۹۲۔

(۲) ہجویریؒ، سیدعلی، کشف المحجوب اردو، مترجم، مفتی سیدغلام معین الدین نعیمی، ص ۳۱۰۔

(۳) سورۃ البقرہ، آیت ۵۷۔

ترجمہ ''پھر ہم نے تم پر بادل کی چھاؤں ڈال دی اور تم پر من وسلوٰی اُتارتے رہے'' (۱

اس کے علاوہ سیدنا علی ہجویریؒ ملکہ بلقیس کے تخت کے واقعہ کو قرآن مجید کی آیت کی روشنی میں یوں ذکر کرتے ہیں:

''دوسری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آصف بن برخیار کی کرامت کی بھی ہمیں خبر دی ہے جس وقت کہ حضرت سلیمانؑ نے چاہا تھا کہ بلقیس کا تخت ان کے سامنے پیش کیا جائے اور انہوں نے اس جگہ حاضر کر دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت آصف کی شرافت و بزرگی لوگوں پر ظاہر ہو جائے اور وہ اپنی کرامت لوگوں کے روبرو ظاہر کریں کیونکہ کرامت اولیاء جائز ہے۔ چنانچہ حضرت سلیمانؑ نے دربار میں فرمایا تھا کوئی ہے جو بلقیس کے آنے سے پہلے اس کا تخت ہمارے سامنے لے آئے؟ اللہ نے ہمیں اس طرح خبر دی ہے کہ:

قَالَ عِفْرِيتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا آتِيكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ (۲)

ترجمہ: ایک بہت ہی بڑے جن نے کہا آپ کے اپنے مقام سے اٹھنے سے بھی پہلے میں تخت لے آؤں گا۔

حضرت سلیمانؑ نے فرمایا اس سے جلدی درکار ہے۔ حضرت آصف بن برخیا نے عرض کیا:

اَنَا آتِيكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَآهُ مُسْتَقِرًّا (۳)

ترجمہ: میں آپ کی نگاہ آپ کی طرف لوٹ آنے سے بھی بہت پہلے لا حاضر کرتا ہوں'' (۴)

اب حضرت آصف بن برخیا حضرت سلیمانؑ کے مرید اور صحبت میں رہنے کی وجہ سے علم کتاب سے واقف تھے۔ اور یہ واقعہ حضرت سلیمانؑ کی طرف سے حضرت آصف بن برخیا کو دی ہوئی نعمت کا استعمال تھا۔ سیدنا علی ہجویریؒ اس پر مزید یوں تحریر کرتے ہیں:

''حضرت سلیمانؑ نے حضرت آصف کی اس تعمیل پر نہ حیرت کا اظہار فرمایا نہ انکار کیا اور نہ اسے محال جانا حالانکہ یہ کسی حال میں معجزہ نہ تھا کیونکہ حضرت آصف نبی نہ تھے لامحالہ یہی کہا جائے گا کہ یہ کرامت تھی اگر معجزہ ہوتا تو اس کا ظہور حضرت سلیمانؑ کے ہاتھ سے ہونا چاہیے تھا۔'' (۵)

(۱) ہجویریؒ، سیدعلی، کشف المحجوب اردو، مترجم، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۳۲۱۔

(۲) سورۃ النمل، ۳۹۔

(۳) سورۃ النمل، ۴۰۔

(۴) ہجویریؒ، سیدعلی، کشف المحجوب اردو، مترجم، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۳۲۱۔

(۵) ایضاً ایضاً ایضاً

قرآن مجید نے سورہ مریم میں ایک اور کرامت کا ذکر ملتا ہے۔ جسے سیدنا علی ہجویریؒ نے بھی یوں بیان فرمایا ہے:

”تیسری دلیل پر سب کا اتفاق ہے کہ حضرت مریم سلام اللہ علیہا نبی نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حال کی صریح طور پر خبر دی کہ۔

وَ هُزِّیٓ اِلَیْکِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا ۔(۱)

ترجمہ: اور اس کھجور کے تنے کو اپنی جانب ہلایئے آپ پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گرنے لگیں گی۔

اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کے قصہ میں ہمیں خبر دی کہ جب زکریاؑ ان کے پاس تشریف لائے تو ان کے پاس گرمی کے موسم میں سردی کے میوے اور سردی کے موسم میں گرمی کے میوے موجود پائے چنانچہ حضرت زکریاؑ نے ان سے پوچھا۔

اَنّٰی لَکِ هٰذَا قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (۲)

ترجمہ: یہ کھانا آپ کے ہاں سے کہاں اور کیسے آتا ہے انہوں نے کہا یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے ہے۔“(۳)

اصحاب کہف کے واقعہ کو سیدنا علی ہجویریؒ چوتھی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”چوتھی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کے حالات میں ان کے کتے کا ان سے کلام کرنے اور غار میں دائیں بائیں پہلو بدلتے رہنے کی خبر دی ہے کہ:

وَّ نُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ کَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَیْهِ (۴)

ترجمہ: اور ہم دائیں بائیں ان کی کروٹیں بدلتے رہتے ہیں اور ان کا کتا چوکھٹ پر اپنے بازوں پھیلائے ہوئے ہے۔“(۵)

(۱) سورۃ مریم ، آیت ۲۵

(۲) سورۃ ال عمران ، آیت ۳۷

(۳) ہجویریؒ ، سید علی ، کشف المحجوب اردو ، مترجم ، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۳۲۲

(۴) سورۃ الکہف ، آیت ۱۸

(۵) ہجویریؒ ، سید علی ، کشف المحجوب اردو ، مترجم ، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۳۲۲

معجزات نبیوں سے سرزد ہوتے ہیں جبکہ کرامات اولیاء اللہ یا اہل اللہ سے سرزد ہوتی ہیں۔اور یہ نعمت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے احکامات کے تحت رسول اللہ ؐ سے محبت اور اطاعت سے ہی حاصل ہوتی ہے۔اس سلسلہ میں سیدنا علی ہجویریؒ یوں تحریر کرتے ہیں:

''مذکورہ تمام افعال خرق عادات سے تعلق رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ معجزے نہیں ہیں ۔لامحالہ انہیں کرامت ہی کہنا چاہے خواہ یہ کرامتیں قبولیت دعا کے معنی میں ہوں جو تکلیف کے زمانہ میں امور موہوم کے حاصل ہونے کے لئے ہوں ،خواہ طویل مسافت ،مختصر وقت میں طے کرنا ہو،خواہ طعام کا ظاہر ہونا غیر متوقع جگہ سے ہوا ہو خواہ لوگوں کے ذہنوں میں شرافت و بزرگی جمانی مقصود ہو یا کسی اور سلسلہ میں ہو۔''(۱)

حضرت عمرؓ کی کرامت:

امام قشیریؒ نے حضرت عمر فاروقؓ سے منسوب ایک کرامت کا یوں ذکر کیا ہے:

'' اور یہ صحیح اثر ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے جمعہ کے دن خطبہ کے دوران '' یا ساریة الجبل ،(اے ساریہ پہاڑ پر چڑھ جا)اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر کی یہ آواز اسی وقت ساریہ کو پہنچادی ۔ یہاں تک کی انہوں نے اسی وقت پہاڑ کے ان مقامات سے اپنا بچاؤ کرلیا جہاں دشمن چھپے ہوئے تھے۔''(۲)

امام قشیریؒ مزید تحریر کرتے ہیں:

''سب سے بڑی کرامت اللہ کی فرمانبرداری اور گناہ سے بچنا ہے'' یادرکھو کہ اولیاء کی سب سے بڑی کرامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی اطاعت گزاری کی ہمیشہ توفیق دیتا رہے اور معصیت اور خدا کے احکام کی مخالفت سے بچاتا ہے۔''(۳)

(۱) ہجویریؒ ،سید علی، کشف المحجوب اردو، مترجم، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ص ۳۲۲

(۲) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ترجمہ ڈاکٹر پیر محمد حسن ، ص ۶۱۹

(۳) ایضاً ایضاً ، ص ۶۲۳

حدیثِ مبارک

کرامت کے بارے میں صحیح بخاری سے ایک حدیث لی گئی ہے ملاحظہ فرمائیں۔

''حضرت سیدنا عبدابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بنی اسرائیل میں جریج نام کا ایک عبادت گزار شخص تھا۔ وہ ایک روز اپنی عبادت گاہ میں نماز پڑھ رہا تھا کہ اتنے میں اس کی ماں نے آ کر اسے آواز دی۔ لیکن اس نے جواب نہ دیا اور دل میں یوں کہا اے اللہ ! نماز پڑھوں یا ان کا جواب دوں۔ اس کی ماں پھر آئی اور یوں دعا کی : اے اللہ ! اسے اس وقت تک موت نہ دینا جب تک یہ کسی فاحشہ عورت کے معاملہ میں ملوث نہ ہو۔ پس جریج ایک دن نماز پڑھ رہا تھا کہ ایک عورت نے کہا میں جریج کو فتنے میں مبتلا کر دوں گی۔ جنانچہ وہ اس کے سامنے آئی اور اس سے گفتگو کی (یعنی بدکاری کی دعوت دی) مگر اس عبادت گزار نیک بندے نے انکار کیا۔ تو وہ عورت چروا ہے کے پاس گئی اور اسے اپنے آپ پر قدرت دے دی۔ تو اس نے ایک بچے کو جنم دیا کہنے لگی کہ یہ جریج کا ہے۔ لوگ جریج کے پاس آئے اور اس کی عبادت گاہ توڑ دی اور اسے نکال باہر کیا اور اسے بہت برا بھلا کہا۔ اس پر جریج نے وضو کیا اور نماز پڑھی پھر اس بچے کے پاس آیا اور اس سے کہا: ''اے بچے! تیرا باپ کون ہے؟ ''تو چند دن کا بچہ بول اٹھا کہ فلاں چرواہا۔ لوگوں نے شرمندہ ہو کر جریج سے کہا: ہم تمہارے لئے سونے کی عبادت گاہ بنا دیتے ہیں، مگر اس نے کہا: ویسی ہی مٹی کی بنا دو'' (۱)

(۱) صحیح البخاری ، کتاب المظالم ، باب اذھدم حائطا فلیبن مثلہ ، الحدیث : ۲۴۸۲ ، ص ۱۹۵

حلقہ اثر کی روحانی، دینی اور دنیاوی تربیت و فضائل کی بجائے عملیت کا درس

- تصوف میں بیعت کا مطلب
- مرشد یا مُربیّ یا مزکّی کی خصوصیات،
- ابو علی وقاقؒ کا قول
- آداب مرید امام قشیریؒ کی نظر میں
- طریقت میں صحبت کی ضرورت و شرائط

حلقہ اثر کی روحانی، دینی اور دنیاوی تربیت

دین اسلام میں کسی بھی شخص کی تربیت سے مراد اس کی مکمل اور ہمہ پہلو تربیت ہے۔ تعلیم و تربیت کے ضمن میں دینی، دنیاوی یا روحانی سب کچھ شامل ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ کسی شخص کی دینی تربیت ہو رہی ہے تو دنیاوی نہیں اور دنیاوی ہو رہی ہے تو باطنی نہیں۔ میں یہاں روحانی کو باطنی کے معنوں میں لیتا ہوں یعنی اس کے قلب اور اندرون کی صفائی۔ جس کی بنیاد قرآن مجید میں ہے۔ جو آئندہ سطور میں آئیگی۔ دین اسلام نے دین اور دنیا کو الگ الگ نہیں فرمایا۔ قرآن مجید کی دعا میں

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّار ٥ (١)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار ہمیں دنیا میں بھی خوبیاں اور اچھی چیزیں عطا فرما اور آخرت میں بھی اچھی چیزوں سے نوازتے رہنا اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا٥

یہاں دنیا پہلے اور آخرت کا لفظ بعد میں آیا ہے۔ یعنی کسی کی دنیا بہتر ہوگی تو آخرت بھی بہتر ہوگی۔ وگرنہ معاملہ کی دوسری صورت بنے گی۔ ہمارے موضوع میں خانقاہی نظام میں حلقہ اثر کی تربیت تحریر میں لانا ہے۔ طریقت میں حلقہ اثر سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی کامل مرشد سے بیعت ہوتے ہیں یا عزیز و اقارب یا جو درویش سے مثبت تعلق کے خواہاں ہوں۔ اب یہاں پہلے بیعت کو سمجھنا ہوگا کہ بیعت کیا ہے۔ بیعت لفظ بیعہ سے ہے۔ جس کے لفظی معانی بیچنے کے ہیں طریقت میں کسی بھی بالغ شخص کا کسی ایسے مرشد سے جو شریعت محمدیؐ کا پابند ہے، صاحب علم ہے، صاحب تقویٰ ہے، معاملات میں صحیح ہے، معاشرے میں اس کی شہرت نیک نامی کے زمرے میں آتی ہے، موجودہ دور کے تقاضوں کو بھی سمجھتا ہے، کو اللہ تعالیٰ کی خاطر اپنے دینی اور دنیاوی معاملات میں راہنمائی اور تکمیل کرنے کے عہد کے اظہار کے لئے ہاتھ میں ہاتھ دینا بیعت کہلاتا ہے۔ ڈاکٹر محمد امین اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

"تصوف میں بیعت کا مطلب ہے ایک طالب تزکیہ کا ایک مربی کے ساتھ رسماً اظہار تلمذ جس میں طالب تزکیہ گویا یہ عہد کرتا ہے کہ اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے کی

(١) سورۃ البقرہ ، آیت ٢٠١

کوشش اور اپنی اصلاح کی جدوجہد وہ اس مزکیّ کی شاگردی میں اور اس کے زیرنگرانی کرے گا۔چنانچہ مزکیّ اکثر اس موقع پر طالبِ تزکیہ سے تجدید ایمان اورتوبہ کرواتے ہیں اور یہ عہد لیتے ہیں کہ وہ آئندہ اسلامی احکام پر چلے گا اور معصیت سے بچے گا۔''(۱)

ڈاکٹر محمد امین نے مرشد کے لئے مزکیّ یا مربیّ کی اصطلاحات کو استعمال کیا ہے اوروہ اس کی صفات کو یوں تحریر کرتے ہیں:

(۱)''وہ صحیح العقیدہ ہو یعنی اس کے عقائد قرآن وسنت پر مبنی ہوں جو کہ جمہور اہل سنت کے ہیں نہ کہ فرق ضالہ کے سے مبنی بر بدعات وخرافات۔''(۲)''وہ احکام قرآن و سنت پر عامل ہو خصوصاً متبع سنت ہو۔''(۳)''دین کا عالم ہو، بہت بڑا عالم نہ بھی ہو تو ضروری علم بہرحال رکھتا ہو۔''(۴)ماہر علم النفس ہو یعنی یہ فن جانتا ہو کہ دوسروں کی اصلاح کیسے کرنی ہے؟''(۵)''خود نفس مزکیّ رکھتا ہو اور اس کے لئے مسلسل کوشاں بھی رہے۔''(۶)''لیکن محض یہ کافی نہیں کہ وہ خود نیک ہو بلکہ ضروری ہے کہ وہ دوسروں کو نیک بنانے کی ضرورت بھی محسوس کرتا ہو، اس کا درد بھی رکھتا ہو اس کے لئے کوشش بھی کرے اور اس کام کو کرنے کے طریقوں سے بھی واقف ہو۔''(۷)''جو تقویٰ اور نیکی کا دعویٰ نہ کرے۔''(۸)''جو مظاہر تقویٰ اور لباس تقویٰ کو اپنا شعار نہ بنائے۔''(۹) جسے دیکھے ملنے اور اس کے پاس بیٹھنے سے اللہ یاد آجائے اور اللہ کی محبت دل میں پیدا ہو۔''(۱۰)''جس لے ملنے والے اکثر لوگ دین دار ہوں۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس کے پاس گنہگار نہ آئیں یا ایسے لوگ نہ آئیں جو دین میں ناقص ہوں۔ایسے لوگ تو اس کے پاس ضرور آئیں گے تا کہ اپنی اصلاح کریں۔''(۱۱)''وہ ان خرافات و بدعات اور غلط رسوم ورواج سے مبرا ہو جو جاہل صوفیوں نے اختیار کر رکھی ہیں۔''(۲)

(۱) امین ، ڈاکٹر محمد ،اسلام اور تزکیہ نفس ، ص ۵۸۸۔

(۲) ایضاً ، ص ۵۸۵ ، ۵۸۶۔

بیعت کیوں ضروری ہے؟امام قشیریؒ حضرت بایزید بسطامیؒ کے حوالے سے یوں تحریر کرتے ہیں:

''چنانچہ بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی استاد نہیں ۔اس کا امام شیطان ہوتا ہے۔''(۱)

امام قشیریؒ اس موضوع پر ابو علی دقاقؒ کے ایک قول کو یوں تحریر میں لاتے ہیں۔

''میں نے استاد ابو علی دقاقؒ کو فرماتے سنا کہ جب کوئی درخت بغیر اس کے کہ کسی نے اُسے لگایا ہو۔خود بخود اُگ آیا ہوتو اس کے پتے تو نکل آئیں گے۔مگر یہ درخت پھل نہ دے گا۔یہی حال مرید کا ہے کہ جب اس کا کوئی شیخ نہ ہو جس سے ایک ایک سانس کر کے وہ اپنے راستہ کو اخذ کرے تو یہ مرید اپنی خواہشات کی عبادت کر رہا ہوگا۔اور اسے کوئی راستہ نہ ملے گا۔''(۲)

اب آداب مرید کیا ہوں ؟کسی بھی ادارہ میں علم یا تربیت کی خاطر داخل ہونے والوں کو اپنے استاد کا احترام،اس کے احکامات کی تعمیل اور ادارہ کے قوانین کا پابند رہنا ہوتا ہے۔خانقاہی نظام میں اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ ہر حال میں تسلیم و رضا اور صبر و استقامت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑے۔برضا الٰہی کے عنوان کے تحت امام قشیریؒ اسی سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں۔

''اس طریقت میں جس قسم کے بھی تقدیر کے تصرفات پیش آئیں وہ ان پر راضی ہو ۔نیز یہ کہ شیخ مرید سے اس بات کا عہد لے کہ خواہ اسے اس راہ میں کسی قسم کی تنگی ،ذلت ،فقر، بیماری یا دکھ لاحق ہو تب بھی وہ اس راہ سے نہیں ہٹے گا۔اور اس کا دل تن آسانی کی طرف مائل نہ ہوگا ۔اور وہ مجبوری کے عالم یا فاقہ کے غلبہ کے وقت ''رخصت'' کو اختیار نہ کرے ۔بلکہ عزیمت کو اختیار کرے گا ۔نہ تن آسانی کو پسند کرے گا۔اور نہ سستی کو اپنا شعار بنائے گا۔کیونکہ مرید کا وقفہ (تھوڑی دیر کے لئے ٹھہر جانا)فترت سے بھی بدتر ہے۔''(۳)

(۱) قشیری ، امام ابوالقاسم عبداللہ بن ہوازن ، رسالہ قشیریہ ، ڈاکٹر پیر محمد حسن، ص ۶۹۲

(۲) ایضاً ایضاً ایضاً

(۲) ایضاً ایضاً ص ۶۹۴ ، ۶۹۵

طریقت میں صحبت کی ضرورت

طریقت میں حلقہ اثر کی تربیت کے لئے صحبت ایک بنیادی شرط بھی ہوتی ہے اور ضرورت بھی۔ قرآن حکیم کی کئی آیات سے صحبت کی تائید ہوتی ہے مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَ الْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ(۱)

ترجمہ : اور اپنے آپ کو کیفیت صبر میں ان لوگوں کے ساتھ ہی رکھیے جو صبح اور شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اور خالصتاً اسی کی جستجو میں رہتے ہیں۔

اس آیہ مبارکہ میں پروردگار کو صبح شام یاد رکھنے والوں اور اس کی جستجو میں نیت اور اخلاص کے ساتھ رہنے والوں کے ساتھ دوستی اور صحبت کرنے کا واضح حکم ہے۔ ڈاکٹر محمد امین قرآن مجید ہی کی ایک دوسری آیت کا حوالہ دیتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''قرآن نے مسلمانوں کو دعا سکھائی (اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ) ''ہمیں سیدھے صحیح راستے پر لئے چل'' اور ساتھ ہی وضاحت کر دی کہ یہ ہدایت کس قسم کی ہو گی اور کیسے ملے گی؟ چنانچہ فرمایا: صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ٥ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَ لَا الضَّآلِّیْنَ(۲)

'' ان کے راستے جنہیں تو نے اپنی نعمت اور فضل سے نوازا ایسے لوگوں کے راستے نہیں جنہیں تو نے دھتکار دیا نہ بھٹکے ہوئے گمراہوں کے راستے''

اب اس آیہ مبارکہ کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد امین تحریر کرتے ہیں۔

''یعنی یہ نہیں فرمایا کہ فلاں کتاب سے ہدایت دے بلکہ آدمیوں کی مثال دی کہ ان آدمیوں کی سی ہدایت جن میں یہ اور یہ خوبی ہو۔ قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلاح کے باب میں اللہ تعالیٰ کی سنت یہی ہے کہ آدمیوں کی اصلاح آدمیوں کے ذریعے کی جائے۔ اگر آدمیوں کی اصلاح کے لئے لکھی ہوئی ہدایات کافی ہوتیں تو اللہ

(۱) سورۃ الکہف ، آیت ۲۸۔

(۲) سورۃ البقرہ ، آیت ۵ ، ۶

اس پر قدرت رکھتا تھا کہ ہر آدمی کو لکھی ہوئی کتاب بھجوا دیتا یا انسان کی ہدایت کے لئے فرشتے مقرر کر دیتا لیکن اس نے پہلے دن سے یہ انتظام کیا کہ ان کی ہدایت کے لئے آدمیوں ہی میں سے پیغمبر بھجوائے جنہوں نے لوگوں کو ہدایت واصلاح کا فریضہ انجام دیا۔"(۱)

خانقاہی نظام میں متوسلین کی تربیت کے لئے صحبت کی ضرورت کو قرآن مجید کی مندرجہ بالا آیات کی روشنی میں واضح کیا جاتا ہے۔صحبت کی ضرورت کے سلسلہ میں رسول کریم ﷺ کے ارشادات بھی ایک روشنی کا مینار ہیں ۔حدیث مبارک میں ارشاد ہے۔

" فاذا خرجنا من عندک و عافسنا الازواج ولاولا دوالضیعات نسینا کثیرا افقال رسول الله صلی الله علیه وسلم الذی نفس بیده ان لو تدومون علی ماتکونون عندی و فی الذکر لصاحفتکم المائکة علی فرشکم و فی طرقکم و لکن یا حنظله ساعة و ساعة ثلاث مرات "(۲)

ترجمہ : پھر جب ہم نبی کریم ﷺ کے پاس سے جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائیداد ،کاروبار کے معاملات میں الجھ جاتے ہیں اور بہت سی باتوں کو بھول جاتے ہیں۔اس پر حضور ﷺ نے فرمایا خدا کی قسم اگر تمہاری وہ حالت ہمیشہ رہے جو میری موجودگی میں ہوتی ہے۔یا دوام ذکر کی صورت رہے تو فرشتے تم سے گھروں اور رستوں میں مصافحہ کریں۔اے حنظلہ ! وقت ایک سا نہیں رہتا۔یہ آپ نے تین دفعہ فرمایا۔"

ایک اور حدیث مبارک ہے ۔جس میں صرف مومن ہی کی صحبت اختیار کرنے کا ارشاد مبارک ہے ۔

" لا تصاحب الا مومنا ولا یاکل طعامک الا تقی "(۳)

ترجمہ "کسی مومن ہی کی صحبت اختیار کرو اور تمہارا کھانا صرف پرہیز گار ہی کھائے"

(۱) امین ، ڈاکٹر محمد ،اسلام اور تزکیہ نفس ،

(۲) مسلم ، الصحیح ، کتاب التوبہ ، باب فضل دوام الذکر والفکر فی امور الآخرہ ، ص ۱۱۵۴

(۳) ترمذی ، السنن ، ابواب الزھد ، باب ماجاء فی صحبۃ المومن ، ص ۱۸۹۲

انگریزی کا محاورہ A man is known by the company he keeps بھی رسول اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے لیا گیا ہے۔ جو حدیث پاک میں یوں بیان ہوا ہے

"الرجل علی دین خلیلہ فلینظر احدکم من یخالل "(۱)

ترجمہ: "آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے لہٰذا تم میں سے ہر آدمی کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کس کے ساتھ دوستی کر رہا ہے۔"

سیدنا علی ہجویریؒ صحبت کی شرائط کے بارے میں کشف المحجوب میں یوں رقمطراز ہیں:

"مشائخ طریقت کی صحبت کی شرط یہ ہے کہ ہر ایک کو ان کے درجہ کے مطابق پہچانے۔ بوڑھوں کا ادب کرے، ہم جنسوں کے ساتھ عمدہ سلوک سے پیش آئے اور بچوں کے ساتھ شفقت و محبت کا برتاؤ کرے۔ بوڑھوں کو باپ دادا کی طرح سمجھے۔ ہم جنسوں کو بھائیوں کی مانند اور بچوں کو اولاد کی مانند جانے۔ کینہ، حسد اور عداوت و دشمنی سے اجتناب کرے اور کسی کی نصیحت میں کوتاہی نہ کرے۔ صحبت میں کسی کی کوتاہی نہ کرے اور نہ ایک دوسرے کی قول و فعل میں کوتاہی کرے اس لئے کہ "لوجہ اللہ" صحبت کرنے کرنے والے پر لازم ہے کہ رفیق کے کسی قول و فعل پر کبیدہ اور آزردہ خاطر نہ ہو اور اسے اپنے سے اسی بناء پر جدا نہ کرے"(۲)

صحبت کے حقوق کے بارے میں سیدنا علی ہجویریؒ یوں تحریر کرتے ہیں:

واضح رہنا چاہیے کہ مریدوں کے لئے سب سے اہم ترین چیز صحبت ہے کیونکہ صحبت کے حق کی رعایت کرنا اہم فرض ہے چونکہ مریدوں کے لئے انفرادی اور علیحدگی کی زندگی گزارنا موجب ہلاکت ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ :

"الشیطان مع الواحد و ھو من الاثنین ابعد "(۳)

"اکیلے آدمی کے ساتھ شیطان ہوتا ہے اور جب دو ایک ساتھ ہوں گے تو دور رہے گا"

(۱) ترمذی ، الجامع ، ابواب الزھد ، باب الرجل علی دین خلیلہ ، ص ۱۸۹۰۔

(۲) ہجویریؒ ، سید علی ، کشف المحجوب اردو ، مترجم ، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۴۵۱۔

(۳) ترمذی ، الجامع ، ابواب الزھد ، باب الرجل علی دین خلیلہ ، ص ۱۸۹۰۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"مَا يَكُونُ مِنْ نَّجْوَى ثَلَاثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ" (۱)

ترجمہ : "باہم رازداری سے بات کرنے والے کوئی سے تین افراد ایسے نہیں ہوتے جن میں چوتھا اللہ تعالیٰ نہ ہو، لہٰذا مرید کے لئے اکیلے رہنے سے بڑھ کر کوئی آفت نہیں ہے۔" (۲)

طریقت میں مجاہدہ کی اصطلاح بھی استعمال ہوتی ہے۔ جنہیں مجاہدات اربعہ کہا جاتا ہے۔ جو کم کھانے، کم بولنے، کم سونے اور لوگوں سے میل ملاقات کم رکھنے کے بارے میں ہے یہ مجاہدات تو بہت آگے کی بات ہے۔ موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق جو مجاہدات جو شاید ان سے بھی زیادہ سخت ہیں وہ ایمانیات کے زبان سے اقرار اور دل سے تصدیق کے بعد عبادات میں پانچ اوقات کی نمازیں، روزہ، زکوٰۃ اور صاحب نصاب کے حج ہی کو لیں تو ان سب کا فی زمانہ پورا کرنا ہی بڑا مجاہدہ ہے۔ ان کے بعد آج کے دور میں رزق حلال حاصل کرنا اور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا بھی ایک بڑا مجاہدہ ہے۔ سچی اور کھری بات کرنا بھی مجاہدہ ہے۔ اور سب سے بڑی بات آج کے دور کی آلائشوں سے دامن بچا کر باعزت زندگی گزارنا اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت شامل حال ہو اور کسی صاحب تقویٰ کی صحبت نصیب ہو۔ تو ہی ممکن ہے۔ وگرنہ

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے ۔۔۔ لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا (۳)

(۱) سورۃ المجادلہ ، آیت ۷۔

(۲) ہجویریؒ ، سید علی، کشف المحجوب اردو ، مترجم ، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۴۵۰۔

(۳)

فضائل کی بجائے عملیت کا درس

خانقاہی نظام میں قرآن وسنت کے فضائل بتانے کا مقصد ہی عملیت کا درس دینا ہوتا ہے، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی تشریح کے لئے قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کا باقاعدہ دروس دیئے جاتے ہیں۔ اور خانقاہی نظام میں اس کے لئے باقاعدہ کلاس، سوال جواب، مباحثے اور شریعت کے احکامات پر عمل کی تلقین اور تربیت دی جاتی ہے۔ ان کے بارے میں گزشتہ ابواب اور فصول میں کافی حد تک بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں میں اس بات کا اعادہ کروں گا کہ خانقاہی نظام میں بڑے اولیاء اللہ کی کرامات کے تذکروں کی بجائے عملیت کا درس ہی دیا جاتا ہے۔ آج کے دور میں بھی معیار وہی ہے۔ یعنی قرآن وسنت کی سختی سے پابندی۔ تاہم جو بھی اس معیار سے ہٹتا ہوا نظر آئے گا وہ صوفیوں کے بھیس میں جعلی صوفی ہی ہوگا۔ ہمارے ہاں جب بھی کوئی شخص نیک نیتی سے بیعت یا تلقین یا راہنمائی لینے کی غرض سے آتا ہے تو اسباق میں پانچ وقت نمازوں کی پابندی، رزق حلال کمانا، گھروں میں اور لوگوں سے معاملات میں کھرے رہنا، اور حسن سلوک رکھنا شامل ہے۔

اس کے ساتھ ہی یہ تعلیم دی جاتی ہے۔ کہ نہ تو شریعت کے کسی حکم کی خلاف ورزی ہو اور نہ ہی ملک کے قوانین کی خلاف ورزی ہو۔ قرآن وسنت کے احکام کی وضاحت میں صحابہ کرامؓ اور ان اولیاء اللہ، اہل حق کے معمولات، تعلیمات اور اقوال زریں سامنے رکھ کر تربیت دی جاتی ہے۔ جو اہل حق میں روشن مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مثلاً سیدنا علی ہجویریؒ نے سیدنا امام حسینؑ کے فرمودات سے ایک فرمودہ یوں تحریر کیا ہے۔

> ''سیدنا امام حسینؓ سے طریقت میں بکثرت کلام لطیف اور اس کے رموز و معاملات منقول ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا ''اشفق الاخوان علیک دینک'' تمہارے لئے سب سے زیادہ رفیق و مہربان تمہارا دین ہے اس لئے کہ بندے کی نجات دین کی پیروی میں ہے اور اس کی ہلاکت اس کی مخالفت میں ہے صاحب عقل و خرد وہی شخص ہے جو مہربان کے حکم کی پیروی کرے اور اس کی شفقت کو ملحوظ رکھے اور کسی حالت میں اس کی متابعت سے روگردانی نہ کرے'' (۱)

(۱) ہجویریؒ، سید علی، کشف المحجوب اردو، مترجم، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۱۴۳۔

مذکورہ بالا فرمودہ میں سید الشہدا حضرت امام حسینؑ کے فرمودہ میں دین اسلام کی پیروی میں نجات اور مخالفت میں ہلاکت کا فرمایا ہے۔ یہ رسول اکرم ﷺ کے بشیرو نذیر ہونے کی صفات کو ہی دہرایا گیا ہے۔ جو بنیادی طور پر قرآن مجید کا حکم ہے۔ خانقاہی نظام متوسلین کی اسکے تفسیری نکات ذہن نشین کروائے جاتے ہیں۔ اس طرح زیر تربیت افراد نہ صرف قرآن وسنت سے وابستہ رہتے ہیں بلکہ ان ہستیوں سے بھی منسلک رہتے ہیں جنہوں نے دین اسلام کی ترویج اور احیا کے لئے کام کیا۔ اور یہ وہ امام حسینؓ ہیں جن کے لئے اقبال نے کہا:

؎ قافلہٴ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں   گرچہ ہے تابدار ابھی گیسوئے دجلہ وفرات (۱)

سیدنا علی ہجویریؒ نیک بختی وسعادت کے بارے میں حضرت امام زین العابدین کا ایک قول یوں تحریر کرتے ہیں۔

حضرت سجاد زین العابدینؓ:

"ائمہ اہل بیت اطہار میں سے وارث نبوت، چراغ امت، سیدِ مظلوم، زین العباد، شمع اوتاد، سیدنا ابوالحسن علی المعروف بہ زین العابدین بن امام حسینؓ ہیں آپ اپنے زمانہ کے سب سے بڑے زاہد وعبادت گزار اور کشف وحقائق ونطق دقائق میں مشہور ہیں کسی نے آپ سے دریافت کیا دنیا وآخرت میں سب سے زیادہ نیک بخت وسعید کون شخص ہے۔ آپ نے فرمایا "من اذا رضی لم یحملہ رضاہ علی الباطل واذا سخط لم یخرجہ سخط من الحق" وہ شخص جب راضی ہو تو اس کی رضا اسے باطل پر آمادہ نہ کرے اور جب ناراض ہو تو اس کی ناراضگی اسے حق سے نہ بھٹکنے دے یہ وصف، راست رولوگوں کے اوصاف کمال میں سے ہے اس لئے کہ باطل سے راضی ہونا بھی باطل ہے اور غصہ کی حالت میں حق کو ہاتھ سے چھوڑنا بھی باطل ہے مومن کی یہ شان نہیں ہے کہ وہ اپنے آپ کو باطل میں مبتلا کرے۔" (۲)

(۱) اقبال، ڈاکٹر محمد، بال جبریل، ص ۴۰۳، ۱۱۲

(۲) ہجویریؒ، سید علی، کشف المحجوب اردو، مترجم، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۱۴۳، ۱۴۴

نیک بخت اور باسعادت ہونے کی اس فرمودہ سے بڑے مثال کیا ہوسکتی ہے کہ کسی شخص کی نیک بختی اور سعادت یہ ہے۔ کہ راہ حق پر اس طرح صبر واستقامت کا دامن ہاتھ میں ہو کہ مزاجی طور پر اس کا اطمینان یا بے اطمینانی کسی طور پر بھی اس کی باطل کی طرف توجہ نہ ہونے پائے۔ ساتھ ہی غصہ کی حالت میں بھی خبردار کردیا گیا ہے۔ خانقاہی نظام میں متوسلین کی تربیت کے دوران ان فرمودات کی یاد دہانی مسلسل کروائی جاتی ہے۔ رسول اکرم ﷺ کے مکارم اخلاق پر گزشتہ صفحات میں گذارشات کی گئیں۔ اب اخلاق ہی کے موضوع پر سیدنا علی ہجویریؒ ایک قول حضرت محمد بن علی بن امام حسینؑ کا تحریر کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

''حضرت محمد بن علی بن امام حسین بن علی مرتضٰی سلام اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ'' **التصوف خلق فمن زاد علیک فی الخلق زاد علیک فی التصوف** '' پاکیزہ اخلاق کا نام تصوف ہے۔ جس کے جتنے پاکیزہ اخلاق ہوں گے اتنا ہی زیادہ وہ صوفی ہوگا۔ پاکیزہ اخلاق کی دوقسمیں ہیں۔ ایک حق تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خلق کے ساتھ۔ حق تعالیٰ کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ اس کی قضاء وقدر پر راضی رہے اور خلق کے ساتھ نیک خوئی یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضا کی خاطر مخلوق کی صحبت کا بار برداشت کرے'' (۱)

ائمہ اہل بیت کے فرمودات کے بعد اب ہم صحابہ کرامؓ کے اقوال سے خانقاہی نظام میں متوسلین کی تربیت کے لئے کیسے روشنی حاصل کی جاتی ہے۔ سیدنا علی ہجویریؒ اپنی تحریر میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مناجات میں سے ایک کا ذکر کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''حضرت صدیق اکبرؓ اپنی مناجات میں عرض کرتے تھے کہ'' **الھم ابسط لی الدنیا وزھدنی عنھا** '' اے خدا دنیا کو میرے لئے کشادہ فرما لیکن مجھے اس میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھ دنیا کی فراخی کی دعا کے بعد اس سے محفوظ رکھنے کی التجا میں ایک لطیف اشارہ ہے وہ یہ کہ دنیا دے تا کہ شکر بجالاؤں پھر یہ توفیق دے کہ اسے تیری راہ میں اپنے ہاتھ سے خرچ کروں اور اپنا رخ تیری طرف پھیروں تا کہ شکر اور انفاق فی سبیل اللہ کا درجہ پاؤں اور مقام صبر بھی حاصل کروں۔'' (۲)

(۱) ہجویریؒ ، سید علی ، کشف المحجوب اردو ، مترجم ، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۱۰۳ ، ۱۰۴۔

(۲) ایضاً ، ص ۱۳۴

سیدنا ابو بکر صدیقؓ کی ایک مناجات میں بیک وقت کتنی وسعت اور کتنی گہرائی ہے۔ دنیا بھی مانگی مگر شکر بجا لانے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لئے تاکہ شکر اور انفاق کے احکامات کی تعمیل بھی ہو اور مقام صبر بھی حاصل ہو پھر توجہ بھی دنیا کی بجائے حق تعالیٰ کی طرف ہی ہو۔ خانقاہی نظام میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کی مناجات دروس کا حصہ ہوتی ہے۔ اور اس میں پوشیدہ تعلیمات زیر تربیت افراد کو عمل میں لانے کے لئے ذہن نشین کرائے جاتے ہیں۔ اب آئیں سیدنا عمر فاروقؓ کی طرف۔ سیدنا علی ہجویریؒ تحریر کرتے ہیں۔

سیدنا عمر فاروقؓ:

> '' آپ نے فرمایا ''العزلة راحة من خلفاء السوء'' بدوں کی ہمنشینی سے گوشہ نشینی میں چین وراحت ہے'' (۱)

حضرت عمر فاروقؓ کا یہ فرمان خراب ماحول میں بیٹھنے سے گوشہ نشینی کے حق میں جاتا ہے۔ اور اس پس منظر میں اہل حق اور اہل علم لوگوں کا گزشتہ ادوار میں اور آج بھی بُروں اور جاہلوں سے دامن بچانا عین حق پر ہے۔ یہ بھی زیر تربیت افراد کی موجودہ دور میں بری مجلس سے اجتناب کا باعث بنتی ہے۔ سیدنا علی ہجویریؒ نے کشف المحجوب میں حضرت عثمان غنیؓ کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہوئے آپؓ کی حضرت امام حسن مجتبیٰؓ سے مکالمہ تحریر کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عثمان ذوالنورینؓ:

> '' جب امام حسن مجتبیٰؓ اندر داخل ہوئے تو سلام عرض کیا پھر بلوائیوں کی حرکت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا، اے امیر المومنین، میں آپ کے حکم کے بغیر مسلمانوں پر تلوار بے نیام نہیں کرسکتا آپ امام برحق ہیں آپ حکم دیجئے تاکہ آپ سے اس قوم کو دور کردوں۔ حضرت عثمانؓ نے جواب میں فرمایا: '' **یا ابن اخی ارجع واجلس فی بیتک حتیٰ یاتی اللہ بامرہ فلا حاجة لنا فی اهراق الدماء** ''
> '' اے میرے بھائی علیؓ کے فرزند جاؤ اپنے گھر آرام کرو یہاں تک کہ اللہ کا کوئی حکم وارد ہو ہمارے لئے لوگوں کے خون بہانے کی ضرورت نہیں'' مقام خلت ودوستی میں ، بلا ومصیبت کے درمیان، تسلیم ورضا کی یہ روشن علامت ہے۔'' (۲)

(۱) ہجویریؒ ، سید علی ، کشف المحجوب اردو ، مترجم ، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۱۳۴۔
(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۱۳۷۔

سیدنا امام حسن مجتبیٰؑ کی خلیفہ وقت کی حفاظت کے لئے تلوار اٹھانا اور ان کے حکم کی تعمیل کرنے کے واقعہ آج کے دور میں مختلف مذہبی لوگوں کی آنکھیں کھول دینے کے لئے کافی ہے۔

سیدنا علی ہجویریؒ چوتھے خلیفہ حضرت علی المرتضیٰؓ کا ایک قول تحریر کرتے ہیں۔

''حضرت علی المرتضیٰؓ سے ایک موقعہ پر کسی نے دریافت کیا کہ سب سے اچھا عمل کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا "غناء القلب بالله تعالیٰ" ''اللہ تعالیٰ کے ساتھ دل تو نگر بنانا جو دل خدا کے ساتھ غنی ہوتا ہے اسے نہ تو دنیا کی نیستی پریشان کرسکتی ہے اور نہ دنیا کی ہستی خوش کرسکتی ہے''(۱)

سیدنا علی المرتضیٰؓ کے اس فرمان میں توکل، توحید، غنا، استقامت اور قناعت سبھی کچھ شامل ہے۔ ان میں سے ہر موضوع پر خانقاہی نظام میں تفصیلی دروس دیئے جاتے ہیں۔ اور حوالہ جات کے لئے قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور سنت مبارکہ سے راہنمائی کی جاتی ہے۔ خانقاہی نظام میں متوسلین کی تربیت ایک مسلسل عمل ہے۔ جس میں تمام عمر بیت جاتی ہے اور زندگی خاردار کانٹوں سے دامن بچاتے ہوئے ایک مومن کی طرز پر گزر جاتی ہے۔

سیدنا علی اہجویریؒ حاتم الاصمؒ کے حوالے سے چار سبق آموز باتوں کا تذکرہ یوں کرتے ہیں۔

''حاتم الاصمؒ فرماتے ہیں کہ جب سے مجھے چار باتوں کا علم حاصل ہوا ہے۔ میں عالم کے تمام علوم سے بے پرواہو گیا ہوں۔ لوگوں نے دریافت کیا وہ کونسی چار باتوں کا علم ہے؟ انہوں نے فرمایا ایک یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا رزق مقدر ہو چکا ہے جس میں نہ کمی ہوسکتی ہے نہ زیادتی۔ لہٰذا زیادہ کی خواہش سے بے نیاز ہوں اور دوسری یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ خدا کا مجھ پر حق ہے۔ جسے میرے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کرسکتا۔ لہٰذا میں اس کی ادائیگی میں مشغول ہوں اور تیسری یہ کہ میرا کوئی طالب ہے۔ یعنی موت میری خواستگار ہے جس سے میں راہ فرار اختیار نہیں کرسکتا لہٰذا میں نے اسے پہچان لیا اور چوتھی یہ کہ میں نے جان لیا ہے کہ میرا کوئی مالک ہے جو ہمہ وقت مجھے دیکھ رہا ہے۔ میں اس سے شرم کرتا ہوں اور نافرمانیوں سے باز رہتا ہوں۔''(۲)

خانقاہی نظام میں ان سبق آموز باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے متوسلین کو قناعت اور رجوع الیٰ اللہ کا درس دیا جاتا ہے۔

(۱) ہجویریؒ، سید علی، کشف المحجوب اردو، مترجم، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۱۳۹۔
(۲) ایضاً ، ص ۷۴

سیدنا علی ہجویریؒ غرور کا تذکرہ کرتے ہوئے یوں بیان فرماتے ہیں۔ ''عجب وغرور دراصل دو چیزوں سے پیدا ہوتا ہے (۱) خلق کی عزت افزائی اور ان کی مدح وستائش سے اور (۲) یہ کہ اپنے ہی افعال پر کوشش ہونے سے اول صورت میں لوگ چونکہ بندے کے افعال کو پسند کرنے لگتے ہیں اور اس پر اس کی مدح و ستائش کرتے ہیں اس لئے انسان میں غرور پیدا ہو جاتا ہے دوسرے انسان کو اپنی برائیوں میں بھی حسن نظر آتا ہے اس لئے وہ غرور وخود پرستی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' (۱)

حضرت بابا عرفانیؒ نے دینِ اسلام کے احکامات کو سمجھنے میں اپنی نفسانی خواہشات سے محتاط رہنے کا اشارہ دیتے ہوئے یوں تحریر کیا ہے۔

'' شریعت اسلام نے ہمیں جن باتوں کا مکلّف نہیں فرمایا، ان کو اپنے آپ پر خواہی نخواہی مسلط کر لینا نہ دین ہے، نہ نیکی ہے، پھر اس سے تزکیہ، یعنی مزاجی پاکیزگی کیا پیدا ہوگی، یہ تو منشائے حق کے مقابل اپنی مرضی والی بات ہوئی، یہ تو حق پرستی کے بجائے نفس پرستی ہو جاتی ہے، اور ربِ لاشریک جل شانہ کا یہ آوازہ لایزال کن آفاق میں پرفشاں ہے کہ '' ارائیت من اتخذ الھه ھواہ '' کیا آپ نے لوگوں کو دیکھ رکھا ہے، جنہوں نے اپنی من مانی کو اپنا خدا بنا رکھا ہے۔'' (۲)

اس بات سے ہمیں انداز ہوتا ہے کہ دینِ اسلام کے احکامات کو سمجھنے کے لئے کسی مستند اُستاد کی ضرورت کیوں ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر کوئی شریعت کے احکامات کو اپنی خواہش کے مطابق سمجھے تو غلطی کا امکان بہرحال رہتا ہے۔ یہاں یہ سمجھنا چاہئے کہ علم کی کتنی اہمیت ہے۔ اس ضمن میں حضرت بابا عرفانیؒ یوں رقمطراز ہوتے ہیں۔

'' ہمارے دین نے ہمارے لئے لازم قرار دیا ہے کہ ہم علم حاصل کریں ہر طرح کا علم، حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادِ عالی کے مطابق ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے لئے علم کی طلب فرض ہے، قرآن حکیم جہاں ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ '' واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ '' یعنی یہ علم حاصل کرو، ایک فرد انسان اور اس کے قلب کے درمیان ہی کہیں اللہ جل شانہ ہے، وہیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ '' اعلموا ان اللہ یحی الارض بعد موتھا '' یہ علم حاصل کرو، کہ زمین پر ہر

(۱) ہجویریؒ، سید علی، کشف المحجوب اردو، مترجم، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی، ص ۱۲۶

(۲) (ماہنامہ سیما مئی ۱۹۹۲، تزکیہ نفس، ص ۴۳

طرح ایک موت وارد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے بعد پھر اسے حیات عطا فرماتا رہتا ہے ،مقصد یہ ہے کہ قلبی واردات، ذہنی کیفیات اور مزاجی معاملات کے ساتھ ساتھ اس کائنات کی ہر شئے زمین و آسمان کی جمیع موجودات کا ہمیں علم حاصل کرنا ہے، جہاں ہمیں نماز و عبادات کی اصل کیفیات سے آگاہی حاصل کرنا ہے، وہیں ہمیں اس پورے Universe کے عالم مشاہدات سے بھی واقف ہونا ہے، خواہ وہ سیاروں کا علم ہو، یا زمین کی تہہ میں موجود قدرتی عوامل و اشیاء کا شعور اور دسترس۔'' (۱)

خانقاہی نظام میں ان علمی حوالوں سے زیرِ تربیت متوسلین کو علم کی اہمیت کا احساس دلایا جاتا ہے۔ اور اُن میں علم کے حصول کا شوق پیدا کیا جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ تحمل، برداشت اور عفو در گزر کی تعلیم دی جاتی ہے۔ حضرت بابا عرفانیؒ عفو درگزر کے موضوع پر یوں بیان کرتے ہیں۔

''یہ عفوو درگزر وہ ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، وہ عفو فرمانے والا ہے اور بندوں کو یہی تلقین فرماتا ہے کہ اس کی بارگاہ سے بخشش، معافی اور درگزر طلب کرتے رہیں کیونکہ وہ عطا کرنے والا ہے۔ حضور سید کونین، سرور کون و مکاں ﷺ تو ہیں ہی رحمتہ للعالمین، اور عفوو درگزر رحمت ہی کا پرتو ہے، حضور اکرم ﷺ نے اس درگزر اور اس عفو کی ایسی ایسی مثالیں کائنات کو عطا فرمائی ہیں، کہ کسی بھی حسن کردار میں اس کی کوئی نظیر موجود نہیں۔'' (۲)

دین اسلام میں شائستگی کا درس ہمیشہ اولیاء اللہ کے معمول میں رہا ہے۔ ساتھ ہی شائستگی میں غیر مسلم قوموں کے معمولات، جس سے مسلم تشخص کو زک پہنچنے کا امکان ہو اُس سے گریز کرنا چاہیے۔ حضرت بابا عرفانیؒ اس موضوع پر یہ تعلیمات بتاتے ہیں۔

''میرے نزدیک اسلامی تہذیب کے دو بنیادی اصول ہیں، ان میں سے ایک اصول یہ ہے کہ کوئی شئے اگر کسی بھی غیر مسلم قوم میں اس کے ''لا اسلام'' کا مظہر یا علامت یا Symbol ہے تو اس سے یکسر گریز کرنا ہے، دوسرا اصول وہ ہے جسے ہم سمیٹیں تو ایک لف بنتا ہے اور وہ ہے شائستگی، اور یہ شائستگی ہمیں ہر جگہ سے سمیٹنی ہے'' (۳)

(۱) (ماہنامہ سیما، مارچ ۱۹۹۲ء، نئی نسل اور دینی تعلیم ص ۶۲، ۶۳)

(۲) ماہنامہ سیما ، اگست ۱۹۹۳ ، عفوودرگزر ، ص ۳۶ ، ۳۷

(۳) ماہنامہ سیما ، اکتوبر ۱۹۹۳ ، اسلامی تہذیب ملی تشخص کا تحفظ ، ص ۳۴

سیدنا علی ہجویریؒ حضرت امام حسینؓ کے ایک قول، جس میں بندے کی نجات دین کی پیروی میں ہے، کا بیان فرمایا گیا ہے، ان الفاظ میں تحریر کرتے ہیں۔

''سیدنا امام حسینؓ سے طریقت میں بکثرت کلام لطیف اور اس کے رموز و معاملات منقول ہیں چنانچہ آپ نے فرمایا'' اشفق الاخوان علیک دینک'' تمہارے لئے سب سے زیادہ رفیق و مہربان تمہارا دین ہے اس لئے کہ بندے کی نجات دین کی پیروی میں ہے اور اس کی ہلاکت اس کی مخالفت میں ہے صاحب عقل و خرد وہی شخص ہے جو مہربان کے حکم کی پیروی کرے اور اس کی شفقت کو ملحوظ رکھے اور کسی حالت میں اس کی متابعت سے روگردانی نہ کرے'' (۱)

خانقاہی نظام میں تربیت کے دروس میں اس فرمودادت سے رہنمائی لی جاتی ہے اور متوسلین کو ان پر علم پیرا ہونے کی تلقین کی جاتی ہے۔ متوسلین کی تربیت میں اہم ترین بات جو معاشرے میں عزت و توقیر کا باعث بنتی ہے وہ ہے کہ انسان اپنی معاملات میں کھرا اور سچا رہے۔ قرآن مجید میں ارشادے بارے تعالیٰ ہے۔

" **یا ایها الذین آمنو اتقوالله و قولو قولا سدیدا یصلح لکم اعمالکم و یغفر لکم ذنوبکم** "(۲) یعنی اے لوگو جو صاحب ایمان ہو تم جب بھی بات کرو تو کھری، پکی اور سچی بات کرو، اس کا ثمرہ یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے تمہارے اعمال کو درست اور صحیح کردے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا۔

اس آیہ مبارکہ میں جہاں کھری اور سچی بات کرنے کا حکم دیا گیا ہے اُس میں کئی تعلیمات پوشیدہ ہیں۔ یعنی کھرا اور سچا رہنے والے کو ایک تو منافقت سے دور رہنا ہوگا اور دوسرا ریا یعنی دکھاوے سے دامن بچانا ہوگا۔ خانقاہی نظام میں اولیاء اللہ کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ متوسلین کی ذہنی سطح اور معاشرتی روایات کو سامنے رکھتے ہوئے دینِ اسلام کے احکامات سادہ اور آسان لفظوں سمجھاتے ہیں۔ اس سے زیرِ تربیت افراد کو اُن پر عمل پیرا ہونے میں آسانی رہتی ہے۔

(۱) ہجویریؒ ، سید علی ، کشف المحجوب اردو ، مترجم ، مفتی سید غلام معین الدین نعیمی ، ص ۱۴۳ ، ۱۴۴۔

(۲) سورۃ الاحزاب ، آیت ۷۰ ، ۷۱

فہم دین کا باقاعدہ نصاب
اور
نظام کے تحت اہتمام

- میراث تاریخ، ابتدائی وثانوی مدارس
- بغداد کا علمی مرکز۔
- غیر رسمی تعلیم، نصاب درسِ نظامی
- دورِ حاضر کے تعلیمی مدارس اور جدید تعلیم۔

فہم دین کا باقاعدہ نصاب اور نظام کے تحت اہتمام

پاکستان میں فہم دین کے نصاب پر رائے دینے سے پہلے ہمیں برصغیر ہند و پاکستان میں عربی مدارس کے ذریعے تعلیم کے نظام کو سمجھنا ہوگا اور اس کے لئے برصغیر کی مختصر تاریخ کا جائزہ لینا ہوگا۔۹۲ ھ میں محمد بن قاسم کی آمد کے ساتھ ہی حضرت امام حسن بصریؒ کے بیٹے اور حضرت عبداللہ شاہ غازی سندھ میں آئے۔تو تبلیغ دین کا کام بھی شروع ہوگیا۔ پھر قراسطہ اور محمود غزنوی کی آمد شروع ہوئی۔ پروفیسر بختیار حسین صدیقی کی تحریر سے ہمیں جو معلومات ملتی ہیں وہ یوں ہیں۔

میراثِ تاریخ:۔

> ''ابو حفص بن ربیع محدث بصری (م۔۷۷۶ء) اسی دور میں سندھ آئے۔ وہ تبع تابعین میں سے تھے۔محمد بن قاسم نے ۷۱۱ء میں سندھ پر قبضہ کیا۔۹۸۰ء کے قریب ملتان پر قرامطہ نے قبضہ کرلیا۔محمود غزنوی نے ۴۱۷ھ، ۱۰۲۶ء میں پنجاب کو اپنی سلطنت میں شامل کیا۔
>
> اس نے فقہ پر ایک کتاب لکھی جس کا نام الفرید فی الفروع ہے۔ممتاز عالم اور شاعر عنصری تھا۔محمود کے بیٹے مسعود غزنوی ، شیخ محمد اسماعیل (م۔ ۱۰۵۶ء) پنجاب میں آنے والے سب سے پہلے محدث اور مفسر تھے۔محمود غزنوی نے غزنی میں جو دارالعلوم کھولا جسے مسجد عروس فلک کہتے تھے۔یہ مدرسے ایک پورا نظام تعلیم اپنے ساتھ لائے جو ابتدائی تعلیم ، ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے تین درجوں پر مشتمل تھا۔''(۱)

رسول اکرم ﷺ کی بعثت مبارک اور اس فرمان مبارک سے کہ تعلیم کا حصول ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے، کے ساتھ ہی جہاں مسجد نبویؐ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم اجمعین کے لئے تعلیم و تربیت کی فضا قائم ہوئی وہیں گھروں میں بچوں کے لئے ابتدائی تعلیم کی روایت نے جنم لیا۔اور وہ تب سے جاری ہے۔ پروفیسر بختیار حسین صدیقی کی اس موضوع پر تحریر کا خلاصہ یہاں دیا جاتا ہے۔

> '' بچے کی غیر رسمی تعلیم کا گہوارہ خاندان ہوتا ہے، اس طریقہ آموزش میں بچہ خاندان کے دوسرے لوگوں کا مشاہدہ کر کے ان حرکات و سکنات کی نقل

(۱) صدیقی ، پروفیسر بختیار حسین ، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم ، ص ۱ ، ۲۔

اتارتا ہے۔جیسے ہی وہ بولنے کے قابل ہوتا ہے والدین اسے کلمہ طیبہ پڑھنا سکھاتے ہیں۔سات سال کی عمر کو پہنچا تو سختی سے نماز پڑھنے کی تاکید شروع ہو جاتی ہے۔بچہ مسجد سے ملحق مدرسے میں داخل ہوتا تھا، جہاں قرآن بنیادی درسی کتاب کا کام دیتا تھا۔اصل زور حفظ پر تھا۔ ابتدائی مدارس کا نصاب صرف قرآن پڑھنے اور لکھنے پر مشتمل نہیں تھا، ان میں قواعد، کتابت، حساب اور عربی اشعار کی بھی تعلیم دی جاتی تھی اور نبی اکرم ﷺ کے حالات زندگی بھی پڑھائے جاتے تھے۔البتہ ان کی تعلیم میں عربی ادب اور شاعری پر زیادہ توجہ دی جاتی تھی۔''(۱)

ابتدائی تعلیم گھروں میں یا قریب ترین مساجد میں مکمل کرنے کے بعد اگلے درجہ کی تعلیم کا نظام زیادہ کتب اور دنیا کی دیگر تہذیبوں کے علمی مراکز میں رائج مختلف زبانوں میں تعلیمی کتب کے تراجم عربی زبان میں کر کے بچوں کو پڑھانے کا سلسلہ شروع ہوا۔اسلام کے عرب سے باہر پھیلنے کے بعد اسلامی تعلیم کے لئے بغداد کو ہمیشہ مرکزی حیثیت حاصل رہی ۔اور پہلا اسلامی تعلیمی مدرسہ بھی جامعہ نظامیہ کے نام سے بغداد میں ہی شروع ہوا ۔پروفیسر بختیار حسین صدیقی کے مضمون سے ماخوذ معلومات اس موضوع پر سپردقلم ہیں۔

''ابتدائی مدارس کی طرح ثانوی مدارس بھی مسجدوں میں قائم ہوئے۔ان مدارس کا نصاب قرآن اور حدیث کے مطالعے پر مشتمل تھا۔عربی زبان، ادب اور قواعد کی تعلیم دی جاتی تھی اور تفسیر اور فقہ پڑھائے جاتے تھے۔اُن یونانی علوم کی جن تعلیم کے ترجمے بیت الحکمت میں ہوئے جس کی بنیاد خلیفہ المامون نے ۸۳۰ء میں رکھی تھی۔سلجوقی ترکوں کے وزیر نظام الملک نے پہلا سرکاری ثانوی مدرسہ ۱۰۶۶ء میں بغداد میں قائم کیا جو اس کے نام پر نظامیہ بغداد کہلایا۔فلپ حتی کے الفاظ میں یہ پہلی ''حقیقی اکیڈمی'' تھی جو دنیائے اسلام میں قائم ہوئی کیونکہ اس میں پہلی مرتبہ طلباء کی جسمانی، ذہنی، اور

(۱) صدیقی، پروفیسر بختیار حسین، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ص ۲، ۳۔

روحانی ضروریات کو پورا کرنے کا اہتمام کیا گیا۔ جو بعد کے مدارس کے لئے ایک نمونہ بن گئی۔ نصاب قرآن، حدیث، فقہ، تفسیر، اور عربی شاعری، ادب اور قواعد پر مشتمل تھا۔ بارھویں صدی تک عراق کے مدارس اسلامی دنیا میں تعلیم کا مرکز بنے رہے۔ نصاب اور تنظیمی امور میں انہوں نے مصر، اسپین اور بعد میں برصغیر کے مدارس پر اثر ڈالا۔''(۱)

جیسا کہ پہلے عرض کیا کہ بغداد علمی مرکز بنا۔ اور پھر وہاں سے دنیائے اسلام کے دیگر ملکوں اور غیر مسلم ممالک میں مسلمانوں کے تعلیمی مراکز نے اس مرکز سے راہنمائی لی اور مختلف علوم پر مشتمل درسی کتب اپنے سلیبس میں شامل کیں۔ پروفیسر بختیار حسین صدیقی نے اس کی یوں وضاحت کی ہے۔

''عثمانی ترکوں کے زمانے تک نظام الملک نے ثانوی تعلیم کو مسجد سے الگ کیا اور علیحدہ عمارتوں میں ثانوی مدارس قائم کرنے کی ابتداء کی۔ خطابت، منطق، فلسفہ، ہندسہ، اور ہیئت کے یونانی علوم ثانوی مدارس کے نصاب میں داخل ہوئے۔ جو صرف، نحو، علم لسانیات، علم بیان، علم معانی پر مشتمل تھا، تفسیر، اصولِ تفسیر، اصولِ حدیث، فقہ، اصولِ فقہ، علم عقائد و کلام، اور علم الفرائض۔ اعلیٰ مدارس میں پڑھائے جاتے تھے۔ اسپین میں تعلیم ایک نجی معاملہ تھی، نصابِ تعلیم وہی تھا، البتہ قرطبہ اور غرناطہ میں نباتیات، حیوانیات، فلکیات، ہندسہ، طب، کیمیا، فلسفہ، اور منطق کی اعلیٰ تعلیم دی جاتی تھی۔ یہی علمی سرمایہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں کو تاریخ سے ورثے میں ملا اور رفتہ رفتہ غزنی، غور اور خراسان کے راستے لاہور، دہلی، آگرہ، اجمیر، اور ہندستان کے دوسرے شہروں میں پہنچا۔''(۲)

(۱) صدیقی، پروفیسر بختیار حسین، برصغیر پاک و ہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم، ص ۳، ۴۔
(۲) ایضاً ایضاً، ص ۴۔

غیر رسمی ابتدائی تعلیم:۔

رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد مبارک پر مبنی ہے کہ'' بچہ دین فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے یہودی، عیسائی اور مجوسی بناتے ہیں۔'' اس حدیث پاک کی روشنی میں مسلم گھرانوں میں بچے کی پیدائش پر کان میں اذان دی جاتی تھی اور کلمہ طیبہ **لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ** پڑھنا سکھایا جاتا تھا۔ سات سال کی عمر میں بچہ خود ہی والدین کے ساتھ پانچوں وقت کی نمازیں پابندی سے پڑھنے لگتا تھا۔ رسمی تعلیم میں چار سال، چار ماہ اور چار دن کی عمر میں والدین بچے کی رسم بسم اللہ ادا کرتے تھے۔اور یہ طریقہ اس وقت سے اب تک رائج ہے۔بچوں کے ساتھ ساتھ بچیوں کی تعلیم میں گھروں میں والدین یا اساتذہ کو بلا کر قرآن مجید ناظرہ اور نماز روزہ اور بنیادی دینی مسائل کی تعلیم دی جاتی تھی۔اور ان کو گھروں میں ہی میلاد شریف ،سلائی کڑھائی اور کھانا پکانا اور گھر سنبھالنے کی تربیت دی جاتی تھی۔بعض جگہوں پر محلوں میں گھروں کے قریب مسجد میں بھی بچے اور بچیاں قرآن مجید ناظرہ پڑھنے جاتے تھے۔مسجد مکتب کا تصور اسی وقت سے شروع ہوا۔

پروفیسر بختیار حسین صدیقی نے دینی مدارس میں رائج تعلیم کو چار ادوار میں تقسیم کیا۔میں یہاں پہلے اور چوتھے دور کے سلیبس کا ذکر کروں گا۔پہلے دور کا طریقہ مختلف ممالک سے ہوتا ہوا برصغیر پاک و ہند میں پہنچا۔جو بارھویں صدی ہجری سے پندرھویں صدی ہجری تک تقریباً دوسو سال سے زائد عرصہ تک رائج رہا۔پروفیسر صدیقی اس بارے میں یوں تحریر کرتے ہیں

''دور اول کا نصاب''

> '' غزنی ،غورا ور خراسان کا علم ہندوستان پہنچ گیا۔ابتدائی تعلیم ،ثانوی تعلیم اور اعلیٰ تعلیم کے لئے مدارس قائم ہوئے اور مقامی ضروریات کے مطابق ان کے لئے نصاب وضع کیا گیا۔درجہ فضل کا جو پہلا نصاب بنایا گیا اور جو بارھویں صدی عیسوی اور پندرھویں صدی عیسوی کے درمیان تقریباً دو سو سال تک رائج رہا،اس کی تفصیل یہ ہے۔
>
> 1۔**علم نحو:۔** مصباح ،کافیہ ،لب الالباب اور ارشاد (بعد میں اضافہ ہوا)
>
> 2۔**فقہ:۔** ہدایہ 3۔**اصول فقہ:۔** منارالانوار اور اس کی شرح اور اصول بزدوی۔

4۔تفسیر:۔ مدارک ،بیضاوی اور کشاف ۔5۔تصوف :۔عوارف المعارف, فصوص الحکم, نقد النصوص اور لمعات ۔(آخری دو کتابیں بعد میں ان مدارس میں رائج ہوئیں جن کے ساتھ خانقاہیں ملحق تھیں)

6۔حدیث :۔مشارق الانوار ، مصابیح السنہ (مشکوٰۃ المصابیح کا متن)

7۔ادب:۔مقامات حریری ۔(یہ کتاب زبانی یاد کی جاتی ہے ۔حضرت نظام الدین اولیاء کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شمس الملک استاذ شمس الدین خوارزمی سے مقامات حریری پڑھی تھی اور چالیس مقالے آپ کو زبانی یاد تھے ۔

8۔منطق:۔شرح شمسیہ یا قطبی ۔9۔کلام:۔شرح صحائف , تمہید ابوشکور سالمی (یہ کتاب بعض بعض مقامات پر پڑھائی جاتی تھی)''

پروفیسر صدیقی نے پہلے دور کے اس سلیبس پر تبصرہ بھی خود ہی کیا ہے، لکھتے ہیں۔

'' یہ نصاب نو علوم پر مشتمل تھا جس میں کل بیس کتابیں شامل تھیں ۔معیار فضیلت ،فقہ ،اصول فقہ ،اور تصوف (صحبت اور بیعت کے ذریعے کردار میں استواری اور عقائد میں پختگی پیدا کرنا) کے علوم تھے ۔ہندوستان میں اسلامی حکومت کی بساط جن خانوادوں نے بچھائی تھی وہ غزنی اور غور سے آئے تھے ۔ جہاں فقہ اور اصول فقہ کا پایہ بلند تھا (خود محمود غزنوی نے فقہ پر ایک کتاب الفریدنی الفردع لکھی جس کی صاحب کشف الظنون حاجی خلیفہ نے بہت تعریف کی ہے) جہاں طلبہ کو لذّت کردار سے آشنا کرنے کے لئے تصوف کی تعلیم کو ضروری سمجھا جاتا تھا جس کا ذوق غزالی (م۔۱۱۱۱ء) نے لوگوں میں پیدا کیا۔''(۱)

پہلے دور کے اس سلیبس پر تبصرہ کرنا مناسب نہیں کیونکہ یہ اولین دور تھا جس میں دین اسلام کے پھیلنے کے ساتھ ہی اس وقت کے حالات کے مطابق میسر علمی مواد پر تعلیمی درس گاہوں کا قیام وقت کی ضرورت تھی ۔ وقت کا دھارا بہتا رہا پھر دوسرے اور تیسرے ادوار میں درج بالا سلیبس میں تبدیلیاں آئیں تا آنکہ چوتھے دور میں اس سلیبس کی جو شکل بنی ،پروفیسر صدیقی نے اُس کو یوں سپرد قلم کیا ہے ۔

(۱) صدیقی ، پروفیسر بختیار حسین ، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم ، ص ۱۱ ، ۱۲۔

''دورِ چہارم کا نصاب''

'' عقلیت کی جو لہر سکندر لودھی کے عہد (۱۴۸۹۔۱۵۱۷) میں اٹھی تھی اور اکبری عہد (۱۵۵۶۔۱۶۰۵) میں جس نے ایک طوفان کی شکل اختیار کر لی تھی ۔ وہ عالمگیر کے عہد (۱۶۵۸۔۱۷۰۷) میں '' درس نظامیہ '' کی شکل میں اپنے منطقی انجام کو پہنچ گئی۔ یہ درس مندرجہ ذیل علوم اور کتب پر مشتمل تھا:

1 ۔**صرف** :۔میزان ،منشعب ،صرف میر ،پنج گنج ،زبدہ ،فصول اکبری اور شافیہ ۔

2۔**نحو**:۔نحو میر،شرح ماۃ عامل،ہدایۃ النحو ،کافیہ،شرح جامی۔

3۔**منطق**:۔صغریٰ،کبریٰ،ایساغوجی،تہذیب ،شرح تہذیب،قطبی ،میر قطبی،سلم العلوم۔

4۔**حکمت**:۔میبذی،صدر،شمس بازغہ

5 ۔**ریاضی** :۔ خلاصۃ الحساب تحریر اقلیدس (مقالہ اولیٰ ، تشریح الافلاک ، رسالہ قوشجیہ،شرح چغمینی (باب اول)۔

6۔**بلاغت**:۔مختصر المعانی،مطول (تا ماانا قلت)۔7۔**فقہ**:۔شرح وقایہ(اولیں)، ہدایہ(آخریں)

8 ۔**اصول فقہ** :۔ نورالانوار ، توضیح ، تلویح ،مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)۔

9۔**کلام** :۔شرح عقائد نسفی ،شرح عقائد جلالی ، میرزاہد ،شرح مواقف۔

10۔**تفسیر**:۔جلالین ،بیضادی 11.۔**حدیث**:۔مشکوٰۃ المصابیح۔''(۱)

پروفیسر بختیار حسین صدیقی نے اس سلیبس پر بھی خود ہی تبصرہ کیا ہے۔وہ لکھتے ہیں۔

''گیارہ علوم اور تینتالیس کتب پر مشتمل اس نصاب میں معقولات کی کتابوں کی تعداد بیس تھی۔منطق میں آٹھ ،حکمت میں تین ، کلام میں چار اور ریاضی میں پانچ ۔نصاب کا تقریباً نصف حصہ معقولات پر مشتمل تھا اور اس کی حیثیت لازمی تھی ،اختیاری نہیں ۔اس کے بعد لسانیات کا درجہ تھا جس میں چودہ کتابیں شامل تھیں۔صرف میں سات،نحو میں پانچ اور بلاغت میں دو۔''(۲)

(۱) صدیقی ، پروفیسر بختیار حسین ، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظامِ تعلیم ، ص ۲۰ ، ۲۱۔
(۲) ایضاً ایضاً ، ص ۲۱۔

پروفیسر صدیقی تبصرہ کو جاری رکھتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں۔

"معقولات کا زبردست حامی ہونے کے باوجود میر فتح اللہ شیرازی نے ،شاید ایرانی مذاق کے مطابق ،تصوف کی تعلیم بدستور قائم رکھی ۔لیکن پانچ واسطوں سے ان کے ہندی شاگرد ملا نظام الدین نے عقلیت کے جوش میں اسے درس نظامیہ سے خارج کر دیا جو برصغیر پاک وہند کی اس عظیم روایت کے بالکل منافی تھا جس کا سلسلہ حضرت علی ہجویریؒ عرف داتا گنج بخشؒ ،خواجہ معین الدین چشتیؒ ،اور حضرت نظام الدین اولیاءؒ جیسے صوفیائے کرام نے شروع کیا تھا"(۱)

اب ہم آتے ہیں دور حاضر میں تعلیمی مدارس اور جدید تعلیم کے اداروں کی صورت حال کی طرف لیکن اس سے پہلے ہمیں علم کی بنیاد اور اس کے حصول کے بارے میں قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کے احکامات کو دیکھنا ہوگا تاکہ ہم اس کا بنیاد سے ہی جائزہ لیں ۔اس موضوع پر میرے والد گرامی حضرت بابا عرفانیؒ نے یوں تحریر کیا ہے۔

"ہمارے دین نے ہمارے لئے لازم قرار دیا ہے کہ ہم علم حاصل کریں ہر طرح کا علم ،حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادِ عالی کے مطابق ہر مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے لئے علم کی طلب فرض ہے ،قرآن حکیم جہاں ہمیں یہ حکم دیتا ہے کہ "واعلموا ان اللہ یحول بین المرء و قلبہ" (الانفال،۲۴) یعنی یہ علم حاصل کرو ،ایک فرد انسان اور اس کے قلب کے درمیان ہی کہیں اللہ جل شانہ ہے،وہیں یہ حکم بھی دیا ہے کہ "اعلمو اان اللہ یحی الارض بعد موتھا" (الحدید،۱۷) یہ علم حاصل کرو، کہ زمین پر ہر طرح ایک موت وارد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے بعد پھر اسے حیات عطا فرماتا رہتا ہے،مقصد یہ ہے کہ قلبی واردات ،ذہنی کیفیات اور مزاجی معاملات کے ساتھ ساتھ اس کائنات کی ہر شئے زمین و آسمان کی جمیع موجودات کا ہمیں علم حاصل کرنا ہے۔

(۱) صدیقی ، پروفیسر بختیار حسین ، برصغیر پاک وہند کے قدیم عربی مدارس کا نظام تعلیم ، ص ۲۱)

جہاں ہمیں نماز و عبادات کی اصل کیفیات سے آگاہی حاصل کرنا ہے، وہیں ہمیں اس پورے Universe کے عالم مشاہدات سے بھی واقف ہونا ہے، خواہ وہ سیاروں کا علم ہو، یا زمین کی تہہ میں موجود قدرتی عوامل و اشیاء کا شعور اور دسترس۔" (۱)

میرے نزدیک علم، علم ہوتا ہے۔اس کی دو حصوں میں تقسیم یعنی دینی اور دنیاوی کے طور پر خیال کرنا مناسب نہیں۔ اس کائنات میں موجود ہر شے کو جاننے کے علم کو علم ہی کہیں گے۔اس میں دینی و دنیاوی کی کوئی تفریق نہیں ہوتی۔کیا غیر مسلموں کی زبانوں اور تہذیبوں کے بارے میں علم حاصل نہیں کرنا چاہیے؟ حالانکہ آج تک یورپ یا دیگر ممالک میں ہمارے مسلم سکالرز، سائنسدان، ریاضی دانوں کی کتب ہی پڑھائی جا رہی ہیں اور ان ممالک نے ہمارے عربی، فارسی زبان کے علمی سرمائے کو اپنی زبانوں میں منتقل کر لیا ہے۔اور ہمارے ہاں کا مذہبی طبقہ، آباؤ اجداد کے دیگر زبانوں میں منتقل علمی سرمائے سے تعصب برتتا ہے۔اور یوں علم کے حصول کے لئے قرآن وسنت کے احکامات پس پشت ڈال رہا ہے۔میرے والد گرامی حضرت بابا عرفانیؒ اس موضوع پر یوں رقمطراز ہیں۔

"ایک اور بات بھی واضح رہنی چاہیے کہ سائنسی، فنی اور انسانی علوم ہمارے ماضی میں ہمیشہ ایسے ضروری سمجھے جاتے رہے کہ خود یورپ نے بھی یہ علوم مسلمانوں ہی سے اخذ کیے، تاہم انہیں صدیوں کے طویل دور میں کبھی دینی یا غیر دینی نہیں سمجھا گیا، بلکہ انہیں علوم منقول اور علوم معقول، دو ناموں سے یاد کیا جاتا رہا، اور یہ دونوں علوم ایک ساتھ مقبول بھی رہے اور رائج بھی۔علوم منقول میں یہ مضامین شامل سمجھے جاتے رہے، علم تفسیر، علم حدیث، علم فقہ، اصول فقہ، اصول تفسیر، اصول حدیث، اصول فقہ، عقائد، اسماء الرجال، مناظرہ بدیع بیان معانی، اور دوسرے وہ مضامین جو ان کی مکمل تحصیل کے لئے مفید ہوں، علوم معقول میں ریاضی، فلسفہ، کلام، منطق، ہیئت، فلکیات، اقلیدس، طب وغیرہ کو شامل رکھا گیا، یہ علوم معقول وہی ہیں جو اب Update ترقی یافتہ شکل میں ہمارے ہاں موجود ہیں، انہی کو سائنسی علوم کہا جاتا ہے اور شاید علم معقول اور Scientific Knowledge ایک دوسرے کا ترجمہ ہی ہیں۔" (۲)

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، مارچ، ۱۹۹۲، ص ۶۲، ۶۳

(۲) ایضاً، ص ۶۴

دور حاضر درس میں نظامی کا سلیبس کم ہوتے ہوتے تیرہ سال کے عرصے کی بجائے اب شاید چھ یا سات کا رہ گیا ہے۔اور اپنی اصلی حالت میں بھی موجود نہیں رہا۔اس کا آغاز ،تدریس ،اسباق اور طریق کار سب کچھ بدل گیا ہے۔اساتذہ کا جو علم ،تقویٰ ،اور تدریس کا معیار اور شوق تھا وہ بھی وقت کے ساتھ ساتھ دیگر شعبوں کی طرح تنزلی کا شکار ہو چکا ہے حضرت بابا عرفانیؒ نے اس بارے میں یوں تحریر کیا ہے۔

''اصلاً درس نظامی صرف ونحو اور فارسی تعلیم سے آغاز ہوتا تھا ،فارسی میں نظم ونثر پر مکمل دسترس کے بعد عربی تک پہنچا جاتا تھا ،اور نحو کی تکمیل کے بعد تفسیر ،ادب ،فقہ ،حدیث ، منطق ،فلسفہ ،عقائد وغیرہ کی ابتدائی کتابیں ،پھر ان سے بڑی پھر اُن سے بڑی کتابیں ،اور آخر میں حدیث کی منتہی کتابوں کا دررہ ہوتا تھا ، اب تو ان میں شاید سو میں کوئی ایک طالب علم ہو گا ،جو قاضی مبارک ،شرح چغمینی ،اصول ہندسہ ،تخریج ،بیضاوی مکمل مع کشاف ،متنبّی ،حریری مکمل ، مسطول مکمل ،شرح صدور وغیرہ کو جانتا یا پڑھتا ہو خوشنویسی اور طب تو ایک زمانے سے ویسے ہی ترک کیے جا چکے ہیں۔''(۱)

دور حاضر میں دیگر ممالک میں علم ترقی کر رہا ہے۔اور علم کی دوڑ میں ایک دوسرے پر سبقت لیجانے میں ہر کوئی اپنے تئیں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کر رہا۔مگر ہمارے ہاں ابھی تک پرانی ڈگر ہی ہے۔نہ تو ہمارے دینی مدرسوں میں کتب موجودہ دور کے علم کے معیار کی ہیں۔نہ ہی ہم نے اس ضمن میں کوشش ہی کی ہے۔حضرت بابا عرفانیؒ اس سلسلہ میں بات آگے بڑھاتے ہوئے تحریر کرتے ہیں۔

''دوسری اہم بات درس نظامی میں یہ ہے کہ معقولیات کی جو کتابیں ہیں بھی وہ اگرچہ عربی میں ہیں تاہم وہ دراصل یونانی یا غیر مسلم مصنفوں کی لکھی ہوئی تھیں جنہیں مسلمانوں کی علمی ترقیات کے دور میں عربی میں ترجمہ کیا گیا تھا ، اور یہ کوئی آٹھ نو صدی پہلے کی لکھی ہوئی ہیں ۔اب سے نو دس صدی پہلے تو یہ کتابیں کام ہی کی چیزیں تھیں ،لیکن اب تک علوم کہاں سے کہاں نکل گئے ہیں ، اب تو انسان چاند پر اپنی زمین کے جھنڈے گاڑ آیا ہے ،لیکن ہمارے حضرات صدیوں پیچھے کے اوراق کو صرف اس لئے چمٹائے بیٹھے ہیں کہ وہ عربی زبان

(۱) عرفانی ، سید محمد وجیہ السیما ، ماہنامہ سیما ، مارچ ، ۱۹۹۲ ، ص ۲۶۔

میں ہیں اور انسانی علمی ترقی سے صرف اس لئے نفرت کرتے ہیں کہ اس کا زیادہ تر تحریری سرمایہ غیر عربی زبان میں ہے، میں بڑے صدق دل سے معافی چاہتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ ہمارے اس دینی طبقے کی کثیر تعداد اب بھی یہ یقین رکھتی ہے کہ زمین ایک پلیٹ یعنی تھالی کی طرح چپٹی ہے اور سورج بس طلوع اور غروب ہوتا رہتا ہے، یہ طبقہ زمین کو گول کہنے والے کو خارج از اسلام قرار دینے سے بھی گریز نہیں کرتا، حالانکہ Space and universe یعنی خلا اور فضائے بسیط کی کائنات کے جدید ترین علوم پر دسترس ہونے ہی سے کلام حق کی صداقت لازوال سامنے آتی ہے، کہ ''وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ ''(۱)

ترجمہ :اور سورج اپنے خاص اور طے شدہ راستے پر ہمیشہ چلتا ہی رہتا ہے یہ سارا کام ٹھیک اندازے کے ساتھ اس نے رکھا ہوا ہے جو غالب ہے سب کچھ جانتا ہے ''

اور یہ بھی کہ ''اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَ جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ'' (۲)

ترجمہ :''کہ آسمان اور زمین ایک ہی جڑی ہوئی شے تھے تو ہم نے انہیں الگ الگ کر دیا اور ہم نے ہر جاندار شے کو پانی سے بنایا ہے''

گزرا ہوا وقت واپس نہں آتا ۔پاکستان بنے چھیاسٹھ سال بیت گئے ۔آدھا پاکستان گنوا بیٹھے اور باقی آدھے پاکستان کی صورت حال سب کے سامنے ہے ۔مجھے غرناطہ کی صورت حال یاد آرہی ہے ۔جب روٹی خمیری اور ناخمیری کی بحث میں علماء الجھتے رہے اور دشمن نے قتل عام کر دیا ۔دور حاضر کی صورت حال اس سے مختلف نہیں ۔بہر حال واپس موجود موضوع پر آتے ہیں ۔محکمہ تعلیم کے تحت کام کرنے والے موجودہ تعلیمی اداروں میں اسلامیات آرٹس میں تو کسی حد تک ہے مگر انجنیئر نگ ،میڈیکل اور دیگر فنی تعلیم کے شعبوں میں نہ ہونے کے برابر ہے ۔اب نئی نسل کو بچانا ہے اوراس مسئلے کے حل کی طرف آتے ہوئے ہمیں کیا کرنا چاہیے ۔یہ حضرت بابا عرفانیؒ کی زبانی سنتے ہیں ۔لکھتے ہیں ۔

(۱) سورۃ یٰسین ، آیت ۳۸۔

(۲) سورۃ الانبیاء ، آیت ۳۰۔

''اس کے لئے دو باتیں ضروری ہیں، یہ کہ تعلیم کے قدیم اور جدید دونوں نظاموں کو ملا کر ایک نظام بنایا جائے، جس میں پہلے کی دینداری ہو مگر پس ماندگی نہ ہو اور دوسرے کی ہوش مندی ہو مگر قلب ایمان اور کیف حق سے کم مائیگی نہ ہو، قرآن، حدیث اور اجماع سے متعلق علوم پر دسترس ہمارے اسلامی تشخص کے لئے جب ہے ہی ضروری تو اس باب میں درس نظامی کے اسلوب کو کیوں نہ اپنایا جائے، جس میں تجوید، حفظ قرآن، صرف ونحو، ادب، بیان و معانی، تنقید اور اصول کے علوم کی فراوانی ہے، انہی سے قرآن و حدیث پورے سمجھ میں آسکتے ہیں۔ مغربی زبانوں اور علوم پر دسترس کا جدید ترین اسلوب اور سائنسی اور ٹیکنیکل علوم کی تدریس کا بہتر نظام، جو کالجوں اور یونیورسٹیوں میں ہے، اس کیساتھ ساتھ رکھا جائے، اس طرح ہم آنے والی بہتر قوم تیار کرسکیں گے، تعلیم ہی انسان کو صحیح انسان بناتی ہے، ہمیں تو صحیح اور سچا مسلمان بننا ہے، یعنی ایسا کہ بقول اقبال :

؎ غیرت اُو بر شاید ہمسرے   مومنے بالائے ہر بالا ترے''(۱)

(۱) عرفانی، سید محمد وجیہ السیما، ماہنامہ سیما، مارچ، ۱۹۹۲، ص ۶۹، ۷۰۔

فصل دوم

- معاشرتی اور معاشی بہبود

- مسلکی اور فروعی اختلافات کا خاتمہ

- مذہبی ہم آہنگی کی ترویج

معاشرتی بہبود

روز ازل سے ہی انسان کو درددل کے واسطے پیدا کیا گیا ہے۔فرشتوں کے تخلیق آدمؑ پر اعتراض کرنے کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔فرشتہ صرف تسبیح وعبادات کا Symbol ہے۔اُس اللہ تعالیٰ کو اگر صرف عبادات ہی مقصود ہوتیں اگر صرف سجدے مقصود ہوتے، اگر صرف تسبیحات مقصود ہوتیں تو فرشتہ پہلے سے کر رہا تھا اور فرشتہ وہ تخلیق اُس مالک کائنات کی ہے جو ہمہ تن پاکیزگی ہے جس کی زبان ہمہ وقت اُس کبریا کی تسبیح وتقدیس میں مصروف ہے۔آدم کا جنت سے نکل کر اس زمین پر آنا جو ہے تو اُس کے ساتھ ہر شے موجود ہے اُسے کھانے کی ضرورت بھی ہے، اُسے سونے کی ضرورت بھی ہے، اُسے لباس کی ضرورت بھی ہے، اُسے گھر کی ضرورت بھی ہے، اُسے خاندان کی ضرورت بھی ہے، اُسے اعزہ اقرباء کی ضرورت بھی ہے، اُسے ایک معاشرے کی ضرورت بھی ہے، اُس کے بدن میں کمزوریاں بھی آتی ہیں، طاقتیں بھی آتی ہیں، سارا کچھ ہے اور وہ ہر لمحے میں کسی نہ کسی مدد کا طلب گار ہوتا ہے، خواہش مند ہوتا ہے ضرورت مند ہوتا ہے کہ یہ آدم میں اُس اللہ تعالیٰ نے جو شے رکھی تھی اور انبیاء کرامؑ کا جتنا بھی سلسلہ آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریمﷺ کی ذاتِ عالی تک آیا اُس میں دیکھا جائے سب کا جو سب سے بڑا کام سب سے بڑا مقصد رہا کہ اس نسل انسانی کو، اولادِ آدم کو، بنی آدم کو اُس اللہ کے راستے پر چلتے رہنے کی تلقین دینا تھا تعلیم دینا تھا انسان میں بھول کا عنصر ہمیشہ سے رہا، نسیان اس کی سرشت میں ہے، اس کی فطرت میں ہے، کسی چیز کی اہمیت کو محسوس نہ کرنا اس کے مزاج میں ہے۔اور اس کے باوجود بھی اس کائنات میں انسان ہی انسان کی ہمدردی کرتا ہے انسان ہی انسان کے کام آتا ہے انبیاء کرام بھی اس کائنات میں اسی لئے تشریف لائے۔

کفار نے جب یہ کہا کہ ہمارے پاس اللہ کے ہاں سے فرشتے کیوں نہیں نازل ہوئے تو اُس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ اگر فرشتے بھی نازل کیے جاتے تو وہ بھی ملبوسِ انسانی میں ہی آتے وہ فرشتے کے روپ میں نہ آتے یا وہ کسی اور جنس کے روپ میں نہ آتے وہ انسان کے روپ میں ہی آتے۔اس میں انسان کے لیے یعنی اولادِ آدم کے لیے ایک سبق بھی ہے، اس کے لیے تعلیم بھی ہے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات میں ہر شخص پر، ہر باایمان پر ہر مسلمان پر اور ہر کلمہ گو پر دو قسم کے حقوق لازم ہیں۔۔ایک حقوق اللہ ہے دوسرا حقوق العباد۔حقوق اللہ اپنے اُس مالک، اپنے اُس خالق، اپنے کبریا، اپنے معبود کی بارگاہ میں اپنی تمام تر کوتاہیوں کے

ساتھ حاضر ہوتے رہنا اپنی تمام تر کمیوں کجیوں کے ساتھ اُس کی بارگاہ میں سجدے کرتے رہنا، اپنے تمام تر عجز و انکساری کے ساتھ اُس کی بارگاہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کی صدائیں دیتے رہنا، یہ انسان پر فرض ہے، یہ انسان کے لیے، ہر باایمان کے لیے یہ لازمؔ ہے، ایمان کی شرائط میں یہ بات شامل ہے اور اُس کے ساتھ یہ بھی بات ہے کہ یہ اللہ کے حقوق میں اگر انسان کسی جگہ کوتاہی کرتا ہے، کمی کرتا ہے تو وہ مالک و مختار ہے چاہے تو معاف کردے چاہے نہ کرے، بندے پر التجا کرنا لازمؔ ہے اور دوسری بات اس میں یہ آتی ہے اس کی قبولیت کا کلی

اختیار اُس مالکِ کائناتکا ہے، اُس رب العالمین کا ہے، اُس خالق کائنات کا ہے کہ وہ ان اعمال کو قبول کرتا ہے یا نہیں، وہ اُس کی جزا دیتا ہے یا نہیں، وہ اُس کی کمیوں کجیوں کو معاف کرتا ہے یا نہیں، یہ کلی اُس کا اختیار ہے ۔حقوق اللہ یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے بارے میں گزشتہ صفحات میں تفصیل سے عرض کردیا گیا ہے کہ خانقاہی نظام میں اس کی تلقین اور تربیت ہر دور میں اولیاء اللہ اور اہل حق کرتے رہے ہیں ۔اور اب ہم بھی کررہے ہیں ۔اب ہم معاملہ لیں گے حقوق العباد کا۔

دوسری بات آتی ہے حقوق العباد کی ۔کہ حقوق العباد میں اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی حق تلفی کی، کسی دوسرے کے حق کو غصب کیا، کسی دوسرے کا حق ادا نہیں کیا، اُس کا حق ادا کرنے میں کمی کی، کوتاہی کی تو وہ جوکُل کائنات کا مالک و مختار ہے، وہ جو تمام جہانوں کا رب ہے، وہ کائنات کی تمام تر تخلیقات کا معبود ہے اور جس کی بارگاہ میں صرف انسان ہی نہیں پتھر بھی، درخت بھی، درختوں کے پتے بھی، ہوائیں بھی، زمین کی گھاس بھی، پانی کی لہریں بھی، ہر شے اُس کی بارگاہ میں تسبیح و تقدیس کرتی ہے، اُس کے نغمے الاپتی ہے، وہ بھی کسی فرد کے ساتھ ہوئی زیادتی کو معاف نہیں کرے گا کیونکہ وہ جب تک مظلوم جس کی حق تلفی کی گئی، وہ جس کا حق صحیح طریقے سے ادا نہیں کیا گیا، وہ معاف نہیں کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی معاف نہیں کرے گا۔ خانقاہی نظام میں متوسلین کو حقوق العباد کی ادائیگی کی سختی سے تربیت دی جاتی ہے۔

حضرت بابا عرفانیؒ نے لفظ ہمسایہ کی وضاحت کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا ہے :

> ''قرآن حکیم میں اللہ جل شانہ، نے ''وات ذالقربی حقه'' (بنی اسرائیل ۲۶،) والی آیہ کریمہ میں حقوق کی وضاحت فرمائی ہے، اس میں 'الجار ذی القربی'' فرمایا ۔'جار' کا ترجمہ ہے پڑوسی ہمسایہ، یہ لفظ جوار سے مشتق ہے، اور جوار کا معنی ہے عملی اور رہائشی طور پر کسی کا قریب تر ہونا، ایک فضا میں، ایک حوالی میں، ایک علاقے

میں ایک دوسرے کے قریب ہونا، ساتھ ہونا، نزدیک بودوباش رکھنا'' (۱)

ہمسائے کے حقوق پر دین اسلام کی تعلیمات کے بارے میں ذکر کرتے ہوئے حضرت بابا عرفانیؒ یوں رقمطراز ہیں:

''فرمایا حضور ﷺ نے، اس شخص کا ایمان واسلام کیا ہے، کہ ''من لایتبع جارہ، کما قال ﷺ'' یعنی جو شخص خود یا اس کے گھر کے لوگ تو خوب پیٹ بھر کے کھائیں، لیکن اس کے ہمسائے کے لوگ بھوکے پیٹ رہیں، وہ مسلمان ہی نہیں ہوگا، اس طرح حضور ﷺ نے حق ہمسائیگی میں دونوں باتیں واضح فرمائیں، یہ بھی کہ پڑوسی کو کسی بھی ہمسائے سے زبانی، عملی یا معاملاتی سطح پر کوئی بھی تکلیف ہرگز نہ ہونے پائے'' (۲)

خانقاہی نظام میں حقوق العباد کی ادائیگی کے لئے اور معاشرہ میں زندگی گزارنے کے لئے جو تربیت متوسلین کو دی جاتی ہے اس میں یہ تلقین کیجاتی ہے کہ کسی تکلیف وغیرہ میں کسی ہسپتال یا کسی مستند ماہر ڈاکٹر سے علاج کروانا چاہیے اور اس کے لئے کسی سے تعویز یا دم پھونک نہیں کروانا چاہیے، مساجد میں جھگڑے ہوتے ہیں ان سے دور رہنا چاہیے اور مسجد کے احترام کا تقاضا یہ ہے کہ وہاں کوئی اونچی بات بھی نہ کی جائے، بچے بچیوں کی تعلیم پر پوری توجہ دینی چاہیے۔ خانقاہی نظام میں طریقت کی تعلیمات میں یہ تربیت دی جاتی ہے کہ مقدمہ بازی کو طریقت پسند نہیں کرتی۔ معاشرہ میں رہتے ہوئے مذہبی لوگوں سے بہت محتاط رہیے، ایسے لوگوں کو اپنے گھروں میں مت آنے دیں اور اپنی خواتین کو کسی پیر فقیر کے ہاں بالکل نہ جانے دیں۔ غیر محرموں سے میل جول میں شریعت کے احکامات کی پابندی کریں، مبارک مہینوں میں غریبوں مسکینوں کو اپنی بساط کے مطابق ضرور دیا کریں۔ طریقت میں ایک انتہائی اہم بات جو زیر تربیت افراد کو سمجھائی جاتی ہے کہ قرضوں کے لین دین سے بچیں۔

معاشی بہبود:

دین اسلام نے آج سے 1400 سال پہلے جہاں معاشرتی بہبود کو حقوق العباد کے احکامات کے باب میں تفصیلی احکامات دیئے وہاں معاشی بہبود بھی اس میں شامل تھی۔ جب تک ان احکامات پر عمل ہوتا رہا معاشی بدحالی کبھی اس حد تک نہیں ہوئی جہاں پر آج ہے اور اسکی وجوہات جہاں مسلمانوں کی قرآن وسنت سے دوری ہے وہاں مغربی معاشی نظام سے مرعوب ہونا بھی ہے۔ آج کل کے معاشی مسائل زیادہ تر مغربی معاشی نظام کی پیداوار ہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس موضوع پر یوں تحریر کرتے ہیں:

(۱) ماہنامہ سیما، دسمبر ۱۹۹۱، ص ۵۵

(۱۲) ایضاً ص ۵۹

"آج کل کے یہ مسائل بڑی حد تک اس معاشی نظام کی پیداوار ہیں جو دنیائے مغرب میں پچھلے کئی سو سال کے دوران سامنے آیا ہے۔ جس میں وقتاً فوقتاً بڑے پیمانے پر تبدیلیاں بھی ہوتی رہی ہیں۔ اس نظام نے ایک واضح شکل انیسویں صدی کے وسط سے اختیار کرنی شروع کر دی تھی۔ معاشی مسائل سے عہدہ برآ ہونے کی یہ خاص شکل جس کو کلاسیکی معاشیات کہا جاتا ہے۔ یہ مغربی معاشی فکر کا سب سے نمایاں رجحان رہی اور بیسویں صدی کی چوتھی دہائی تک، بلکہ بیسویں صدی کے نصف تک جاری رہی ہے۔ اس کے بعد ۱۹۲۰ء کے دور سے لے کر مغرب کے مشہور ماہر معاشیات لارڈ کینز کے خیالات نے معاشی افکار پر، معاشی نظریات پر اور معاشی تصورات پر بہت اثر ڈالا۔ معاشیات میں بہت تبدیلیاں آئیں اور اس نئی معاشیات کو اس نئی مرتب شدہ معاشیات کو نیو کلاسیکی معاشیات یا جدید معاشیات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس فنی معاشیات کے نتیجے میں جو معاملات نمایاں طور پر سامنے آئے ہیں۔ ان کا تعلق جزوی معاشیات یعنی Micro Economics سے بھی ہے اور کلی معاشیات یعنی Macro Economics سے بھی ہے۔"(۱)

معاشیات کے نظام مختلف ملکوں میں مختلف ہیں۔ سوشلزم، کمیونزم، کیپٹلزم وغیرہ۔ ہر ازم کا اپنا معاشی نظام ہے۔ ان سب کا مقصد ارباب اقتدار کے اقتدار کو قائم رکھنا ہے۔ ان نظاموں کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ مذہب پر چل کر نادار اور مفلس عوام کی مالی حالت بہتر بنانا پڑتی ہے۔ جو کسی بھی اہل اقتدار یا سرمایہ دار کو پسند نہیں۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس پر یوں تحریر کرتے ہیں:

"خلاصہ یہ ہے کہ اسلامی معیشت کو اخلاق اور مذہبی تصورات سے بالکل الگ کر دینا شریعت کی نظر میں قابل قبول نہیں ہے۔ اس کے برعکس بہت سے مغربی ماہرین معاشیات کا محض خیال ہی نہیں ہے۔ بلکہ یہ بات ان کے لئے عقیدہ اور یقین کا درجہ رکھتی ہے کہ معاشی ترقی اور مذہبی تصورات ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ انہوں نے اپنی

(۱) غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات معیشت و تجارت، الفیصل ناشران، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، اپریل 2010ء، ص ۱۲۵، ۱۲۶

تمام معاشی پالیسیاں اور تحقیقات اسی بنیاد پر مرتب ومدوّن کی ہیں۔ چنانچہ اگر یہ طے کر لیا جائے کہ مذہبی تصورات اور اقتصادی مسائل ایک ساتھ نہیں چل سکتے تو اس کے نتیجے میں بہت سے سوالات اور مسائل پیدا ہوں گے۔ ربا کے ناگریز ہونے کا سوال پیدا ہوگا۔ غرر پر اصرار، Future sales کی افادیت اور باگریز ہونا، کاغذی کرنسی، قرض پرمبنی تجارت اور لین دین کی تمام صورتیں، یہ سب وہ معاملات ہیں جن کا واحد مقصد دولت کمانا اور دولت میں مسلسل اضافہ کرنا ہے۔ دوسری طرف مذہبی تعلیمات اور اخلاقی اعتبارات کے نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو یہ سب امور ناپسندیدہ اور ناقابل قبول قرار پاتے ہیں۔"(۱)

اسلامی نظام ان سب سے مختلف ہے۔ جو معاشی مسائل کا حل بتاتا ہے۔ اسلامی نظام میں ریاست کی بنیادی ذمہ داری میں سرفہرست یہ بات شامل ہے۔ کہ عوام کی جان، مال، عزت، انصاف اور بنیادی ضروریات کی فراہمی اور اس کے مواقع مہیا کرنا۔ ڈاکٹر محمود احمد غازی اس موضوع پر آگے تحریر کرتے ہیں۔

"اس کے برعکس اسلامی شریعت کا مزاج یہ ہے کہ ریاست، ریاست کے وسائل اور ریاست کی پوری قوت، سب سے پہلے کمزور بے سہارا انسان کی مدد کے لئے سامنے آنی چاہیے۔ اگر معاشرے کی قوت کمزور شہری کے پیچھے ہے تو یہ قانون کی بالادستی اور عدل وانصاف کی علامت ہے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے، عام انسان، عام صارف اپنے کو بے حیثیت سمجھتا ہے، صنعت کاروں کی قوت، زمینداروں کے اثر ورسوخ اور بااثر لوگوں کے اثرات کے سامنے بے بس معلوم ہوتا ہے تو پھر یہ شریعت کے معیار کے نقطہ نظر سے قانون کی بالادستی اور عدل وانصاف نہیں ہے۔"(۲)

(۱) غازی، ڈاکٹر محمود احمد، محاضرات معیشت وتجارت، الفیصل ناشران، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور، اپریل 2010، ص ۱۲۸

(۲) ایضاً ایضاً ص ۱۳۰

ریاست کو ذمہ داری کے پورا کرنے کے لئے قرآن وحدیث اور سنت مبارکہ میں تفصیلی احکامات موجود ہیں ۔ہمارے سامنے پہلی مسلم مملکت جو رسول اکرم ﷺ کی سربراہی میں قائم ہوئی ۔اس کو رول ماڈل کے طور پر لیکر نیک نیتی سے اس پر عمل کریں تو مسائل خود بخود حل ہوتے چلے جائینگے ۔خانقاہی نظام میں متوسلین کو یہ تربیت دی جاتی ہے کہ کوئی شخص فارغ نہ رہے ۔روزگار کمانے کے لئے جو بھی موقع ملے اس سے فائدہ اٹھائے اور بہتر مواقع کی تلاش میں رہے ۔جائز کام کے لئے جائز وسائل ضرور استعمال کرے ،ناجائز کام نہ کرنا ہے ،نہ ہی اس کے لئے جائز یا ناجائز وسائل بروئے کار لانے ہیں ۔کوئی بھی کام کرتے ہوئے یہ خیال رکھنا ہے کہ نہ تو شریعت کی خلاف ورزی ہو اور نہ ہی ملکی قوانین کی ۔خانقاہی نظام میں تعلیم کے حصول بشمول قرآن وحدیث ،سائنسز ،فنی تعلیم اور دیگر جدید تعلیم کمپیوٹر وغیرہ کے لئے معلومات کے لئے راہنمائی کی جاتی ہے ۔تعلیمی اداروں کا قیام اسی سلسلہ کی کڑی ہے ۔

خانقاہی نظام میں کاروباری معاملات میں رسول کریم ﷺ کے فرمودات اور اسوہ حسنہ کی پیروی کرنے کی تلقین کی جاتی ہے ۔خرید وفروخت ہو ،لین دین یا جو بھی کاروباری معاملہ اس میں شریعت کے احکام کی پابندی لازم ہے ۔اور تجربات سامنے ہیں کہ جس نے بھی حقوق اللہ کی پابندی کے ساتھ کاروباری معاملات میں رسول اکرم ﷺ کے احکامات کو سامنے رکھا ۔ہر طرح سے خیریت میں رہا اور معاشی طور پر خوشحال ہوا ۔

مسلکی اور فروعی اختلافات کا خاتمہ
مذہبی ہم آہنگی کی ترویج

مسلکی اور فروعی اختلافات کا خاتمہ، مذہبی ہم آہنگی کی ترویج

مسلکی اور فروعی اختلافات ہر دور میں رہے جن کی وجوہات میں تفسیری نکات کو مختلف اہل علم نے اُس دور کے تاریخی پس منظر، احوال، ذہنی اور نفسانی سطحوں کے پیش نظر واضح کیا، شامل ہے یقیناً اس بات کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جا سکتا کہ جان بوجھ کر بھی اور ذاتی مفاد اور سیاست کے لالچ میں بھی حقائق سے ہٹ کر دین اسلام کے مطالب بیان کئے گئے۔ حسد اور ضد نے بھی حق بات کہنے سے روکا۔ دین اسلام کے دشمنوں نے بھی مسلمانوں سے ہی زن، زر اور زمین کے لالچ میں غدار پیدا کئے اور ان کو مسلم ملت میں اختلافات کا ذریعہ بنایا۔ خانقاہی نظام میں اولیاء اللہ یا اہل حق نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کہ ہم بہتر مسلمان ہیں اور کوئی دوسرا کمتر ہے۔ خانقاہ میں ہر سوچ، مسلک، مذہب، ملت کے لوگوں کی عزت و توقیر اور پذیرائی کی جاتی ہے۔ کبھی آنے والے سے اس کے مذہب و ملت یا مسلک کا نہیں پوچھا جاتا۔ ہر آنے والے کو حسبِ توفیق کھانا اور قیام کے دوران خدمت کی جاتی ہے۔ اور اس کے ساتھ یہ دعا کی جاتی ہے۔ کہ یا باری تعالیٰ اسے خیر عطا فرما اور اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں دعا قبول ہو جائے (اور یقیناً بے لوث دعا ضرور قبول ہوتی ہے) تو اللہ تعالیٰ کی خیر کی عطا ظاہر ہے، دین اسلام کی سمجھ کی عطا ہوتی ہے۔ جس میں ساری خیریں ہیں۔ خانقاہی نظام میں تحمل اور برداشت کو بڑا مقام حاصل ہے۔ بے شک مسالک مختلف ہوں تو بھی ہر آنے والے کی عزت و توقیر لازم ہے۔ حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مسلک کے حامل ہیں۔ مگر اہل حق میں ان کو ایک منفرد عزت و توقیر حاصل ہے۔ خانقاہی نظام میں کسی کی سوچ، خیال یا مسلک کے بارے میں قدغن نہیں لگائی جاتی۔ موجودہ دور میں مسلکی اور فروعی اختلافات کی وجوہات میں تکبّر کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ یہ اس طرح ہے کہ کسی کلمہ گو کو کافر کہنا اور اپنے آپ کو اس فتویٰ کے بعد ایک اچھا مسلمان سمجھنا تکبر ہی کی علامت ہے۔ تکبر صرف ابلیس نے کیا۔ اس کے بعد جس جس نے بھی تکبر کیا وہ ابلیس کے زیر اثر رہا اور ایسے شخص کو شعور بھی نہیں رہتا کہ وہ کہاں کھڑا ہے۔

ایک اچھا انسان ہی ایک اچھا مسلمان بن سکتا ہے۔ اور ایک اچھا مسلمان ہی ایک مومن کہلانے کا مستحق ہوتا ہے۔ تکبر کے ہی رویہ میں ایک اور بات آتی ہے۔ جو کوئی شخص مسجد میں گیا۔ اسی کو مسلمان بنانے کی کوشش لوگ کرتے ہیں۔ حالانکہ مسجد میں جانے والا تو نماز ہی پڑھنے آیا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنے آیا ہے۔ لیکن لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بات زیادہ اہم ہے۔ پہلے یہ سن لیں۔ پھر کوئی دوسرا کام کریں۔ فروعی اختلافات کا خاتمہ اور مذہبی ہم آہنگی کی ترویج ایک انتہائی اہم اور حساس موضوع ہے۔ اس کے لئے تو ایک الگ تحقیقی مقالہ کی

ضرورت ہے۔ تاہم میرے خیال میں اس موضوع پر اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔ علماء کرام کو مل بیٹھ کر اس کا حل قرآن وسنت کی روشنی میں ڈھونڈنا چاہیے۔ خانقاہی نظام میں جو مسلک ہے اس کے تحت اہل اللہ، اہل بیت کرام سے بھی محبت اوران کی عزت وتوقیر کا درس دیتے ہیں اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ سے بھی محبت اورعزت وتوقیر کا درس دیتے ہیں۔ اور کسی ایسے خیال سے اتفاق نہیں کرتے جس سے کسی ایک کی عزت وتوقیر کسی دوسرے سے محبت یا عزت میں فرق ڈال کر کی جائے۔

مجھے اجمیر شریف درگاہ حاضری کا شرف دو دفعہ ملا۔ ایک دفعہ 1997 میں اور دوسری دفعہ 2007 میں۔ وہاں مسلمانوں کے ساتھ ہندو، سکھ، عیسائی اور دیگر مذاہب کے لوگ بھی آتے ہیں۔ وہاں کسی ہندو سے کسی نے پوچھا کہ آپ ہندو ہیں۔ تو آپ یہاں کیا لینے آئے ہیں۔ اس ہندو نے جواب دیا کہ جب خواجہ غریب نوازؒ کو اعتراض نہیں ہے تو تو کیوں اعتراض کرتا ہے۔ بقول کسے کوئی آئے کہ ہم دل کشادہ رکھتے ہیں اختلاقات کسی قسم کے بھی ہوں تحمل، برداشت اور عفوودرگزر سے انتہائی مثبت نتائج لئے جاسکتے ہیں۔

حضرت عرفانیؒ عفوودرگزر کے موضوع پر یوں رقمطراز ہیں:

''عفوودرگزران اعلیٰ اقدرا، برتر روایات اور کریمانہ کردار میں ایک ممتاز حیثیت کے حامل ہیں ،جن کی تعلیم دین حق ہمیں دیتا ہے اور جو انسانی شرف کے مظہر ہیں۔ عفوودرگزر کی بلندی اور اہمیت کا سب سے بڑا ثبوت یہی ہے کہ یہ خود مالک وخالق تبارک وتعالیٰ کی سنت ہے، یہ اس تعالیٰ کا کتنا بڑا کائناتی، آفاقی اور لافانی اعلان حق ہے کہ '' **لا تقنطو من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا انه هو الغفور الرحيم**'' (الزمر،۵۳) کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہرگز ناامید نہ ہونا، بے شبہ اللہ تعالیٰ سب کے سب گناہوں کو بخش دیا کرتا ہے، بے شبہ وہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔ یہ مضمون قرآن حکیم میں جابجا پھیلا ہوا ہے اور بار بار یہ اعلان ہے کہ معاف کرنا ،بخش دینا اور اپنی رحمتوں کے دامن میں بامراد رکھنا اللہ تعالیٰ کی اپنی صفت ہے ،انبیاء کرام علیھم الصلوات والتسلیمات سے سے بھی یہی فرمایا، کہ'' نبی عبادی انی انا الغفور الرحیم ''(الحجر،۴۹) میرے بندوں کو خبر کردیجئے، کہ بے شبہ میں ہی ہوں جو بخشنے والا ہوں، رحم فرمانے والا ہوں،(۱)

تمت بالخیر

(۱) سیما اگست، ۱۹۹۳، ص ۳۵، ۳۶۔

اشاریہ

اشاریہ

شخصیات:۔

ابراہیمؑ (خلیل اللہ)۔ ۷، ۱۱۷، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۲۷۴، ۲۴۸،

ابلیس۔ ۱۰، ۵۶، ۵۷، ۵۸، ۶۴، ۱۴۲، ۱۵۴، ۲۹۲

اجمیریؒ، خواجہ معین الدین حسن چشتی۔ ۱۷۴، ۱۷۸، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶،

امین، ڈاکٹر محمد۔ ۱۲۸، ۲۳۳، ۲۵۸، ۲۶۰،

ابن الاثیر۔ ۳۲،

ابن خلدون۔ ۲۷،

ابن خلکان،۔ ۱۷۸،

ابن زبیر۔ ۴۹، ۵۰، ۵۱،

ابن زیاد۔ ۳۳

ابن سعد۔ ۳۵

ابن عربی۔ ۱۷۸، ۱۹۴،

ابن عیاضؒ، فضیل۔ ۴۶، ۱۶۴،

ابن کثیر۔ ۴۴، ۴۸

ابن ندیم۔ ۸۳،

ابن نمیر۔ ۵۰،

ابن ہشام۔ ۱۶۰،

ابوالمعالیؒ۔ ۲۰۰،

ابوبکر دہلوی۔ ۱۸۷،

ابوبکر صدیقؓ۔ ۲۹، ۸۴، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۶۶،

ابوجہل۔ ۲۰۲۔

ابوحاتم۔ ۱۶۹،

ابوطالبؓ۔ ۱۹

ابوطالب مکشوفؒ۔ ۱۹۰،

ابوطالب مکیؒ۔ ۶، ۷، ۸،

ابومسلم۔ ۱۸۹،

ابوہریرہؓ۔ ۲۴، ۲۵، ۲۶

ابی وقاصؓ۔ ۲۴۲،

ابی الخیر۔ ۸۸،

اجل سنجری۔ ۱۸۴،

احمد بن حنبلؒ۔ ۴۸،

احمد خرمائیؒ۔ ۱۹۰،

احمد ندیم قاسمی۔ ۲۲۶۔

اسماعیلؑ۔ ۴۲، ۲۷۴،

اصلاحی۔ ۲۴، ۲۵، ۲۶، ۱۵۸

آصف برخیا۔ ۲۵۲،

اقبال، ڈاکٹر سر محمد۔ ۶، ۷، ۴۲، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۱۴، ۱۲۸، ۱۷۵، ۱۸۷،
۱۹۰، ۲۲۰، ۲۳۴، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۶۵، ۲۸۳،

اکبر۔ ۲۳۹،

الکلاباذی۔ ۸، ۷۶

الکلبی۔ ۸۲،

امام احمد رضاؒ۔ ۲۰۰،

امام حسنؑ۔ ۳۶، ۴۲، ۱۷۶، ۲۰۲،

امام حسینؑ۔ ۲۲، ۲۴، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۳۵، ۳۷، ۳۸، ۴۱، ۴۲،

آمنہؓ۔ ۲۰۲۔

امیر علی، سید۔ ۱۳۸،

اولیاء، خواجہ نظام الدینؒ۔ ۱۷۵،۱۸۶،۱۸۷،۱۸۸،۲۰۰،۲۳۸،۲۷۷،

اے حمید۔ ۲۱۷،۲۱۸،۲۲۰،

باخرزی۔ ۱۸۴،

بخاری۔ ۴۸،

بختیار صدیقی۔ ۲۷۳،۲۷۴،۲۷۹،۲۷۵،۲۷۶،۲۸۱،

بختیار کاکیؒ۔ ۱۸۴،

البسطامیؒ۔ ۸۳،۱۶۰،۱۶۹،۱۷۰،۱۷۱، ۲۵۹،

بلالؓ۔ ۶،۲۰۲،

بلھے شاہ۔ ۲۰۰،

بہاوالدین حمویؒ۔ ۱۴۸،

بھٹائی۔ ۱۷۵،

تستری۔ ۱۶۹،۱۳۰،

پکتھال۔ ۱۲

جامیؒ۔ ۷۹،۲۰۰،۱۷۵،

جعفر طیارؓ۔ ۳۶،

جنید بغدادیؒ۔ ۸۲،۸۳،۸۵،۹۴،

چشتی، اظہر الیاس۔ ۲۲۲،۲۲۳،۲۲۶،

چشتی، یوسف سلیم۔ ۶،۸،۴۲،۷۵،۷۷،۷۹،۸۰،۸۲،۸۳،

۸۴،۸۵،۸۶،۸۷،۸۸،۸۹،۱۳۰،۱۴۲،

۱۴۳،۱۴۹،۱۵۰،۱۷۴،۱۷۹،۱۸۰،۱۸۱،۱۸۲،

۱۹۸،۲۰۰،۲۲۱،۲۲۲،۲۲۳،۲۳۴،۲۳۵،۲۳۶،

حُر بن یزید تمیمی۔ ۳۷،

حجاج بن الحسن۔ ۳۷،

الحداد۔ ۸۲،

حسن بصریؒ۔ ۷۴،۱۴۲،۱۶۱،۱۶۲،۱۶۳،۱۹۵،

حسن دہلوی۔ ۱۸۷،

حسینی دہلوی۔ ۱۸۷،

حصین۔ ۵۱،

حموی، سعد الدین۔ ۱۸۴،

خالدؓ بن ولید۔ ۶،

الخرازؒ۔ ۷۹،

خسروؒ۔ ۱۸۷،۱۸۸،

الخلدی۔ ۸۸

خواجہ غلام فریدؒ۔ ۲۰۰،

الدّقی۔ ۸۸،

داراشکوہ، شہزادہ۔ ۸۸،۱۷۵،

رازیؒ۔ ۱۶۵،

ریاض مجید۔ ۲۲۶،

زبیر۔ ۴۷،

زہری۔ ۱۴۴

سالمؒ۔ ۲۷۷

السائح۔ ۸۸،

سجاد زین العابدین۔ ۲۶۵،

السراجؒ۔ ۸۸،۸۹،۱۶۹،

سرفراز اے شاہ۔ ۲۰۰،

سری سقطیؒ۔ ۸۲،،۱۶۰،۱۷۱،

السلمی۔ ۸

سعدی۔ ۸،۱۷۸،۲۰۰،

سعید بن عثمان۔ ۱۶۷،

سلیمانؑ۔ ۲۵۲،

سمنانی۔ ۱۹۰،

سنان بن انس۔ ۳۴،۳۵،

سہروردی، شہاب الدینؒ۔ ۸،۱۷۸،۱۸۴،

شاہ نیازؒ بے نیاز۔ ۲۰۰،

شاہ ولی اللہ۔ ۱۶۱،

شبت بن ربعی۔ ۳۷،

شیخ ذکی۔ ۱۸۷،

شیخ شمس، ۱۸۷،

صیدلانی۔ ۱۸۹،

الطبری۔ ۲۷،۳۵،۴۶،۴۹،۵۰،

طوسی۔ ۸،۱۳۱،

عائشہؓ۔ ۲۸،۱۴۱،

عبداللہؓ۔ ۲۲،۲۸،۲۹،۵۱،۵۲،۴۶،۴۷،۹۳،۱۷۰،

عبدالحی۔ ۸۸،

عبدالرحمٰنؓ۔ ۲۸،۲۹،

عبدالعلی۔ ۱۶۱،

عبدالقادر جیلانیؒ۔ ۱۷۶،۱۷۷،۱۷۸،۱۹۵،۱۹۶،۲۰۰،

عبدالقاہر۔ ۱۷۸،

عبدالکریم بلوئیؒ۔ ۱۷۵،

عبدالمجید سندھی۔ ۱۶۱،۱۷۴،۱۷۸،۱۸۲،۱۸۴،۱۸۷،

عبیداللہ۔ ۳۲،۳۳،

عثمان غنیؓ۔ ۲۲،۲۳۲،۲۳۳،۲۶۷،

عثمان ہرویؒ۔ ۱۸۰،

عرفانی،سید محمد وجیہ السیماؒ۔ ۴،۱۲،۳۸،۱۰۲،۱۰۳،۱۱۰،۱۱۱،۱۱۲،۱۳۲،۱۳۳،۱۳۴،۱۳۸،
۱۴۱،۱۷۴،۱۷۶،۱۷۷،۱۷۹،۱۸۰،۱۸۱،۱۸۵،۱۸۶،۱۸۸،
۱۹۶،۱۹۷،۲۰۰،۲۱۳،۲۱۴،۲۱۶،۲۱۷،۲۱۸،۲۱۹،۲۲۰،۲۲۱،
۲۲۲،۲۲۳،۲۲۴،۲۲۶،۲۴۸،۲۷۰،۲۷۹،۲۸۰،۲۸۱،۲۸۲،
۲۸۶،۲۸۷،۲۹۳،

عزیز میاںؒ۔ ۲۰۰،

عطارؒ۔ ۷۹،۸۸،۸۹،

عکرمہ۔ ۱۳۹،

علیؓ المرتضیٰؓ۔ ۳۶،۷۴،۱۴۲،۱۶۱،۱۹۵،۲۰۰،۲۰۴،۲۳۱،۲۳۲،
۲۳۳،۲۳۴،۲۶۸،

عمارؓ۔ ۲۷

عمرو بن زبیر۔ ۴۹،۵۰،

عیسیٰؑ۔ ۳۶،۴۱،

عمر فاروقؓ۔ ۳۲،۱۳۱،۱۷۵،،۲۳۲،۲۵۴،۲۷۶،

غالب۔ ۴۲،

غزالیؒ،امام۔ ۷۷،۲۷۷،

فاروقی،ڈاکٹر نثار احمد۔ ۲۰،۶۶،۷۱،۷۲،۷۴،۱۴۲،۱۵۸

فاطمہ الزہرأؓ۔ ۳۶،۱۶۰،

فخر الدینؒ،دہلوی شاہ۔ ۱۶۱،۱۹۴،۱۹۵،۱۹۶،

فرزدق۔ ۱۶۰،

فرعون۔ ۲۲

فریدالدین نیشاپوریؒ۔ ۱۸۴،

قابیل۔ ۵، ۷،

قریشی، ڈاکٹر وحید۔ ۲۲۹، ۲۲۱،

قریشی، پروفیسر غلام سرور۔ ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶،

قشیری، امام۔ ۸، ۷۶، ۸۴، ۸۷، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳، ۹۴، ۱۰۶،
۱۱۳، ۱۲۶، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰،
۱۷۱، ۱۷۳، ۱۷۵

قصابؒ۔ ۸۲،

قلندر علیؒ۔ ۲۰۰،

قیس۔ ۳۷،

کاشانی۔ ۶۸،

کرخیؒ۔ ۷۴، ۱۷۱،

کرمانی۔ ۱۸۴،

کعب بن زہیر۔ ۱۴۰، ۱۴۱

کیرکانی۔ ۱۹۰،

لی ہنٹ۔ ۱۷۲،

المحاسبی۔ ۸، ۷۵، ۷۵، ۷۷، ۷۸، ۷۹، ۱۶۹،

محمد الرسول اللہ ﷺ۔ ۲، ۳، ۵، ۲۲، ۲۴، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۲، ۳۶، ۳۷، ۴۰، ۴۱، ۴۲، ۴۳
، ۴۶، ۴۸، ۵۲، ۵۵، ۲۶، ۷۱، ۷۲، ۷۴، ۸۰، ۸۶، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۷
، ۱۱۰، ۱۱۳، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲
، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۷، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۹،
۱۵۶، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۷، ۱۷۴، ۱۷۷، ۱۸۱، ۲۰۰، ۲۰۲، ۲۱۰، ۲۱۳،
۲۲۷، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۲۴، ، ۲۵۴، ۲۶۱، ۲۷۶،

محمد النعیمی۔ ۶۲،

محمد بن علی۔ ۲۶۶۔

محمد بن قاسم۔ ۲۷۳،

محسن کیانی، دکتر۔ ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۷، ۶۸، ۶۹،

محمود غازی۔ ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹،

مروان۔ ۲۲، ۲۷، ۲۸، ۴۹، ۱۵۹، ۱۶۰،

مریمؑ۔ ۲۵۳،

مسعود، بابا فرید الدینؒ (گنج شکرؒ)۔ ۱۸۴، ۱۸۵، ۲۳۸،

مسلم۔ ۳۳، ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۷، ۴۸،

مصریؒ، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹،

معاویہؓ۔ ۲۲، ۲۳، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۱۴۱، ۲۳۳،

منذر بن زبیر۔ ۵۱،

مودودی، سید ابوالاعلیٰ۔ ۲۳، ۲۷، ۲۸، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۴۳، ۴۴، ۴۷، ۴۸، ۲۳۲،

موسیٰ۔ ۱۶، ۲۲، ۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۷۰،

مہاروی، خواجہ نور محمدؒ۔ ۱۹۷،

مہدی حسن۔ ۲۲۶،

مہر علیؒ۔ ۱۹۸،

مہر، غلام رسول۔ ۲۴۷، ۲۴۹،

ناصر الدین۔ ۲۸۳،

نجیب آبادی، اکبر شاہ خان۔ ۳۰، ۳۱، ۳۳، ۳۷، ۴۶، ۵۱، ۵۲،

ندوی، شاہ معین الدین۔ ۲۹، ۳۰، ۳۳، ۴۵، ۴۶، ۵۱،

نسائی۔ ۴۸،

نصیر، پیر نصیر الدینؒ۔ ۲۱۴،

نکلسن۔ ۱۷۵،

نمرود۔ ۷،

واصفؒ۔ ۲۰۸،۲۱۰،۲۱۱،

وقاقؒ۔ ۱۰۶،۱۴۷،۲۵۹،

ہابیل۔ ۵،۷،

ہادی حسین۔ ۱۴۰،

ہاشم بن حرملہ۔ ۴۴

ہبار۔ ۱۳۹،

الہجویری، سید علی بن عثمانؒ۔ ۸۳،۱۲۷،۱۴۵،۱۵۹،۱۶۲،۱۶۴،۱۶۵،۱۶۹،
۱۷۴،۱۷۵،۱۸۰،۱۸۹،۲۴۰،۲۵۱،۲۵۳،۲

یزید۔ ۲۷،۲۹،۳۱،۳۲،۴۲،۴۳،۴۵،۴۶،۴۸،

یعقوب علیؒ شاہ۔ ۲۰۴،۲۰۵،۲۰۶،

اماکن (ممالک)

اجمیر۔ ۱۸۲، ۲۷۵،

اصفہان۔ ۱۷۹، ۱۸۱،

افریقہ۔ ۱۹

آذربائیجان۔ ۱۹۰،

آگرہ۔ ۲۷۵۔

انڈونیشیا۔ ۱۲،

ایشیا۔ ۱۹،

بحرستان۔ ۱۹۰،

بخارا۔ ۱۷۹، ۱۸۴،

بدایوں۔ ۱۸۶،

بدخشاں۔ ۱۸۴،

بصرہ۔ ۲۰۲،

بغداد۔ ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۴، ۲۷۴،

بلخ۔ ۱۷۹،

پاکستان۔ ۱۲، ۱۶، ۱۵۱، ۱۵۵، ۱۷۵، ۱۹۷، ۲۰۰، ۲۱۷،

تونسہ شریف۔ ۲۴۳،

حلب (شام)۔ ۶،

حبشہ۔ ۲۰۲،

چین۔ ۱۲، ۳۶، ۲۴۲

حدیبہ۔ ۱۳۹،

حدیبیہ۔ ۱۳۹،

حرف۔ ۴۹،

حرہ۔ ۴۶،
حمس (شام)۔ ۶،
حوران۔ ۵۲،
حیاتین۔ ۴۴،
خراسان۔ ۱۹۰،۲۷۵،۲۷۶،
خیبر۔ ۱۳۹۔
دمشق۔ ۶،۸۹،
دہلی۔ ۱۸۷،
روم۔ ۲۰۲،
سپین۔ ۲۷۵،
سمرقند۔ ۱۷۹،۱۸۱،
سندر شریف۔ ۲۴۳،
سیوستان۔ ۱۸۴،
شام۔ ۶،۱۲،۱۹،۴۷،۴۹،۵۱،۵۲،۱۵۹،۱۸۹،
عراق۔ ۱۸۹،۲۷۵
غزنی۔ ۱۸۴،۱۹۱،۲۷۵،
غور۔ ۲۷۶۔
فارس۔ ۱۸۹،
قرطبہ۔ ۲۷۵،
قہستان۔ ۱۹۰،
کربلا۔ ۳۲،
کرمان، ۱۹۰،
کوٹ مٹھن شریف۔ ۲۰۰
گولڑہ شریف۔ ۲۴۳،

لاہور۔	۲۷۵،
ماوراالنہر۔	۱۹۱،
مدینہ منورہ۔	۲۲، ۲۷، ۳۱، ۳۲، ۴۲، ۴۴، ۴۷، ۴۹، ۷۱، ۴۴،
	۴۵، ۴۶، ۴۸، ۵۱،
مصر۔	۱۶، ۲۲، ۱۵۸، ۱۷۸، ۲۲۴، ۲۷۵،
مکہّ۔	۴۹، ۵۰، ۵۱، ۵۲، ۱۳۸،
ملائشیا۔	۱۵۸،
ملتان۔	۱۸۴، ۱۹۱،
غرناطہ۔	۲۷۵،
نیشاپور۔	۱۸۰، ۱۸۲،
ہندستان۔	۱۸۶، ۲۷۵، ۲۷۶،
یعملہ۔	۴۴،

موضوع:۔

تزکیہ۔ ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۹، ۱۴۶، ۱۵۰،

تصوف۔ ۱۲۶، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۴۲، ۱۵۰، ۱۷۵،

تقویٰ۔ ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۸۵، ۲۸۱،

حقیقت۔ ۱۶۹،

حکمت۔ ۱۰۰، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳
۱۲۴،

خانقاہ۔ ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸، ۱۹،
۲۰، ۲۷، ۳۱، ۵۸، ۵۹، ۶۰، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۶،
۶۷، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۱۴۳، ۱۵۸، ۱۵۹،
۱۷۶، ۱۸۰، ۱۸۹، ۱۹۷، ۱۹۸، ۲۳۰، ۲۴۲، ۲۴۴،
۲۹۲،

درگاہ۔ ۱۸، ۵۹، ۱۶۴، ۱۸۷، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۹۳

شریعت۔ ۵، ۶، ۷، ۸، ۱۱، ۱۲، ۲۳، ۳۱، ۳۲، ۸۰، ۸۳، ۸۷،
۸۸، ۹۶، ۱۰۰، ۱۲۶، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸،
۱۴۹، ۱۵۳، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۷،
۱۸۳، ۱۸۵، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰،
۲۶۹،

صوفی۔ ۶، ۸، ۱۹، ۲۰، ۶۶، ۶۸، ۶۹، ۷۰، ۷۵، ۷۸، ۸۳، ۹۴،
۹۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۵۰، ۱۶۳، ۱۷۱ ۱۹۰،
۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۵، ۲۶۴، ۲۶۶

طریقت۔ ۶، ۱۳۲، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۶۹،
۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۳، ۱۸۵، ۲۰۱، ۲۰۲،
۲۰۳، ۲۲۳، ۲۳۱، ۲۳۸، ۲۳۹،

عشق۔ ۱۸۵،

فقر۔ ۱۸۵،

گرجا۔ ۱۷، ۲۰،

معرفت۔ ۱۲۶، ۱۴۸، ۱۵۱، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۹، ۱۷۱،

مصادر و مراجع

مصادر و مراجع

1۔ابن ابی حاتم، ابومحمد عبدالرحمٰن بن محمد ادریس رازی (۲۴۰۔۳۲۷ھ/۸۵۴۔۹۳۸ء) تفسیر القرآن العظیم، صیدا، لبنان
: المکتبۃ العصریہ۔

2۔ابن حنبل، احمد ابوعبداللہ شیبانی (۱۶۴۔۲۴۱ھ/۷۸۰۔۸۵۵ء)۔المسند۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی للطباعۃ و النشر، ۱۳۹۸ھ/۱۰۸۷ء۔

3۔ابن سعد، علامہ ابوعبداللہ محمد، البصری، طبقات ابن سعد، دارالاشاعت، اردو بازار، ایم اے جناح روڈ کراچی، پاکستان، جلد سوم حصہ پنجم و شش۔، 2003

4۔ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر زرع بصروی (۷۰۱، ۷۷۴ھ/۱۳۰۱، ۱۳۷۳ء) تفسیر القرآن العظیم، بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۰۱ھ۔

5۔ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید قزوینی (۲۰۷۔۲۷۵ھ/۸۲۴۔۸۸۷ء)۔السنن۔ بیروت، لبنان: دار الفکر۔

6۔ابواللیث، نصر بن محمد بن ابراہیم حنفی سمرقندی (۳۳۳، ۳۷۳ھ)، بحر العلوم (تفسیر السمر قندی)، بیروت، لبنان دار الفکر۔

7۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی بجستانی (۲۰۲۔۲۷۵ھ/۸۱۷۔۸۸۹ء)۔السنن، بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

8۔ابونعیم، احمد بن عبداللہ بن احمد اصبہانی (۳۳۶۔۴۳۰ھ/۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔مسند الامام ابی حنیفۃ۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الکوثر، ۱۴۱۵ھ۔

9۔ادریس بھوجیانی، حاجی محمد، خاندانِ نبوت، مکتبہ رحمانیہ، ٹوبہ ٹیک سنگھ۔ (طباعت، تاریخ درج نہیں)

10۔اُسامہ، ڈاکٹر سید محمد، فہرست مضامین القرآن الکریم، اسلامی کتب خانہ، اُردو بازار، لاہور۔ (سال درج نہیں)

11۔اسحاق بھٹی، محمد، برصغیر میں اسلام کے اولین نقوش، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۲۔ کلب روڈ لاہور۔ طبع دوم۔ 1994

12۔اسحاق قریشی، ڈاکٹر محمد، برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری، مرکز معارف اولیاء محکمہ اوقاف، حکومت پنجاب، لاہور، طبع اوّل، شوال 1423ھ، دسمبر 2002۔

13۔اشتیاق قریشی، حسین، برعظیم پاک و ہند کی ملت اِسلامیہ، مترجم بلال احمد زبیری، اشاعت چہارم، شعبہ تصنیف و تالیف و ترجمہ، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔ 1999

14۔اعجاز اشرف، انجم، اولیائے کرام، پنڈ دادنخاں ضلع جہلم۔ پہلا ایڈیشن، 1986

15۔ اقبالؒ، ڈاکٹر سر محمد، ضربِ کلیم، سعد پبلیکیشنز میاں مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اُردو بازار، لاہور۔

16۔ اقبال، ڈاکٹر سر محمد، کلیاتِ اقبال اُردو، اشاعت ہشتم، شیخ غلام علی اینڈ سنز پبلیشرز، لاہور۔ جنوری 1989

17۔ امان اللہ بھٹی، پروفیسر ڈاکٹر، اِسلام اور خانقاہی نظام، دار اسلام، لاہور۔ (طباعت، تاریخ درج نہیں)

18۔ امیر خورد، سیر الاولیا، مرکز تصنیفات فارسی ایران، پاکستان۔ 1978

19۔ امیر علی، سید، رُوحِ اِسلام، ترجمہ محمد ہادی حسین، بار ششم، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۲۔ کلب روڈ، لاہور۔ 1988

20۔ امین اصلاحی، مولانا حسن، حقیقت شرک و توحید، طبع دوم، فاران فاؤنڈیشن لاہور۔ جولائی 2007

21۔ امین، ڈاکٹر محمد، اسلام اور تزکیہ نفس، اُردو سائنس بورڈ، 299، اپر مال، لاہور، طبع اوّل، 2004

22۔ ایوب قادری، ڈاکٹر محمد، مخدوم جہانیاں جہاں گشت، اول ایڈیشن، محکمہ اوقاف، حکومت پنجاب، لاہور۔ اپریل 1986

23۔ بخاری، ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بن ابراھیم بن مغیرہ (۱۹۴۔۲۵۶ھ/۸۱۰۔۸۷۰ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: دار ابن کثیر، الیمامہ، ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء۔

24۔ بشیر ناظم، حسین، اولیائے ملتان، سنگ میل پبلیکیشنز لاہور۔ 2005

25۔ بوکائے، مورس، بائیبل قرآن اور انسان، ترجمہ سید امتیاز احمد، مثال پبلشنگ چوک اُردو بازار لاہور

26۔ بیگم ذاکر اعجاز، حضرت نظام الدین اولیاء، فیروز سنز، لاہور۔ (طباعت، تاریخ درج نہیں)

27۔ بیہقی، ابوبکر احمد بن حسین بن علی بن عبداللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/۹۹۴۔۱۰۶۶ء)۔ شعب الایمان۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰ھ/۱۹۹۰ء۔

28۔ پیر نصیر الدین، نصیر، رنگ نظام، دی آرمی پریس 46، اے، بینک روڈ، راولپنڈی صدر، 1998۔

29۔ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک (۲۰۹۔۲۷۹ھ/۸۲۵۔۸۹۲ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان، دار احیاء التراث العربی۔

30۔ جصاص، ابوبکر احمد بن علی رازی (۳۰۵۔۳۷۰ھ)۔ احکام القرآن۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث، ۱۴۰۵ھ۔

31۔ چراغ محمد علی، حضرت عُمر فاروقؓ، نذیر سنز پبلشرز اُردو بازار، لاہور۔ 1996

32۔ حاکم، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن محمد (۳۲۱۔۴۰۵ھ/۹۳۳۔۱۰۱۴ء)۔ المستدرک علی الصحیحین۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۰ء۔

33۔ حسین نصر، سید، تین مسلمان فیلسوف، ترجمہ، پروفیسر محمد منور، بار دوم، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ ۲۔ کلب روڈ لاہور۔ 1987

34۔ حقی حق، ڈاکٹر، ہوئے تم دوست جس کے، اشاعت دوم، شفیق پبلیکیشنز، لاہور۔ مئی 2007

35۔حمیداللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہ ﷺ، بیکن بکس، اُردو بازار، لاہور۔اشاعت دوم 2005

36۔حمید عسکری، پروفیسر، نامور مسلم سائنس دان، مجلس ترقی ادب ۲ کلب روڈ لاہور، طبع دوم، جون 1996۔

37۔خالق داد، پروفیسر ڈاکٹر ملک، تحقیق وتدوین کا طریقہ کار، اورینٹل بکس، لاہور۔فروری 2012

38۔خاور سہروردی، ابوالفیض، سید قلندر علی شاہ، حبیب خاور سہروردی، کینال ویو، لاہور طبع ثانی 2008۔

39۔دارمی، ابومحمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن (۱۸۱۔۲۵۵ھ/۷۹۷۔۸۶۹ء)۔السنن۔بیروت، لبنان: دارلکتب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

40۔دیوان عظمت، سید محمد چشتی فریدی، صاحبِ کمال حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکرؒ طبع اول، بابا فرید پبلی کیشن ہاؤس، پاکپتن شریف۔جنوری 2009

41۔رابرٹ وین، ڈی ویر، سکھ مت (تاریخ، عقائد، فلسفہ)، بک ہوم، مزنگ روڈ، لاہور۔2010

42۔رازی، فخرالدین محمد بن عمر بن حسن بن حسین بن علی تمیمی شافعی، (۵۴۴۔۶۰۴ھ)۔مفاتیح الغیب (التفسیر الکبیر) ۔بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ، ۱۴۲۱ھ۔

43۔رشید جالندھری، احمد، المعارف لاہور، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۲۔کلب روڈ، لاہور۔دسمبر 2004

44۔رشید جالندھری، احمد، علمِ تفسیر اور مفسرین، پہلا ایڈیشن، المکتبہ العلمیۃ، لاہور۔فروری 1971

45۔رفیق اختر، پروفیسر احمد، احسن تقویم، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔2007

46۔روبینہ ترین، ڈاکٹر، تصوف (تعریف، تاریخ، اصطلاحات)، باراول، بیکن بکس، ملتان۔2001

47۔ریاست ندویؒ، مولانا سید علی، اسلامی نظام تعلیم، الفیصل غزنی سٹریٹ، اُردو بازار، لاہور۔نومبر 1996۔

48۔زمخشری، جاراللہ ابوالقاسم محمود بن عمر بن محمد خوارزمی (۴۶۷۔۵۳۸ھ)۔الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل۔ بیروت، لبنان: داراحیاء التراث۔

49۔الزیات، احمد حسن، تاریخ الادب العربی، المکتبہ العلمیہ، لاہور۔1413ھ، 1993ء

50۔زید حامد، اسلام کا سیاسی تصور پاکستان میں مذہبی وفرقہ ورانہ، برس ٹیکس، راولپنڈی۔دسمبر 2008

51۔زید حامد، ہندو وصیہونیت، برس ٹیکس، راولپنڈی۔2008

52۔زید حامد، یہودی اور عیسائی صیہونیت، برس ٹیکس، راولپنڈی۔دسمبر 2008

53۔ساجد الرحمٰن، بغدادی، بغداد سے بغداد تک مجلس ابرار 434/D-I/4 ٹاؤن شپ لاہور۔فروری 1991

54۔سرفراز اے، شاہ، کہے فقیر، ناشر فواز نیاز، 257، ریواز گارڈن، لاہور، (سال اشاعت درج نہیں)

55۔سرور قریشی، پروفیسر غلام، سندر پرنٹرز، امین پور بازار، فیصل آباد 2006۔

56۔ سید عابد علی عابد، اصول انتقادِ ادبیات مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور، طبع اوّل، 1960

57۔ سید قطب، فی ظلال القرآن، دارالشروق، بیروت (طباعت، تاریخ درج نہیں)

58۔ سید قطب، شہید، اسلام میں عدلِ اجتماعی، اسلامک پبلیکیشنز لمیٹیڈ ۔ جلد دوم، جنوری 1969

59۔ شارب، ڈاکٹر ظہورالحسن، تذکرہ اولیائے پاک و ہند، باراول، پروگریسو بکس، اُردو بازار، لاہور۔ اکتوبر 1999

60۔ شارب، ڈاکٹر ظہورالحسن، تصوف کی باتیں، تاج پبلیکیشنز دھلی ۔ 2007

61۔ شافعی، ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰، ۲۰۴ھ / ۷۶۷، ۸۱۹ء)، المسند، بیروت، لبنان: دارالکتب العلمیہ۔

62۔ شمس الدین چشتی، علامہ، سیرت طیبہ حضرت داتا گنج بخشؒ، اکبر بک سیلرز بیدہ سنٹر 40 اُردو بازار، لاہور۔ 2005

63۔ شیخ اکرام، محمد، آب کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ 1988

64۔ شیخ اکرام، محمد، رودکوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ 1988

65۔ شیخ اکرام، محمد، موجِ کوثر، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور۔ 1988

66۔ طاہر زیدی یوسفی، سید حسین، میں صدقے یارسول اللہ ﷺ، لاہور پرنٹرز۔ یکم جنوری 2011

67۔ طبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب بن مطیر اللخمی (۲۶۰۔۳۶۰ھ / ۸۷۳۔۹۷۰ء) المعجم الکبیر۔ موصل، عراق: مکتبۃ العلوم والحکم، ۱۴۰۳ھ / ۱۹۸۳ء۔

68۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید بن خالد (۲۲۴۔۳۱۰ھ / ۸۳۹۔۹۲۳ء)۔ جامع البیان فی تفسیر القرآن۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۵ھ۔

90۔ طوسی، ابونصر سراج، اللمع فی التصوف، ترجمہ، ڈاکٹر پیر محمد حسن، اشاعت دوم، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد۔ 2002

70۔ طٰہٰ حسین، ڈاکٹر، تاریخ اور سیاست کی روشنی میں حضرت عثمانؓ نفیس اکیڈمی، اُردو بازار، کراچی۔ ستمبر 1987

71۔ طٰہٰ حسین، ڈاکٹر، حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت فاروق اعظمؓ نفیس اکیڈمی، اُردو بازار، کراچی۔ 1989

72۔ طٰہٰ حسین، ڈاکٹر، حضرت علی کرم اللہ وجہ، تاریخ اور سیاست کی روشنی میں مصر کے مشہور نقاد اور نامور محقق نفیس اکیڈمی، اُردو بازار، کراچی۔ جون 1978

73۔ ظہور اظہر، ڈاکٹر احمد، العربیۃ المختارہ، یومیہ پبلکیشنز، اردو بازار، لاہور

74۔ ظہیر بدر، پروفیسر محمد، واصف علی واصف، القمر اسٹر پرائزز، رحمان مارکیٹ، اردو بازار، لاہور، نومبر 1997۔

75۔ عارف پروفیسر فضل احمد، سیرت بایزید، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔ 1996

76۔عالم فقری، سیرت غوث الاعظمؒ، ادارہ پیغام القرآن اردو بازار لاہور۔2005

77۔عبدالوحید، خواجہ، موضوعات قرآن اور انسانی زندگی، ادارہ تحقیقات اسلامی، الجامعہ الاسلامیہ العالمیۃ، اسلام آباد، طبع چہارم2009۔

78۔عبداللہ مرعی حامی، بن محفوظ، اسلام و دیگر مذاہب و معاشروں میں عورت کے حقوق و مسائل، دارُ الاشاعت اُردو، بازار ایم اے جناح روڈ، کراچی۔اپریل 2001

79۔عبدالسلام ندوی، مولانا، اُسوۂ صحابہؓ، مکتبہ خلیل، اُردو بازار لاہور۔(طباعت، تاریخ درج نہیں)

80۔عبدالقادر جیلانی، سیدنا غوث الاعظم، فتوح الغیب، ترجمہ سید سکندر شاہ، نوری کلب ڈپو، لاہور، 1978۔

81۔عبدالمجید سندھی، ڈاکٹر، پاکستان میں صوفیانہ تحریکیں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور۔1994

82۔عرفانی، سید محمد وجیہ السیماء، حرفِ جمال، بار دوم، سندر پرنٹرز فیصل آباد۔اکتوبر 2002

83۔عرفانی، سید محمد وجیہ السیماء، خواجہ ہی خواجہ، طباعت چہارم، سندر پرنٹرز فیصل آباد، 2010۔

84۔عرفانی، سید محمد وجیہ السیماء، دُعاءِ امام الشہداء، بار اول، ریگولر پرنٹرز، لاہور۔1985

85۔عرفانی، سید محمد وجیہ السیماء، عرفان القرآن، اعزاز الدین ٹی بی ایم پبلیشرز اینڈ پرنٹرز، لاہور، طباعت ھیجدھم، ستمبر 2012۔

86۔عرفانی، سید محمد وجیہ السیماء، میرے حضور ﷺ، سندر پرنٹرز فیصل آباد، طباعت پنجم، فروری 2010۔

87۔عسقلانی، احمد بن علی بن محمد بن علی ابن حجر (۷۷۳۔۸۵۲ھ/۱۳۷۲۔۱۴۴۹ء)۔الدرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ۔

88۔عمر الدین، پروفیسر محمد، سرسید احمد خان کا نیا مذہبی طرزِ فکر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور۔1995

89۔عنصر صابری، علامہ چشتی قادری، قصیدہ غوثیہ، مع ختم غوثیہ، شبیر برادرز، اُردو بازار، لاہور۔2007

90۔غزالیؒ، امام ابو حامد محمد بن محمد، کیمیائے سعادت، بار سوم، مترجم، علامہ ذوالفقار علی، ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، اگست 2012۔

91۔غزالیؒ، امام ابو حامد محمد بن محمد، المنقذ من الضلال، اردو ترجمہ، سرِ گزشت غزالی، از مولانا محمد حنیف ندوی، ادارہ ثقافت اسلامیہ، کلب روڈ لاہور، نومبر 2009۔

92۔فضل الٰہی، پروفیسر الحاج ملک، مقالات، طبع سوم، اعوان مطبوعات، اعوان منزل، جناح کالونی، جہلم۔2 جولائی 1998

93۔قاضی ثناء اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ)۔التفسیر المظہری۔کوئٹہ، پاکستان: بلوچستان بک ڈپو۔

94۔ قاضی محمد علی، شمع حقیقت، الرحمٰن پبلشنگ ٹرسٹ، کراچی۔ (طباعت، تاریخ درج نہیں)
95۔ قرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد بن ابوبکر بن فرح (۶۷۱ھ)۔ الجامع الاحکام القرآن والمبین لما تضمن من السنۃ وآی الفرقان۔ قاہرہ، مصر: دارالشعب، ۱۳۷۲ھ۔
96۔ قشیری، امام ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن، رسالہ قشیریہ، ترجمہ، ڈاکٹر پیر محمد حسن، مطبوعات ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، پاکستان۔ 1984
97۔ ماتریدی، ابومنصور محمد بن محمد بن محمود (م ۳۳۳ھ)۔ تفسیر القرآن العظیم المسمی تاویلات اھل السنۃ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۲۵ھ/ ۲۰۰۴ء۔
98۔ محسن کیانی، دکتر، تاریخ خانقاہ در ایران، (فارسی)، کتاب خانہ طھوری، تہران، چاپ اوّل، ۱۳۶۹ھ،
99۔ محسن کیانی، دکتر، تاریخ خانقاہ در ایران، ترجمہ، شائستہ خانم، دانشکدہ خاور شناسی، دانشگاہ پنجاب، لاہور۔ 2004
100۔ محمد خان، حافظ نوری، تسھیل الصرف، ضیاء القرآن پبلی کشیز لاہور۔ 2005
101۔ محمد لطیف، سید، تاریخ لاہور، ترجمہ، تخلیقات، اکرم آرکیڈ، 29 ٹمپل روڈ، م لاہور۔ نومبر 1997
102۔ محمد لطیف، ملک، اولیائے لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور۔ 2005
103۔ محمد یار فریدی، حضرت خواجہ، دِیوانِ مُحمدی، نوری کتب خانہ، دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ، لاہور۔ مئی 2006
104۔ محمود غازی، ڈاکٹر، احمد، محاضراتِ معیشت وتجارت، الفیصل ناشران وتاجران کتب، اردو بازار، لاہور، اپریل 2010۔
105۔ مرتضٰی زبیدی، سید محمد بن محمد الحسینی، تاج العروس، اول ایڈیشن، دارالکتب العلمیۃ، بیروت، لبنان۔ 2007
106۔ مسلم، ابوالحسن مسلم بن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (۲۰۶۔۲۶۱ھ/ ۸۲۱۔۸۷۵ء)۔ الصحیح۔ بیروت، لبنان: داراحیاء التراث العربی۔
107۔ مطہری، استاد شہید، علی علیہ السلام، العصر اسلامک بک سنٹر، 35 حیدر روڈ اسلام پورہ، لاہور۔ ستمبر 2005
108۔ معراج الاسلام، محمد، کعبۃ اللہ اور اس کا حج، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور
109۔ معین ندوی، شاہ الدین، تاریخ اسلام (اول ودوم)، مکتبہ خلیل، اُردو بازار لاہور، (طباعت، تاریخ درج نہیں)
110۔ مُفتی سرور لاہوری، غلام، تزکیہ نفس اور کتاب وحکمت کی تعلیم، مطبوعات، 249 این سمن آباد، لاہور۔ 2000
111۔ مُفتی سرور لاہوری، غلام، خزینۃ الاصفیا، ترجمہ وترتیب، پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، گنج بخش روڈ، لاہور۔ 2001
112۔ مُفتی سرور لاہوری، غلام، خزینۃ الاصفیا (قادریہ)، مکتبہ نبویہ لاہور۔ 2010

113۔مودودیؒ،سید ابوالاعلیٰ،خلافت وملوکیت،طباعت 34،ادارہ ترجمان القرآن،اُردو بازار لاہور۔دسمبر 2011

114۔نثار احمد،پروفیسر ڈاکٹر،خطبہ حجۃ الوداع،بیت الحکمت،لاہور۔2008

115۔نجیب آبادی،مولانا اکبر شاہ خان،تاریخ اسلام،دارالاشاعت،اُردو بازار،کراچی۔جنوری 2003

116۔نسائی،ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی (۲۱۵۔۳۰۳ھ/۸۳۰۔۹۱۵ء)۔السنن

117۔نعیم احمد،ڈاکٹر،تاریخ فلسفہ یونان،منظور پرنٹنگ پریس،لاہور۔2005

118۔نعیم صدیقی،مُحسنِ اِنسانیت ﷺ،ادارہ مطالعہ تحقیق،وحدت روڈ،لاہور۔اپریل 2007

119۔نواب گدڑی شاہ،معین الارواح،پبلشر انعام الحسن،شارب ہاؤس اجمیر،نومبر 1992۔

120۔وحید الزمان،مولانا کیرانوی،القاموس الجدید،ادارہ اسلامیات،انارکلی،لاہور۔

121۔ہاشمی،ڈاکٹر رفیع الدین،اقبال شناسی اور جرنل ریسرچ،بزم اقبال،کلب روڈ،لاہور،مارچ 1989۔

122۔ہجویری،سید علی بن عثمان،کشف المحجوب،البغداد پرنٹرز جامعہ قادریہ رضویہ مصطفیٰ آباد سرگودھا روڈ،فیصل آباد۔
جنوری 2012

123۔یوسف سلیم چشتی،پروفیسر،تاریخ تصوف،دارالکتاب،اُردو بازار،لاہور۔

☆--------------------------☆

80986